

اعتراف

ڈاکٹر صاحب مرحوم نے اب سے کافی عرصہ قبل سخت محنت اور جان کا ہٹی کے بعد اس کتاب کا مسودہ تیار کر لیا تھا۔ اور جلد از جلد اس کے شائع کرانے کے متمنی تھے۔ لیکن مشیت ایزدی نے انہیں اپنی آرزو پوری کرنے کی مہلت نہ دی اور ۳۰ دسمبر ۱۹۵۶ء کی خونین شب کو بعاصنہ قلب وہ اللہ کو پیارے ہوئے اب میں اپنے کمزور ہاتھوں سے ان کی خواہش کی تکمیل کی سعادت حاصل کر رہی ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ ان کی پاکیزہ روح کو میری اس کوشش سے سکین و سرور حاصل ہوگا

خاکسار۔ ڈاکٹر اقم کلثوم بیوہ

ڈاکٹر محمد عبدالغفور مرحوم

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں

اشاعت اول ۵۰۰

تاریخ اشاعت . یکم مارچ ۱۹۵۸ء

پرنٹر پبلشر . ڈاکٹر محمد ایوب

انتظام نگرانی . عبدالسلام خان

طباعت .. بولان مسلم پریس کوئٹہ

عبدالعزیز کاتب بولان مسلم پریس کوئٹہ

فہرست مضامین

پاکستان میں ہجرت کے آٹھ سال

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۱۲۲-۱۱۷ یوپی کا مہاجر	۱ انساب
۱۲۸-۱۲۵ مجرمانہ قیادت	۲۰-۲ پیش لفظ
۱۲۸-۱۱۹ صوبائی عصیت	۲۲-۲۱ تعارف و تبصرہ
۱۲۹-۱۲۳ آباد کاری کیتیل مشاہیر پاکستان کے خیالات	۲۰-۲۵ پاکستان
۱۳۱-۱۲۷ غیر کیا کہتے ہیں	۵۱-۴۱ سندھ
۱۵۱-۱۴۲ غمخوار ناصح	۵۵-۵۲ پنجاب
۱۵۷-۱۵۶ سانی وحدت (۱)	۴۲-۵۶ مشرقی پاکستان
۱۶۱-۱۵۹ سانی وحدت (۲)	۷۵-۷۵ پاکستان میں مہاجرین کی تعداد و آباد کاری
۱۶۵-۱۶۲ مہاجر ٹیکس	۸۲-۷۶ دنیا کی سب سے بڑی ہجرت
۱۶۵-۱۶۱ متفقہ اور غیر متفقہ علاقوں کا امتیاز	۸۱-۸۵ اسلامی نظام حکومت
۱۷۵-۱۷۱ اے ارض پاک جہا بیٹے دو گز زمین مجھے	۹۱-۸۹ پاکستان کا تخیل
۱۷۷-۱۷۶ انقلاب زمانہ	۹۷-۹۲ پاکستان کس طرح عالم وجود میں آیا
۱۸۵-۱۸۱ پاکستان کی حکومت کا غیر مسلموں	۱۰۵-۹۷ جنس لا وارث
" کے ساتھ فیاضانہ برتاؤ	۱۰۸-۱۰۶ جنس تجارت
۱۹۷-۱۹۶ متروکہ جائیدادوں کے چھوڑے	۱۱۶-۱۰۹ اعواہ شدہ عورتیں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ الرَّسُولُ اللَّهُ

ڈاکٹر عبد الغفور ساخت درجہ تہ مکان

۱۳۹۳ ————— ۳۵۲ + ۱۱۱

سال یک روز پیش از داخلہ آنجہاں

(۱۹۵۶ - ۱ = ۱۹۵۶)

پیدائش ۱۸۹۵ء رحلت ۳۰ دسمبر ۱۹۵۶ء

مدت قید و زندان بیٹا بہ پادشہ جرم شرکت تعمیر پاکستان ۱۸ اگست ۱۹۳۸ء
۱۵ جنوری ۱۹۴۹ء

آج محفل سے اٹھ گیا بھل	اٹھ گیا حیف ایک صاحب دل
مرد آزاد مخزن آداب	جان اخلاق رولت محفل
شاہ اقلیم فن شعر و ادب	محسن فن سخن و کلام
نازشیں ملک محسن ملت	مخلص قوم رہبر کامل

رہبر کاروان عشق گیا
اب نہ ہے قیس اور نہ ہے محمل



انتساب

رفیقہ حیات ڈاکٹر ام کلثوم عبدالغفور کے نام
 جس نے ۱۹۴۹-۱۹۴۸ء میں بہ جرم پاکستان، بنارس سنٹرل جیل
 میں مہنیت ہی خود داری کے ساتھ قید و بند کے مصائب
 برداشت کئے اور ہمیشہ کے لئے اپنی صحت سے ہاتھ دھو بیٹھی
 (۲) اور چسپے پاکستان میں آکر بھی ناقابل بیان پریشانیوں سے
 مقابلہ کرنا پڑا۔ اور زمانہ کی تمام سختیاں اس پر ختم ہو گئیں۔

ڈاکٹر محمد عبدالغفور۔ ریحل

لاڑکانہ

۲۴ ستمبر ۱۹۵۵ء

پیش لفظ

ہندوستان کے مسلمانوں کی پاکستان میں ہجرت۔ دنیا کی سب سے بڑی ہجرت ہے۔ اور ان کے مصائب کا افسانہ واقعات۔ کربلا سے کم دردناک نہیں ہے۔ اس ماجرا نے درود کو بیان کرنے کے لئے الف لیلہ کے افسانوں کی طرح ہزاروں راتیں بھی ناکافی ہیں۔

ایک خستہ حال شخص۔ مہربان بڑا چہرہ۔ زندگی سے بیزار۔ ہزاروں نیکروں میں مبتلا۔ بس اس کے سامنے پاکستان کا ذکر پھیڑ کو دیکھ لیجئے۔ فوراً آنکھوں میں چمک پیدا ہو جائے گی۔ تمام جسم میں خون تیزی سے دوڑنے لگے گا۔ مال کا تو نام نہیں لیکن پاکستان کے نام پر اپنی جان ناتوان بڑی خوشی سے نثار کرنے کو تیار ہیں۔ یہ ہی مہاجر کی پہچان ہے۔

میرے تلو زخموں کا مرہم ہے، وطن کی چاندنی

میرے تلو دردوں کا اک درماں ہے، آزاد وطن رُسور جہاں آبادی،
پاکستان کے مہاجرین۔ پاکستان کے بالی ہیں۔ پاکستان کے فدائی ہیں۔ پاکستان ان کا ہے۔ ادب یہ پاکستان کے ہیں۔

ہم ان کسے ہیں ہمارا پلو جھنکا کیا۔

حقیقہ۔ لوگ مہاجر کہتے ہیں۔ یہ وہی سودائی ہیں۔ جو کہ پاکستان بننے سے پہلے اور پاکستان بننے کے بعد پاکستان کے مان نثار اور قائد اعظم کے شیدائی تھے۔

مسلم اکثریت کے صوبے اپنی اکثریت پر نازاں ہیں۔ انہوں نے قائد اعظم کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا۔ تقسیم سے قبل جب قائد اعظم پنجاب اور سرحد آئے۔ تو اکثریت والے صوبوں کے لوگوں نے ان کے خلاف سازشیں کیں لیکن اقلیتی صوبوں کے مسلمانوں نے ہمیشہ قائد اعظم کی حوصلہ افزائی کی؟

پاکستان کو بنے ہوئے آٹھ سال ہو گئے۔ اس وقت پاکستان میں مہاجرین کی کیا حالت ہے۔ اس کے متعلق ذمہ دار حضرات کے بیانات بھی پڑھ لیجئے۔

(۱) سندھ کے گورنر جناب خان افتخار حسین خان۔

مہاجرین کے معاملہ میں غفلت برتی جا رہی ہے۔ اگر ان کے ساتھ یہاں اچھا سلوک نہیں ہوا تو ان پر سراسر ظلم ہو گا۔ ایڈریسوں کے سلسلہ میں مجھے حکومت کے مختلف محکموں کی جانب سے جو یادداشتیں مہیا کی گئی ہیں۔ ان میں بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ فلاں اسکیم حکومت کے زیرِ غور ہے۔ اور فلاں اسکیم پر غور ہو رہا ہے۔ اور غور و خوض کی منزل سے آگے نہیں بڑھ سکی ہے۔

(۲) مسٹر حسین شہید سہروردی - وزیر قانون پاکستان،

مہاجرین کی حالت کا ذکر کرتے ہوئے، آپ نے فرمایا کہ یہ غریب پاکستان میں پھل پھول نہیں سکے۔ ان میں جو چند خوش حال نظر آتے ہیں۔ وہ مصیبت زدہ مہاجرین کی اکثریت کے مقابل میں اس قدر کم ہیں کہ انہیں شمار میں نہیں لانا چاہئے۔

(۳) ڈاکٹر خان عاحب وزیر مواصلات پاکستان،

گزشتہ ساٹھ سال کے واقعات سے ثابت ہو گیا ہے کہ پاکستان کی کسی سیاسی جماعت نے عوام کی صحیح اور کامیاب رہنمائی نہیں کی ہے۔ مہاجرین کو ناقابلِ بیان مصائب کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ اس لئے وہ ہمدردی کے مستحق ہیں۔

(۴) مسٹر محمد علی وزیر اعظم پاکستان کے اعلانات۔

وزیر اعظم نے ملکہ ایلیزابت ثانی کے جین تاج پوشی سے واپسی کے بعد اہل کراچی کے ایک سپانامہ کا جواب دیتے ہوئے یہ اعلان کیا تھا۔

۱، گزشتہ چھ سال میں مہاجروں کے ساتھ انصاف نہیں ہوا ہے۔

۲، وزیر اعظم نے قائد اعظم کی چھٹی برسی پر پھر یہ اعلان کیا۔۔۔۔۔۔ یہ بات بہت شرمناک

ہے کہ مہاجرین کے ساتھ انصاف نہیں ہو سکا۔

۱۳، قائد اعظم کی برسی کے دن ستمبر ۱۹۵۴ء میں وزیر اعظم نے یہ بات دھرا دی
 ”یہ شرم کی بات ہے۔ اور شرم و ندامت سے ہمیں اپنا سر جھکا لینا چاہیے۔ کہ اپنی متحدہ
 اور بہترین کوششوں کے باوجود ہم اپنے مہاجر بھائیوں کو ان کے جائز حقوق دلوانے میں ابھی
 تک انصاف نہیں کر سکے ہیں۔ جنھوں نے پاکستان کی تعمیر میں بہت بڑا حصہ لیا ہے۔“

وزیر اعظم کی اس تقریر پر محترم مدیر ڈان نے اس طرح اظہار خیال کیا ہے:-
 وزیر اعظم نے اپنی تقریر میں دو وعدے کئے ہیں۔ ایک تو یہ کہ مہاجرین کے ساتھ
 فوراً انصاف کیا جائے گا۔ اس بات کا سمجھنا مشکل ہے کہ ان لاکھوں مہاجروں کے ساتھ
 کس طرح فوراً انصاف کیا جائے گا۔ جو کہ سات سال سے انصاف سے محروم ہیں۔ دوسرا
 وعدہ یہ ہے کہ مہاجر کونسل فوراً اپنا کام شروع کر دے گی۔ اس بات کی کیا ضمانت
 ہے کہ یہ کونسل کوئی مفید کام انجام دے سکے گی۔ جب کہ گورنمنٹ کی اب تک کی تمام اسکیموں
 کوئی مفید نتائج نہیں نکل سکے ہیں۔

مہاجر فنڈ کا تین کروڑ یا اس سے زائد روپیہ مرکزی حکومت کے خزانہ میں اب تک جمع ہے
 قائد اعظم سے زیادہ مہاجروں کا عملی مہمرو اور خیر خواہ کوئی نہیں ہوا بشہید ملت لیاقت علی
 خان صاحب کا دم غنیمت تھا۔ وہ خود بھی مہاجر تھے۔ اور مہاجروں کے شہیدائی۔ عام
 خیال یہ ہے کہ ان کا سب سے بڑا جرم یہ تھا کہ وہ مہاجر تھے۔ اور یہ ہی ان کی شہادت
 کا باعث بنا۔

جو چھپ رہے گی زبان خنجر۔ لہو پیکارے گا آستین کا

قائد ملت کی شہادت کے بعد کچھ عرصہ تک مہاجروں سے مہمرو دی کی فضا سکت و جواہر ہی پھر
 اس جہود میں حرکت پیدا ہوئی۔ اور ایک آواز بلند ہوئی۔ اور وہ آواز مسٹر محمد علی دوگر دی کی تھی۔ کچھ نکتہ
 چین حضرات یہ بھی کہتے ہیں کہ انہی کے دور حکومت میں مشرقی پاکستان میں مہاجر و انصار کا سوال پیدا

ہوا۔ اور مہاجرین کے قتل و غارت گری کا ہزار گرم ہوا۔ میری رائے اس سے مختلف ہے۔
 مشر محمد علی وزیر اعظم پاکستان نے اپنی تقریروں میں جب کبھی مہاجرین کی آماد کاری کا ذکر کیا ہے
 تو ان میں دو باتیں خاص طور پر جاذب توجہ ہیں۔

۱، وزیر اعظم سچائی اور ایمان داری کے ساتھ صاف الفاظ میں ہمیشہ اس ناکامی کا اعتراف
 کرتے ہیں۔ کہ میں بجالی کے کام سے پورے طور پر مطمئن نہیں ہوں۔

۲، وزیر اعظم ہمیشہ اپنی تقریروں میں ایسے الفاظ استعمال کرتے ہیں جن سے مہاجرین کے
 حوصلے بلند ہوتے ہیں۔ آپ نے اکثر یہ کہا ہے کہ جب تک ایک مہاجر بھی بے گھر ہے اس وقت تک پاکستان مکمل نہیں ہو سکتا
 پاکستان کے ارباب اقتدار کی تقریروں سے کچھ ڈھارس سی بندھ جاتی ہے۔ اور یہ یقین ہونے
 لگتا ہے کہ مہاجرین کے لئے کچھ نہ کچھ ضرور ہو کر رہے گا۔ اس وقت مہاجرین پاکستان میں اپنی
 تسلی بخش الفاظ کے سہارے پر جی رہے ہیں۔

تیری بندہ پردی سے مرے دن گزر رہے ہیں
 نہ گلہ ہے دوستوں کا۔ نہ شکایت زمانہ علامہ اقبال،
 کم از کم ان تقریروں سے یہ تو ظاہر ہو جاتا ہے کہ مہاجرین حکومت کی توجہ کو اپنی جانب مبذول کرانے
 میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ ہم شاد ہیں۔ کہ میں۔ تو کسی کی نگاہ میں

ہندوستان میں مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ ہے۔ آئے دن فرقہ وارانہ فسادات
 ہوتے رہتے ہیں۔ ہر فرقہ پرست ہندو مسلمانوں سے وفاداری کا مطالبہ کرتا ہے۔ ہر فرقہ پرست
 ہندو یہ کہتا ہے کہ اگر مسلمانوں کو ہندوستان میں رہنا ہے تو وہ ہندو بن کر رہیں۔ ورنہ پاکستان
 چلے جائیں۔ بھارت میں مرنے کے بعد بھی مسلمانوں کو جین مانا دشوار ہے۔ مادر ملت
 محترمہ فاطمہ جناح کا یہ ارشاد بالکل صحیح ہے۔ "کہ مہاجرین کا مسئلہ ہمارے یہ شعور حب الوطنی
 اور اخوت اسلامی کے لئے چیلنج ہے۔"

ع۔ مشر محمد علی اب امریکہ میں پاکستان کے سفیر ہیں۔ جناب اسکندر مرزا اب پاکستان کے گورنر جنرل ہیں۔ اور فیروز خان نون وزیر اعظم

آج تک کسی اسلامی ملک کو یہ توفیق نہیں ہوئی کہ اخوت اسلامی کی بنا پر بھارت کی مسلم کشی کے خلاف صدائے احتجاج بلند کر سکے۔ افغانستان کو دیکھ لیجئے، حکومت اور رعایا دونوں مسلمان ہیں، بھارت میں مسلمانوں پر بے پناہ مظالم ڈھائے گئے، اور اب بھی یہ سلسلہ جاری ہے لیکن ان مظالم کے خلاف کبھی کوئی آواز سننے میں نہیں آئی، مصر میں عوام اور حکومت دونوں اسلام کے ماننے والے ہیں، لیکن بھارت کی چیرہ دستیوں کے خلاف ہمیشہ سکوت مطلق سے کام لیا گیا، ترکی سے پاکستان کا معاہدہ دوستی ہے، ترکی کے ارباب اقتدار اور عوام دونوں مسلمان ہیں، لیکن ترکوں کو ان کے لادینی اصولوں نے سنگ مرمر کا مجسمہ بنا دیا ہے، انڈونیشیا میں ۹۰ فیصد ہی مسلمان ہیں، عمان حکومت بھی مسلمانوں ہی کے ہاتھوں میں ہے، لیکن مسلمانوں کے خون سے رنگین ہاتھوں کو بوسے دے رہے ہیں۔ یہی حالت دنیا کے دوسرے مسلم ممالک کی ہے پاکستان خود اس لعنت میں مبتلا ہے۔

ہمارے رہنما اپنی تقریروں میں — اسلامی فکریہ — اسلامی اشتراکیت، اسلامی روایات اور اسلامی شان و شوکت کے شاندار الفاظ تو استعمال کرتے ہیں، لیکن عملی دنیا میں عضو معطل بنے ہوئے ہیں، بے عملی اور نمائش زندگی کی بیماری ہمارے بوڑھوں، نوجوانوں اور عورتوں میں پھیل رہی ہے۔ اور ان کے زیر پیے اثرات دنیا کے تمام مسلمانوں کو مفلوج بنا رہے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ پاکستان کا وقار دنیا میں گرتا جا رہا ہے۔

۱۱، پاکستان کے دارالسلطنت کراچی میں چند سال ہوئے کہ موتمر عالم اسلامی — دین الاقوامی اسلامی اقتصادی کانفرنس، — کا ایک جلسہ نہایت ہی شان و شوکت کے ساتھ منعقد کیا گیا تھا، اور ہنگامہ خیز تقریروں میں کئی گھنٹیں، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ بائیان جلسہ تمام مسلمانوں کی گری ہوئی اقتصادی حالت کو سمجھال کر دم لیں گے لیکن بہت جلد اس کانفرنس نے موت کی چادر اوڑھ لی اور دائمی نیند سو گئی۔

۱۲، کراچی میں پاکستان کے چند کھن سال لیڈروں نے — شعوب المسلمین — قائم کی تھی جس کا

نعرہ تھا۔ اسلامستان۔ جس کا منشا یہ تھا کہ روسی اور امریکی ہلاک کی طرح ایک تیسرا ہلاک دنیا میں بنایا جائے جس سے تمام مسلمان حکومتیں وابستہ ہوں۔ انہوں نے کہ اسلامستان کا نعرہ لگانے والوں کی سرگرمیاں بغیر کسی ہنگامہ یا لائحہ عمل کے ختم ہو گئیں۔

۱۹۵۵ء کے پہلے ہفتہ میں کراچی میں موتمر شباب العالم الاسلامی مسلم نوجوانوں کی بین الاقوامی موتمر International Assembly of Muslim Youth کے کئی اجلاس منعقد ہوئے

اس موتمر نے ایک کمیٹی مقرر کی ہے جو ان مسلمانوں کے حالات معلوم کرے گی جو غیر مسلموں کے مظالم کے شکار ہیں۔ اس سلسلہ میں بطور خاص شمالی لیڈ چین، روسی ترکستان، عرب انتدابی ریاستیں، مغربی فرانس کی نوآبادیات وغیرہ وغیرہ کے نام تو شامل ہیں لیکن بھارت کا نام اس فہرست سے خارج ہے بین الاقوامی اسلامی اقتصادی موتمر، شعوب المسلمین، موتمر شباب العالم الاسلامی۔ دنیا اسلام کے دعویداروں کی ان جماعتوں میں سے کسی کو بھی یہ توفیق نہیں ہوئی کہ بھارت کی حکومت کی مذمت کرے جس کے ہاتھ ہندوستان کے مسلمانوں کے خون سے رنگیں ہیں۔ روسی و فرانس کے خلاف تو ریڈیویشن پس کے گئے لیکن ہندوستان کے خلاف ایک لفظ بھی زبان سے نہ نکالا گیا۔

ممبروں پر چڑھ کے تقریریں بہت آسان ہیں

تیغ کے سایہ میں آکر مسکرا سکتا ہے، کون؟

”تقسیم کے بعد ہندوستانی مسلمانوں پر۔ عجمی دور گز چکا۔ طوفانِ قدرے تھا ہے لیکن ایک طوفان اور ہے جو کھیل سیلاب کی سطح کے نیچے پرورش پا رہا ہے یہ طوفان خاموش ہے لیکن اس طوفان سے جو تہم و جہان اور مال و جائیداد سے آگ اور خون کی ہولی کھلتا ہے زیادہ خطرناک ہے۔ یہ طوفان دل و دماغ کی دنیا پر لہا ہوتا ہے اور قوموں کے مزاج بدل دیتا ہے۔“

ہندوستان میں حکومت کی بنیاد لادینی اصولوں پر رکھی گئی ہے۔ لیکن اسکولوں میں جو نصاب تعلیم پڑھایا جا رہا ہے، اس میں صرف ہندو فرقہ کے عقائد و روایات کو نمایاں کیا گیا ہے۔ دیگر مذاہب خصوصاً اسلامی عقائد اور اسلامی دینی رجحانات کو درس سے خارج کر دیا گیا ہے۔

اس حقیقت سے انکار کی کسی کو مجال نہیں ہے کہ ہندوستان میں ایک عرصہ سے کلچر کا نام لے کر ہندومت کی تبلیغ کی جا رہی ہے اور حکومت اس تبلیغ کی روح رواں ہے حکومت کے وہ تمام محکمے جنہیں تبلیغ کے مواقع حاصل ہیں۔ اس فرض کو انجام دے رہے ہیں تعلیم کے محکمہ کی دسترس چونکہ بہ راہ راست بچوں سے ہے اس لئے یہ سب سے زیادہ خطرناک ہے۔ اکثر اخباروں میں وزیر اعظم بھارت پنڈت جواہر لال نہرو کی ایک تقریر کا یہ جملہ میری نظر سے گزرا ہے "پاکستان میں لوگ زیادہ جذباتی نہیں رہے۔"

اس جھوٹے سے جملہ کا مفہوم یہ ہے کہ پاکستان کے مسلمانوں میں جو اسلامی جذبات کا ایک بے پناہ سیلاب موجیں مار رہا تھا۔ وہ اب سرد ہو گیا ہے۔

وائے ناکامی۔ متاع کارواں جاتا رہا

کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

دعلامہ اقبالؒ
اغیار خوش ہیں کہ پاکستان نے اس متاع عرب کو ضائع کر دیا ہے۔ اُن۔ اس طعنہ دہل خراش کی چوٹ مہاجر کے درد مند دل سے پوچھئے۔

پاکستان کی خوش حالی

پاکستان کے ذمہ دار اور حکمران طبقہ کے بیانات کے مطابق پاکستان دنیاوی اور مادی حیثیت سے ترقی کی سمت لائے لائے قدم اٹھا رہا ہے اور یہ ترقی ہر پاکستانی کے دل کو خوشی سے لبریز کر دیتی ہے۔ لیکن جب ہم امریکا اور ایدہ پر غور کرتے ہیں۔ تو خدا جانے کیوں ہمیں یمن کا یہ بیان یاد آ جاتا ہے جس میں اس نے انقلاب روس کے پانچ سال بعد روس کو ایک ایسے پابج سے جو بیساکھیوں کے سہارے چل رہا ہے اور اس کے سارے چہرہ پر ہڈیاں بندھی ہوئی ہیں؟ تشبیہ دی ہے۔

یہ دیکھ کر کہ پاکستان دینی اور اخلاقی نقطہ نظر سے ترقی کے بجائے تنزل کی طرف جا رہا ہے تو دل مر جھاتا ہے۔ پاکستان میں عصمت دری۔ عورتوں کا اغوا۔ قتل، ڈاکہ زنی، جیب ترکشی اور نوزائیدہ

بچوں کے لئے گھونٹ کر مار ڈالنے کے جرائم روزانہ بڑھتے جا رہے ہیں۔

سرکاری اعداد و شمار کے مطابق ۱۹۵۴ء کی پہلی سہ ماہی میں پورے پاکستان میں سنگین جرائم کی ۱۰۲۵۳ وارداتیں ہوئیں۔ ان جرائم میں مشرقی پاکستان کا نمبر اول ہے اور پنجاب کا نمبر دوم۔ کراچی میں تین ماہ میں ۵۹۱ وارداتیں ہوئیں۔ ملک فیروز خان فون وزیر اعلیٰ پنجاب نے ۲۳ جنوری ۱۹۵۵ء کو ایک تقریر میں فرمایا۔ کہ مجھے انسو کی ہے۔ کہ میں سال پہلے متحدہ پنجاب میں ہر سال قتل کی آٹھ وارداتیں ہوتی تھیں لیکن اب صرف پاکستانی پنجاب میں ہر سال ہزار۔ گیارہ سو وارداتیں ہو جاتی ہیں۔

جب سے پاکستان بنا ہے ضلع لاہور میں جنسی جرائم بڑھتے جا رہے ہیں۔ ناجائز بچوں کی پیدائش میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے ۱۹۴۵ء میں زنا بالجبر کی ۳۰ رپورٹیں پولیس کے یہاں درج رجسٹر ہوئیں۔ لیکن ۱۹۴۸ء میں یہ تعداد ۵۴۴ تک پہنچ گئی تھی۔ ۱۹۴۵ء میں ناجائز بچوں کی ولادت تعداد صرف ۹ تھی۔ لیکن آٹھ برس کے بعد ناجائز بچوں کی ولادت کی تعداد ۴۱ ہے۔

پنجاب میں جو طبقہ فراڈ اور خیال ہے۔ وہ قانون امتناع شراب کی تلخی بھی چاہتا ہے.....
 نیچے اعداد تو فراہم نہ ہو سکے۔ تاہم اندازہ یہ ہے کہ سو بہ پنجاب میں ۱۰ ہزار سے اوپر اشخاص کے پاس
 جس ضرورت کی بنا پر شراب کے پرمٹ موجود ہیں۔

پاکستان کی ایک عجیبی انجمن کے صدر کے قلم سے یہ سلسلہ امتناع شراب نوشی۔ "اتلیستی
 فرقہ اس قدر شراب نوشی نہیں کرتا جس قدر خفیہ اور ظاہری طور پر ہمارے سلمان بھائی کر رہے ہیں؟
 کس قدر انوس کا مقام ہے۔ کہ یہ جرائم اس ملک میں بڑھتے جا رہے ہیں جس کے نوے فیصدی
 باشندے اسلام کے پیرو ہیں۔ اور اسلام مذہب ہے۔ جس نے دنیا کے تمام مذاہب سے زیادہ پاکیزگی
 نص اور خدا ترسی پر زور دیا ہے۔

۱۔ روزنامہ جنگ کراچی۔ ۲۵ جنوری ۱۹۵۵ء۔ ۲۔ ڈان کراچی۔ لاہور۔ ۲۸ اگست ۱۹۵۵ء۔ ۳۔ اسٹیشنرین۔

۱۲ اگست ۱۹۵۵ء۔ اس کے واقعہ نگار۔ لاہور کے قلم سے۔ ۱۰۔ از صدق کھٹو۔ ۱۱۔ صدق کھٹو

یہ صحیح ہے کہ پاکستان میں اسلامی اصولوں پر عمل نہیں کیا جا رہا ہے۔ حالانکہ پاکستان یہ کہہ کر بنایا گیا تھا کہ یہاں ایک ایسی حکومت بنائی جائے گی جس میں اسلامی اصولوں پر عمل کیا جائے گا۔

شعبہ ملت لیاقت علی خان صاحب نے بار بار اس پر زور دیا تھا کہ پاکستان میں غریبوں کو زیادہ غریب اور امیروں کو زیادہ امیر نہیں بننے دیا جائے گا۔ لیکن ۹ سال گزرنے کے بعد بھی چند سرکاری اداروں اور جاگیرداروں کو چھوڑ کر عوام اسی طرح غریب ہیں۔ تباہ حال ہیں اور پریشانیوں میں مبتلا ہیں۔

منصوبہ بندی بورڈ کے صدر شہزادہ حسین نے دماغی صحت کے مباحثہ میں تقریر کرتے ہوئے پاکستانی عوام کے جذبات کی صحیح ترجمانی کی ہے۔

”پاکستان مذہب کی بنیاد پر بنایا گیا تھا۔ اور ہمارے سماجی اور انفرادی مسائل کا علاج یہ ہے کہ ہم انہیں مذہب کے نقطہ نظر سے حل کرنے کی کوشش کریں۔ ایک ایسے ملک میں جو زیادہ مذہبی ہو۔ مذہبی اثر کو ختم کرنے کی کوشش گمراہ کن ہے۔ اس سے ملک کے انتشار اور مشکلات میں اور زیادہ اضافہ ہوگا۔

پاکستان کے عوام کی زندگی میں انتشار کا اولین سبب غریبت ہے۔ کیونکہ پاکستان اپنے قدرتی وسائل سے فائدہ اٹھانے اور اس پر قابو پانے کے سلسلہ میں بے حد پس ماندہ ہے۔

آباد کاری

پاکستان کو بنے ہوئے آٹھ سال ہو چکے ہیں۔ لیکن ابھی تک جہا جہا کی آباد کاری کا مسئلہ ایک عقدہ لایمحل بنا ہوا ہے حکومت اور عوام کی نیک نیتی میں کوئی شعبہ نہیں ہے۔ لیکن ہم میں اگر کوئی کمی ہے تو وہ جو شغل عمل کی۔ زندہ اور باعمل قوموں کی طرح نہ تو ہماری روح میں کوئی گرمی ہے اور نہ ہمارے دلوں میں کوئی تڑپ ہے۔

۱۔ وزیر تعلیمات مولانا ابوالکلام نے سفرِ یورپ سے واپس پر ایک پبلک جلسہ میں جرمنی سے متعلق تقریر میں فرمایا۔ کہ دوسری جنگ عظیم سے جرمنی میں جب تباہی آئی۔ تو اپنی سب سے زیادہ بھانگہ شہر میں بڑے بڑے پر رونق شہروں میں فیصدی۔ نشر۔ نشر۔ اسٹی۔ اسٹی مکانات

کھنڈر بن گئے۔۔

۱۹۵۰ء سے قبل تو آباد کاری کا موقع ہی نہ مل سکا۔ یہ امکانات ۱۹۵۱ء سے شروع ہوئے اور اس پانچ سال کی قلیل مدت میں جرمنی نے نہ صرف اپنی تباہی و بربادی کے اثرات دھو ڈالے بلکہ جی رونی میں پہلے سے بھی بڑھ گیا ہے۔

میں نے دیکھا کہ جرمن قوم کے ہر فرد میں ایک لگن ہے۔ اور مرد ہو یا عورت ہر شخص اسی دھن میں سرگرم ہے کہ ملک جلد سے جلد آباد ہو اور آگے بڑھے۔ چنانچہ سرکاری ملازم ہو یا کارخانہ کے مزدور اپنی ڈیوٹی سے کہیں زیادہ وقت صرف کرتے ہیں۔ دفتر کا وقت اگر دس بجے ہے تو صبح بجے پہنچ کر کام شروع کر دیتے ہیں۔ اور ان کو اس کا ہوسہ بھی نہیں گزر تا کہ معینہ تنخواہ کے علاوہ زیادہ کارگزاری اور اوروہ ٹائم کا کوئی معاوضہ وصول کریں۔

(۲) سویت روس نے تعمیر کے سہ سالہ منصوبہ کو صرف دو سال میں اختتام کو پہنچایا۔ بھلری حملوں نے وہاں کی عمارتوں کو اس قدر شدید نقصان پہنچایا تھا کہ درجنوں شہر اور ہزاروں گاؤں کھنڈروں میں تبدیل ہو گئے تھے۔ دو کروڑ اور ۵۰ لاکھ عوام بے خانہ ہو گئے۔ ایک کروڑ ساٹھ لاکھ مربع میٹر سے زیادہ رقبہ کے رعائشی مکانات تعمیر کر کے تمام بے گھروں کو اس میں بسا دیا گیا۔

لاہور کے مسلمانوں کی مہمان نوازی

لاہور کریکٹ ٹیسٹ میچ کو دیکھنے کے لئے ہزاروں ہندوستانی - (ہندو اور سکھ) - لاہور آئے تھے۔ مسلمانوں نے ان کی بے انتہا خاطر تواضع کی۔ ایک مسلمان نے اپنی ماں اور بہن کے قاتل کو مہمان بنا کر رکھا۔ ایک نامہ نگار نے لکھا ہے کہ میں خود چوک قلعہ گوہند سنگھ میں کھڑا تھا۔ میں نے سکھ کے رونے اور مسلمان کے معافی دینے کی وجہ پوچھی۔ لہنا سنگھ نے آنسو بہاتے ہوئے کہا کہ میں نے

غلام محمد کی والدہ کو جو میری والدہ کی طرح تھی۔ اور غلام محمد کی ہمیشہ کو جو میرے لئے ہمیشہ کی طرح تھی۔ فسادات میں شہید کر دیا تھا۔ اس کے بعد لہنا سنگھ خاموش ہو گیا۔ اور غلام محمد کے کے پاؤں میں بیٹھ گیا۔ غلام محمد نے اٹھا کر اسے سینے سے لگایا۔ اور صرف اتنا کہا۔ کہ میں مسلمان ہوں اور لہنا سنگھ میرا مہمان ہے۔

غلام محمد کی مہمان نوازی کی یہ تنہا مثال نہیں ہے پاکستان کے لاتعداد مسلمانوں نے سکھ اور ہندو قاتلوں کی اسی طرح مہمان نوازی کی ہے۔

بسلوں کی اس تنگ نظری کو دیکھا جا رہے
اک ذرا سے لطف میں ممنون قاتل ہو گئے
(دیانا فتح پوری)

لاہور ٹیسٹ ریچ کے بعد ۵۰۔ ۶۰ ہزار مسلمان جالندھر اور امرتسر میں پاکستان اور ہندوستان کی مائی ٹیموں کا میچ دیکھنے کے لئے مغربی پنجاب سے گئے تھے۔ جالندھر اور امرتسر میں سکھوں اور بھڈوں نے ان کی خاطر و مدارات میں کوئی کمی بانی نہیں رکھی۔

سرزمین پاکستان کے بہت سے مجاہدوں کو امرتسر اور جالندھر کے ہوٹلوں اور پارکوں میں شراب کے نشہ سے اس قدر چورہ... دیکھا گیا کہ ان کے ہوش و حواس زائل ہو چکے تھے۔ اور بھارتی میزبان اپنے بے نگ و نام پاکستانی مہمانوں کو دیکھ کر شرم و نفرت سے منہ پھیر لیتے تھے۔

کھوکھرا پارکار راستہ | سرکاری طور پر بنایا گیا ہے۔ کہ کھوکھرا پارکار کے راستے سے مہاجرین کا داخلہ یکم اگست ۱۹۵۵ء سے بند کر دیا گیا ہے۔ اب سرحد پار کرنے والوں کو پاسپورٹ اور ویزا لینا پڑے گا۔

قیام پاکستان سے کچھ عرصہ تک بھارتی مسلمانوں کی توقعات پاکستان سے وابستہ رہیں حالانکہ پاکستان بھارت کے مسلمانوں سے کوئی عملی مہمدادی نہ کر سکا۔ کھوکھرا پارکار راستہ بند ہو جانے سے اب بھارت کے مسلمان پاکستان سے قطعاً مایوس ہو چکے ہیں۔ جڑوں گئی نخل آرزو کی۔

جب بھارت میں مسلمان زیادہ ستائے جاتے تھے، اور صبر و ضبط کا پیالہ لبر ہو جاتا تھا، تو وہ پاکستان کو زیادہ دارالامن سمجھ کر ہجرت ہی کو ترجیح دیتے تھے۔ کھوکھار پارکار اسے بند کر کے بھارت کے ہم کرداروں کو بھارت کی اکثریت کے قدموں پر ڈال دیا ہے۔ یہ پہلے ہی بے یار و مددگار تھے، اب یہ اور مسئلوں اور تباہیوں کا شکار ہو جائیں گے۔ نئے دن ہندو مسلم فسادات سے بھارت کے مسلمان پریشان رہتے تھے۔ بھارت میں مذمت کے دروازے مسلمانوں پر بند کر دیئے گئے ہیں۔ تجارتی آسائیاں مسلمانوں کے لئے خواب پریشان سے کم نہیں، صنعت و دستکاری میں اکثریت کے غلام ہیں، مذہبی اعتبار سے ایسی توہین و تذلیل کی جاتی ہے کہ اپنا دل پکڑ کر رہ جاتے ہیں۔ پاکستان میں وہ امن لئے آتے ہیں کہ مسلمان ہونے کی حیثیت سے باعزت زندگی گزار سکیں، اور اپنی آئندہ نسلوں کو کفر کے ظالم ہاتھوں کی گرفت سے بچا سکیں۔ پاکستان کی حکومت کا فرض تو یہ تھا کہ کھوکھار پارکار اسے بند کرنے کے فیصلہ سے قبل بھارت کی حکومت سے بھارتی مسلمانوں کے جان و مال کے تحفظ کی کوئی ضمانت طلب کرتی۔ لیکن ایسا نہیں کیا گیا۔

اپنی مامانہ فٹری تقریریں وزیر اعظم پاکستان سر محمد علی بوگروئی نے فرمایا ہے کہ یکم جولائی ۱۹۵۵ء تک کھوکھار پارکار کے راستے سے تقریباً ۱۰ لاکھ مہاجر پاکستان آچکے ہیں۔ کھوکھار پارکار اسے ایک ایسا راستہ بنا سورا ہے جس کی وجہ سے پاکستان میں آمدگاری کا مسئلہ پیچیدہ ہو گیا ہے۔

ہم نے اس بیان کو اپنے سینوں پر پتھر رکھ کر پڑھا ہے۔ کاش یہ ملک صحیح معنوں میں اسلامی تہذیب ہو تا، تو ہم وزیر اعظم کا گریبان پکڑ کر اس بیان کی وضاحت طلب کرتے، یہاں تو دستور زبان ہندی بری طرح اسی جرات و ندانہ سے روکتا ہے

ہاتھ پر یاں زباں لگتی ہے وہ کہیں اور ستا کرے کوئی

یاق تہذیب و معاہدہ کے مطابق بھارت کی حکومت اس بات پر راضی ہو گئی تھی کہ وہ ان تمام پناہ گزینوں کو جو یکم فروری ۱۹۵۵ء سے لے کر ۳۱ مئی ۱۹۵۵ء تک کھوکھار پارکار کے راستے سے پاکستان میں داخل ہوئے تھے، واپس لے لے گی۔ جن کی تعداد تقریباً ۸۱۹،۳۰۷ ہے۔ بھارت کے وزیر خارجہ نے لوگ سبھ میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے بتایا کہ یہ بتانا مشکل ہے کہ ابھی

کتنے ایسے مسلمان پاکستان میں ہیں۔ جو قاعدہ کی رو سے ہندوستان واپس آنے کے مستحق ہیں۔ ان لوگوں کے متعلق حکومت پاکستان کو ایک فہرست تیار کر کے ہندوستان کو دینی چاہیئے تھی۔ لیکن الہی حکم یہ فہرست نہیں دی گئی ہے۔

اگر پاکستان کی حکومت مسلسل جدوجہد جاری رکھتی تو معاہدہ کے مطابق ۸۱۹، ۳۲۲ مسلمان بھارت واپس چلے جاتے۔ اور کھوکھرا پار سے پاکستان میں آنے والوں کی تعداد گھٹ کر ۵، ۷۴، ۵۸۹ کے بجائے صرف ۷، ۷۴، ۳۲۲ رہ جاتی۔ مشرقات علی خان کی شہادت کے بعد ہماری حکومت نے کوئی خاص توسیع مبذول نہیں کی۔

مشرعیناٹ الدین پٹان وزیر اقلیت مشرقی پاکستان نے ایک بیان میں کہا ہے ملے کر مسلمان لپٹی ہند کے بعد بھی زیادہ پریشان ہیں۔ مغربی بنگال میں سینکڑوں مسلمان بقاءت ہندو معاہدہ کے تحت واپس اپنے اپنے مکانوں کو آگئے تھے۔ وہ بے گھر۔ بے درپڑے ہیں۔ آج تک نہ تو ان کی اٹاک واپس کی گئی ہیں۔ اور نہ ان کے مکانات وغیرہ دیئے گئے۔ اس کے برعکس مشرقی پاکستان میں جو ہندو واپس آئے ہیں۔ ان کی اراضیات و اٹاک واپس کر دی جاتی ہیں۔ یہی نہیں اگر مسلمان ان کے مکانات میں الاٹمنٹ لے کر مقیم ہوں۔ تو یہ الاٹمنٹ فوراً واپس کر دیئے جاتے ہیں اور مکانات و اٹاک کا قبضہ فوراً ہندو کو دے دیا جاتا ہے۔

ہماری حکومت میں تمام خوبیاں موجود ہیں۔ لیکن ہمیں معلوم نہیں کہ ہماری حکومت بھارتی حکومت سے کیوں اس قدر مرعوب ہے؟

ہم نے پاکستان کے ارباب اقتدار کو بھارت کی جہان نوازی پر اکثر طب اللسان پایا ہے ایک مرتبہ ہمارے وزیر اعظم مشر محمد علی دہلوی، کا بھارت کے لذیذ کھانوں سے ایک ہونڈو زن بھی بڑھ گیا تھا۔ لیکن مسلمانوں کی ذلت و توہین اور ناقابل برداشت بے کسی و بے بسی پر ہم نے اپنی حکومت کو کبھی چین بے چین نہیں دیکھا

مسلمان نہیں، راکھ کا ڈھیر ہے

مہاجرین پاکستان کی خلافت افغانستان کی معاندانہ روش

افغانستان کے ارباب اقتدار کے دماغوں پر نسل پرستی کا جنون عرصہ سے طاری ہے اس لئے افغانستان کی روش پاکستان کے خلاف ہمیشہ معاندانہ رہی ہے اور یہ جنون روز بہ روز شدت اختیار کرتا جا رہا ہے۔ پاکستان کی تعمیر میں زیادہ تر مہاجروں کا خون صرف ہوا، اس لئے مہاجرین پاکستان کے خلاف افغانستان کی حکومت کا قہر و غضب ہمارے لئے باعث حیرت نہیں ہے۔

کابل رہنماؤں نے اپنے ایک نشریہ میں اعلان کیا ہے۔ کہ حکومت افغانستان اس بات کے تحت خلاف ہے۔ کہ ہندوستان سے آئے ہوئے مہاجرین کو صوبہ سرحد میں بسایا جائے

..... ریڈیو نے مطالبہ کیا ہے کہ ۱۹۴۶ء میں جو زمینیں صوبہ سرحد میں ہندو پختونوں نے چھوڑی ہیں۔ ان پر مسلمان پختونوں کو بسایا جائے۔

لاہور: ۳۰ دسمبر ۱۹۵۵ء۔ اخبار طہینہ مجبور۔ یوپی۔ ۵ جنوری ۱۹۵۶ء

بھارتی ہائی کمشنر کا ایک شرارت آمیز بیان

بھارتی ہائی کمشنر مقیم کراچی۔ مسٹر سی۔ سی ڈی سائی نے ۱۵ دسمبر ۱۹۵۵ء کو بمبئی میں ایک بیان میں کہا کہ اگر بھارت کی سرحدیں کھول دی جائیں۔ تو ۵۰ فیصدی سے زیادہ مسلمان مہاجرین پاکستان سے بھارت آنا پسند کریں گے۔ مسلمان مہاجرین بھارتی ہائی کمشنر کے دفتر میں کثرت سے آ رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ ہم نہ اپنا روزگار واپس لینا چاہتے ہیں۔ اور نہ جاننا کہ وہ اپنی

کا حق چاہتے ہیں۔ ہمیں عزت بھارت واپس جانے کی اجازت دی جائے۔“

مسٹر ویسائی کو یہ بیان شرارت سے لبریز ہے۔ پاکستان کے تمام اخباروں نے اس بیان کی مذمت کی ہے۔ اسی بیان کا صحیح جواب جناب مولانا حفیظ الرحمن صاحب ممبر بھارت پارلیمنٹ نے لوک سبھا میں دیا ہے۔ مولانا کی یہ تقریر مسٹر ویسائی کے غور و باطل بیان کی پوری تردید ہے۔ جناب مولانا صاحب نے حد بندی کمیشن کی بحث میں حصہ لیتے ہوئے کہا۔

۱۹۵۷ء کے فسادات کے زمانہ میں بنگالی میں جہاں بیچارے مظلوم پناہ گزین آ رہے تھے۔ یہاں کے مسلمان بھی فسادات کی بنا پر اٹھ گئے تھے۔ اس وقت کچھ مسلمانوں کے ہمارے کاسوال پیدا ہوا۔ حکومت نے اس پر توضیح دی اور وعدہ کیا کہ وہ مسلمان جو پاکستان نہیں گئے، ضرور ہمارے جائیں گے۔ اور ان کو ہندوستان دینے جائیں گے۔ لیکن آج آٹھ برس ہو گئے ہیں۔ لیکن پھر بھی ہزاروں مسلمان ایسے موجود ہیں جن کے بارے میں ہم کہہ سکتا ہوں کہ وہ بوڑھے، دیوانہ، دیوانہ پور، جلاہالی گوزی، اور بہت سے ایسے مقامات میں پڑے ہیں۔ جو کہ ہندوستان ہی کے رہنے والے ہیں۔ وہ یہاں کے باشندے ہیں۔ اور پاکستان بھی نہیں گئے۔ اس کے باوجود وہی وہ اپنے گھروں سے محروم ہیں۔ آج تک ان کو گھر نہیں ملے۔ ایک حکم بنگالی گورنمنٹ نے نکالا۔ جس میں اس نے کہا کہ جب تک پناہ گزینوں کا انتظام متبادل طور پر نہیں ہو جائے گا۔ اس وقت تک ان کو مکانات نہیں ملیں گے۔ میں اس چیز کو صحیح نہیں مانتا ہوں۔ ان پناہ گزینوں کے ساتھ لانا ٹیک نہیں ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ہندوستان ہی میں رہ رہے ہیں۔ اور پاکستان بھی نہیں گئے۔ یہ آہمی جو اپنے گھروں سے محروم کر دیئے گئے ہیں۔ یہ بیچارے اپنے گھروں کو دیکھ کر حیران ہوتے ہیں۔

اجازت نہیں ہے۔ (اخبار عدینہ مجبور۔ یکم جنوری ۱۹۵۶ء)

سرگزشت بلاکشان

اس سرگزشت کی تحریر سے میرا یہ مطلب نہیں ہے کہ مہاجر فرشتے ہیں۔ اور پاکستان کے باقی باشندے شیطان مجسم ہیں۔ اخلاقی پستی کے لحاظ سے مہاجر اور انصار دونوں برابر ہیں۔ دونوں طبقوں میں اچھے اور بُرے۔ دونوں قسم کے لوگ موجود ہیں۔ اگر انصار بھائی مہاجروں کے ساتھ محبت آمیز سلوک کرتے تو مہاجروں کی زندگی ناقابلِ برداشت ہو جاتی۔ خاص طور پر مغربی پاکستان میں۔ انصار بھائیوں کی اکثریت نے مہاجروں کے ساتھ انسانیت، شرافت اور خلوص کا برتاؤ کیا ہے۔ اب ہمیں مہاجر و انصار کے امتیاز کو بھول جانا چاہیئے۔ اور دنیا میں پاکستان کے وقار کو بلند کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ ہم دونوں کو چاہیئے کہ پاکستان میں ایک سیسہ پلائی جونی دیوار بن جائیں۔

صوبہ واری، تنگ خیالی میں، مہاجر، انصار سے کسی طرح پیچھے نہیں ہیں جس طرح پاکستان کے مقامی باشندے، سندھی، پنجابی، بھوچی، سرحدی اور بنگالی تعصب و تنگ خیالی میں مبتلا ہیں۔ اسی طرح مہاجر کا دامن بھی۔ باوجود اتنی تباہی و بربادی اور زلزلہ و غواہی کے۔ یہاں ہری، دہلوی حیدر آبادی، کاشیاواڑی، اور کشمیری وغیرہ وغیرہ کے۔ گناہ عظیم سے پاک نہیں ہے

میں نے مہاجروں کے۔ "دودھ کھاؤ۔ کو کاغذی پیرہن میں اسی لئے پیش کیا ہے تاکہ پاکستان کا ہر باشندہ، مہاجروں کے مصائب اور جذبات سے واقف ہو سکے۔ اگر اس کوشش میں بچے تھوڑی بہت کامیابی حاصل ہو سکی۔ تو سمجھ لیجئے کہ میری کاوشوں کی داغ بیل گئی۔

کلام درد، مٹھداق، "زولِ خیزد، یہ دل ریزو

اثر پیدا کرے شاید کسی درد آشنا دل میں (علامہ درویشی)

مجھے اس بات کا احساس ہے کہ اکثر جگہ شدت جذبات کی وجہ سے انداز بیان میں تلخی سی پیدا ہو گئی ہے۔ ہ گراں گزروے گامزن آرزو، اس طبع نازک پر

لیکن میں اس کے لئے طالب معذرت نہیں۔ سچائی ہمیشہ کڑی ہوتی ہے اور اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ کہ پاکستان کی عالی شان عمارت مہاجرین کی لاشوں پر تعمیر ہوئی ہے۔ اس لئے مہاجر کے اس ہندو کا پاکستان میں کوئی حریف نہیں ہو سکتا ہے۔ میں بھی مہاجر ہوں اور میرا دل دکھا ہوا ہے۔
دل پر گزر گئی کچھ، تب ہی تو لب تک آخر

آہیں بھی چند ہو چکیں، نالے بھی چند ہو چکے۔ (حسرت مہائی)

اب تک پاکستان میں مہاجرین کے متعلق بہ کثرت کتابیں اور مضامین۔ موافق اور مخالف صورت میں شائع ہو چکے ہیں۔ لیکن کوئی ایسی کتاب میری نظر سے نہیں گزری۔ جس میں مہاجر کے نقطہ نظر کو پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہو۔ یا مہاجر کے درد و دل کی صحیح کیفیت کو بیان کیا ہو۔

میرے محترم اور مخلص رفیق کا۔ جناب مولوی عظمت حسین صاحب بریلوی دوا در حال شکار پورہ نے یہ خواہش غی کی کہ ایک کتاب مہاجر کے نقطہ نظر سے لکھی جائے۔ جیسی کتاب وہ چاہتے ہیں۔ ویسی بنیاد پر ترتیب نہ دے سکا۔ اور نہ اس کے لئے حالات سازگار ہیں۔ مہاجر کا احساں بہت طویل ہے۔ اگر لکھنے کی سعی کی جائے تو متعدد ضخیم جلدیں تیار کرنے کے بعد بھی یہ ہی کہنا پڑے گا۔

بود اجمال من، مشتاق تفصیل

”ہجرت کے آٹھ سال پاکستان میں۔“ نہایت ہی مختصر کتاب ہے۔ اور ایک بھر بیکراں کو نظر دے میں سمونے کی کوشش کی گئی ہے میں نے مہاجرین کے متعلق ان صفحات پر ان معلومات کو محفوظ کرنے کی کوشش کی ہے جن سے مستقبل کا مورخ کچھ استفادہ کر سکے۔

میں اچھی طرح واقف ہوں کہ اس کتاب میں خامیاں اور کوتاہیاں ہیں۔

بہت سعی کی گئی تو مگر رہ گئی۔ میر

بس۔ اپنا تو اتنا ہی مقدور ہے

یہاں ان رسالوں، اخباروں اور کتابوں کی فہرست دی جا رہی ہے جن سے اس کتاب کی ترتیب میں مدد کی گئی ہے۔

- (۱) العلم . کراچی
- (۲) چٹان . لاہور
- (۳) قومی زبان . کراچی
- (۴) اخبار صدق . حدید لکھنؤ
- (۵) اخبار مدینہ بخنور (یو۔ پی)
- (۶) اخبار مقاصد . کراچی
- (۷) اخبار کوثر . لاہور
- (۸) روزنامہ الجمعیت . دہلی
- (۹) روزنامہ جنگ . کراچی
- (۱۰) روزنامہ انجام . کراچی
- (۱۱) روزنامہ امروز . کراچی
- (۱۲) روزنامہ نئی روشنی کراچی
- (۱۳) روزنامہ دان . کراچی . (انگریزی)
- (۱۴) ایونگ ٹائمز . کراچی . (انگریزی)
- (۱۵) تاریخ اسلامی سندھ، از پروفیسر محمود یوسفی
- (۱۶) تاریخ سندھ مطبوعہ دارالمصنفین - اعظم گڑھ - یو۔ پی . مصنفہ مولانا سید ابوظفر ندوی
- (۱۷) مہاجرین کا مسئلہ از آغا محمد اشرف
- (۱۸) مورخ اسلام علامہ اکبر شاہ خان صاحب نجیب آبادی . مرحوم (یو۔ پی)
- (۱۹) مولانا ابوالکلام آزاد کی تقریر
- (۲۰) رہنما (عہد نویی، از احسن
- (۲۱) علم الاقوام (حصہ دوم، مطبوعہ انجمن ترقی اردو - دہلی

- (۲۲) تاریخ انقلابات عالم (جلد اول) مصنفہ سید ابو سعید بنوری
- (۲۳) تاریخ اسلام. جلد ششم. مولفہ عبد الرحمن شوق و عبد الحلیم فشتہر جالندھری
- (۲۴) سود (حصہ دوم) مولانا ابوالاعلیٰ مودودی
- (۲۵) پاکستان آج اور کل ۱۹۵۱ء
- (۲۶) پاکستان کے تین سال

بسمِ
۵ اگست ۱۹۵۵ء

تعارف و تبصرہ

از جناب کیپٹن ڈاکٹر محمد ایوب خان صاحب کوئٹہ

محترمی ڈاکٹر محمد عبدالغفور صاحب بیکل کی پاکستان بننے کے بعد یہ دوسری تصنیف ہے جو منصفہ شہود پر آ رہی ہے۔ تحریر میں تلخ نواہی، مبالغہ یا جلد عامہ تلخہ چینی نام کو نہیں۔ درد دل کی صدا ہے۔ جو مہاجرین کی بیچارگی، کس مہر سہی، بد حالی سے متاثر ہو کر لکھی گئی ہے۔ اعداد و شمار جبری کد و کاوشی سے جمع کئے گئے ہیں۔ اور اکابر پاکستان کی تقاریر، اور اخبارات کے اقتباسات بڑی عرق ریزی سے خرابم کر کے حوالوں کے ساتھ مرتب کئے گئے ہیں۔ اس تصنیف کا کوئی تعمیری اثر حکومت پاکستان قبول کرتی ہے یا نہیں۔ اس کا ثبوت تو آئندہ چند سالوں میں مل سکے گا۔ گزشتہ آٹھ سالوں میں جب کچھ نہ ہو سکا، تو آئندہ بھی کیا توقع رکھی جاسکتی ہے۔ روپے دان و نکل کی سی مسلسل خوابیدی اب بھی جاری رہے گی۔ یہ ہر حال مہاجرین کو اتنا اطمینان ضرور ہو جائے گا۔ کہ کسی نے ان کی صحیح نمائندگی کی۔ اور ان کی زبوں حالی کی صحیح کیفیت کو حکومت اور عوام الناس کی نگاہوں میں عیاں کر دیا۔ اور اس کے مطالعہ کے بعد پاکستان کے قدیم باشندوں کو جنہیں بہ ہیت محبوبی اگر برادران یوسف نہیں کہا جاسکتا، تو انصار کہنا بھی شاید صحیح نہ ہو۔ یہ اندازہ ہو جائے گا۔ کہ مہاجرین کے سلسلہ میں ان کی صحیح پوزیشن کیا ہے

مہاجرین کی جماعت بندی

(۱) مہاجرین کی صف اول میں ان غریب اور عوام الناس کا شمار ہے۔ جو مشرقی پنجاب، دہلی، یو۔ پی۔ حیدر آباد، سکاپنی بہار اور ہندوستان کے دوسرے حصوں سے اپنے اعز و انجمنیں

ہی۔ میو یوں، اور بہو بیٹیوں کی متاع عصمت اور مال و جانیدار لٹا کر صرف تین کپڑوں میں پاکستان بہو بچے۔ اے عزیزو۔ ان مجاہدوں کے مصائب اور قربانیوں کی تفصیل اگر سننی ہو۔ تو نا بہو بیٹا۔ پورہ تھلا۔ دہلی، گڑھ مکتیشر، پٹی بھیت اور حیدر آباد کی دل دوزد آستائیں اور موشر با واقعات معلوم کرو۔ جن سے دنیا کی تاریخ میں جنگیز خان اور ہلاکو کی یاد تازہ ہو جاتی ہے اور نادر خان کی کامرانیاں ماند پڑ جاتی ہیں۔ اگر درد دل رکھتے ہو۔ تو خون کے آنسو بہاؤ، اگر ہمت مردانہ رکھتے ہو تو کچھ کارہائے نمایاں کر کے دکھاؤ۔ ان مجاہدوں میں سے بیشتر تکلیف اور کسپرسی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔

۲۱) دوسری صف میں وہ اکابر شامل ہیں جنہوں نے تقسیم سے پہلے سچے دل سے قائد اعظم کی تحریک کو لبیک کہا، مسلم لیگ کے ساتھ پورا تعاون کیا۔ اور پاکستان کی تعمیر و تخلیق کے لئے سر دھڑکی بازی لگا دی۔ اور تقسیم پاکستان کے بعد مقامی حکومت کے معتب ہوئے۔ اور جان مال کے نقصان کے علاوہ قید و بند کی مصیبتوں میں بھی گرفتار ہوئے۔ جہاد کی لادینی حکومت نے ان کے خلاف جھوٹے مقدمے کھڑے کئے، مسلسل ہذا رسانی اور منظم سرکاری دباؤ کے ذریعہ انہیں بھارت چھوڑنے پر مجبور کیا۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے آزادی وطن اور تخلیق پاکستان کی خاطر قربانیاں کیں۔ وہ اپنے وطن میں معزز و محترم اور صاحب حیثیت تھے اور تقسیم ہند کے بعد اپنا وطن چھوڑنے اور تقسیم سے قبل اپنے غریب رفقا اور عام مسلمانوں کو چھوڑنے کے لئے آمادہ نہ تھے۔ لیکن بھارت کی حکومت تقسیم کے بعد بھارت میں صرف ۲۔۳۔ قسم کے مسلمانوں کا وجود برداشت کرنے کی پالیسی پر عمل کر رہی ہے۔ جن کی تفصیل درج ذیل ہے

۱) گنتی کے وہ مسلمان کہ انہیں جنہوں نے شروع سے کانگریس کے ساتھ تعاون کیا۔

۲) وہ زمانہ ساز مسلمان جو اب ذاتی مفاد کی خاطر کانگریس کی حمایت کر رہے ہیں۔ یہ لوگ ہندو کانگریسی کے ساتھ روٹی اور پیٹی کا تعلق استوار کرنے پر آمادہ ہیں، مگر کانگریسی اب بھی جہاں تک کھانے کا سوال ہے ان سے اچھوتوں کا ماسلوک کرتے ہیں۔ اگرچہ یہ لوگ اپنی بیٹیوں کا ناٹھ انہیں

دینے کے لئے تیار ہیں

(۳) وہ غریب مسلمان جنہیں فکر معاش سے بھی فرصت نہیں اور جنہیں منظم کرنے والے اب حکومت کی پالیسی کے طفیل موجود ہی تھیں۔ اور جن کے اب سیاست میں حصہ لینے کا کوئی امکان نہیں ہمدے یہ سب ہی جلا وطن اور پائلین کے حقیقی معاد۔ پاکستان پہنچنے کے بعد خاموشی سے اپنی زندگیوں کے دن گزار رہے ہیں۔ عام پاکستانیوں کی خال میں اپنی قریائیوں، تکلیفوں، مصیبتوں اور پریشانیوں کا ذکر نہیں کرتے اور پاکستان پہنچنے کے بعد اپنی حدود جہد اور فنی استعداد کی بدولت باعزت روزی کما رہے ہیں۔ حکومت پاکستان کے پاس ایسے خدمت گزاروں کی کوئی فہرست نہیں ہے اور نہ ان خاموش کارکنوں نے حکومت پاکستان کی کاسہ لیس کا بیٹہ اختیار کیا۔ وقت گزر رہا ہے اور اسی طرح زندگیاں بھی ختم ہو جائیں گی۔ لیکن یہ قابل عزت ہستیاں حسرت و یاس کا جذبہ لئے ہوئے اپنی قبروں میں چلے جائیں گے۔ ان معاد ان پاکستان کی صف اول میں ڈاکٹر محمد عبدالغفور بسل اور ڈاکٹر بیگم عبدالغفور کا شمار ہے۔

(۴) اس گروہ میں وہ لوگ ہیں جو تخلیق پاکستان کے مخلص حامی اور دعا گو تھے۔ لیکن انہوں نے تعبیر و تخلیق میں کوئی عملی حصہ نہیں لیا۔ اور نہ کوئی خاص قربانی کی۔ (سوائے عموماً ہی بہت جائیداد منقولہ یا غیر منقولہ کے نقصان کے مگر پاکستان بنتے ہی یہ لوگ اپنی محبوب سر زمین میں داخل ہو گئے۔ اور اپنی ذاتی ہنرمندی کی بدولت پاکستان پہنچے یہی وہی خوشحالی اور مرفہ الحال کی زندگی بسر کرنے لگے۔ جیسی کہ بھارت میں کرتے تھے۔ اس زمرے میں ہیں اپنے آپ کو شمال کر تا ہوں۔

(۵) مہاجرین کی اور کئی اقسام میں۔ وہ مہاجر جو پہلے سے پاکستان میں ملازمت اور کاروبار کے سلسلہ میں موجود تھے۔ لیکن ان کے اصلی وطن مشرقی پنجاب یا بھارت میں تھے۔ اور ان کی جائیدادیں پنجاب یا بھارت میں بھی تھیں۔ یا سرحدی علاقے یا بلوچستان کے وہ پھان جو ہندوستان میں نوکری تجارت یا لین دین کا کاروبار سالہا سال سے کرتے تھے۔ اور تقسیم کے بعد سرحد اور بلوچستان کے نقلی گاندھیوں کی وطنیت کے باوجود ہندو اور پٹیل کی حکومت نے ان لوگوں کو دوسرے مسلمانوں

کی طرح اسی ڈنڈے کے زور سے نکال باہر کیا۔ اور ان کے ساتھ کوئی رعایت جائز نہیں رکھی۔ اس گروہ کو مہاجرین کے پورے حقوق حاصل ہیں۔ بلکہ مکانات، زمینوں اور دوکانوں کے الاٹمنٹ میں انہیں عام غریب مہاجروں پر افضلیت حاصل ہے۔ اس جماعت میں متعدد افراد ایسے بھی ہیں جو عند الضرورت مہاجرین، ملکیتوں یا قدیم آبادکاروں۔ یعنی۔ سب کے حقوق سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔

۴۱، زمانہ ساز مہاجر۔ ان کی بھی دو قسمیں ہیں۔ صف اول میں وہ لوگ ہیں جن کا ڈاکٹر بسنس نے ذیل کے جملوں سے تعارف کرایا ہے۔ ”یو۔ پی۔ سے کچھ بلند پایہ خاندان بھی پاکستان میں آگئے ہیں جو وہاں بھی بادۂ عیش و راحت سے مست و سرشار تھے۔ ایک طرف ان پر انگریزوں کے لطف و کرم کی بارشیں پور ہی تھیں۔ اور دوسری طرف مسلم لیگ کے پیٹ فارم سے اپنی آتشیں نواسخی کی داد بھی حاصل کر رہے تھے۔ ان کی صحیح تصویر یہ ہے۔“

فکر لیڈر کو بہت ہے۔ مگر آرام کے ساتھ۔ قوم کے غم میں ڈونو کھاتا ہے۔ حکام کے ساتھ یہ خوش قسمت اور زمانہ پرست لوگ غریب مسلمانوں کی قربانی کے طفیل

سے پاکستان میں جاہ و دولت کے اعلیٰ مقامات پر فائز ہیں۔“

ان اصحاب کی شناخت کے لئے مزید نقاب کشائی کی ضرورت نہیں۔

ان زمانہ ساز لیڈروں میں بعض نسبتاً کم رتبہ اصحاب بھی شامل ہیں۔ ان میں یو۔ پی۔ کے کے علاوہ مشرقی پنجاب بلکہ مغربی پنجاب کے باشندے بھی شامل ہیں۔

مغربی پنجاب کے یہ نامی گرامی اصحاب گاندو بار کے سلسلہ میں۔ یو۔ پی۔ سی۔ پی۔ بہار وغیرہ گئے وہاں شادیاں بھی کیں۔ اور اب یویوں کے توسل سے نہ صرف مہاجر بلکہ مہاجروں کے لیڈر بنے ہوئے ہیں۔ اور اپنے نئے ملیں، مکانات، زمینیں، اور کارخانے الاٹ کر چکے ہیں۔ آباد کاری کے افسروں کی ہاں میں ہاں ملاتے ہیں۔ اور اپنا اوسیدہ حاکماتے ہیں۔ اور اب مہاجروں کے نمائندہ بن کر میونسپل کمیٹیوں اور صوبائی اسمبلیوں کی ممبری کے امیدوار بھی ہیں۔ ان لوگوں کے دلوں میں مہاجروں کا درد تو درکنار یہ تو ان کے کندھوں پر بندھوا

رکھ کر شکار کھیلتے ہیں۔

دوسری قسم میں مہاجروں کا دودا دباشش، آوارہ، بدچلن اور بد ذات طبقہ شامل ہے جو اپنے مہاجروں کے ساتھ پاکستان میں داخل ہو گئے۔ یہاں پہونچنے سے پہلے ہی معصیت اور بدتماشی سے کسب معاش کرتے تھے۔ اور اب بھی ایسا ہی کرتے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک یہ دعویٰ کرتا ہے کہ میں ہزاروں، لاکھوں کی جائیداد بھارت میں چھوڑ کر آیا ہوں۔ یہاں ان کی گزران پہلے سے اچھی ہے۔ پھر بھی قدم قدم پر پاکستان کو کوستے ہیں۔ اور غلاظت اچھالتے ہیں۔ یہ لوگ مہاجروں کے پاکیزہ جسم پر بدنامی داغ اور رستا ہوا ناسور ہیں۔

برا عظم صغیر کے مسلمان ایک قوم ہیں

اب سے تقریباً ۲۵ سال پہلے سر عبدالرحیم مرحوم نے مسلم لیگ کے صدارتی خطبہ میں ارشاد فرمایا تھا کہ قسطنطنیہ سے چین تک مسلمان جہاں بھی چلا جائے، ہر علاقہ کا مسلمان اس سے بدور اس سماجی تعلق قائم کرنے میں پیش پیش ہوتا ہے۔ دعوتیں ہوتی ہیں، وہی دسترخوان، وہی پلاؤ اور کباب اور وہی رسم و رواج رونما ہوتے ہیں۔ اور نو دادر کوئی اجنبیت محسوس نہیں کرتا۔ اس کے برعکس ایک ہی شہر میں رہنے والا مسلمان اگر اپنے کسی ہندو دوست کے

علا تاشقند (روس) ۱۵ جون ۱۹۵۵ء پنڈت جواہر لال نہرو جب تاشقند پہونچے تو انہوں نے مجمع کو اسلام علیکم کہا۔ اس کے جواب میں مجمع نے وعلیکم السلام کہا۔ ایڈریس اردو میں پیش کیا گیا۔ پنڈت جی نے تقریر اردو میں کی۔ آخر میں ان لوگوں نے تہذیبی نان کباب پلاؤ اور قورمہ سے پنڈت جی کی خاطر کی۔ پنڈت جی کے ذاتی ملازم ہری کا کہنا ہے کہ پنڈت جی نے تاشقند کی دعوت میں جس چاؤ سے یہ مسلم کھانے کھائے ہیں اس سے زیادہ انہیں کھاتے ہوئے برسوں نہیں دیکھا گیا تھا۔
(صدقہ لکھنؤ ۲۹ جولائی ۱۹۵۵ء)

یہاں جہان ہو کر جائے تو غیریت و اجنبیت بلا نفرت و حسدات کا ایک پہاڑ ٹھائل ہو جاتا ہے ہندو میزبان قریب ترین مسلمان کے یہاں سے بھاگ دوڑ کر کھانے کے برتن تلاش کرتا ہے اور اس کے بعد جو کچھ ہوتا ہے۔ اس سے ہر قدم پر تمدن اور رواج کا اختلاف واضح ہوتا جاتا ہے دونوں قوموں کی ایک ہزار سالہ یک جہائی کے بعد بھی اس اجنبیت، بلکہ نفرت میں کوئی فرق پیدا نہیں ہوا۔ اچھوت کے ساتھ جو سلوک پہلے ہوتا تھا، اب بھی ہو رہا ہے۔ اور آئندہ بھی ہوتا رہے گا۔ اس کا تو ذکر ہی نہیں۔ اس سے قائد اعظم مرحوم کے اس نظریہ کی تائید ہوتی ہے کہ ہندو مسلم ثقافتی طور پر ایک قوم نہیں بن سکتے، مگر سرحد اور بنگال کے مسلمان بعد مسافت کے باوجود ایک قوم ہیں۔ خود عبدالرحیم بنگال کے باشندے تھے، بھاشانی اور فضل الحق یا اس قسم کے دوسرے بزرگ جو اپنے افعال و اقوال کے ذریعہ سے صوبائی تعصب کی آگ بھڑکا رہے ہیں، حق ناشناس اور پاکستان کے دشمن ہیں، کوٹڑی کے میوہ پل انتخاب میں ایک مسلمان مہاجر کے مقابل میں ایک ہندو خاتون کا چناؤ۔ یا، ڈھاکہ میں اشتیاق حسین قریشی کے مقابل میں کلکتہ کے ایک ہندو کا تقرر۔ بدترین صوبائی تعصب کا مظہر ہے۔۔ اسی طرح کا تعصب پاکستان کے سرکاری حلقوں میں، انگریزوں کے مقابلہ میں قابل مسلمان افسروں کے ساتھ برتاؤ جاری ہے، تقسیم کے وقت کئی نا اہل اور غیر ضروری افسروں کی خدمات حاصل کی گئیں بلوچستان کے محکمہ طب میں ایک قابل مہاجر مسلمان افسر کے مقابلہ میں ایک بدنام انگریز افسر کو نہایت بدنامانہ طریقے پر برسوں سے ترجیح دی جا رہی ہے۔

بلوچستان اور مہاجروں کی آباد کاری

بلوچستان میں ۱۹۵۰ء میں ایک مہاجر نے نیچری کی درخواست دی، محکمہ تعلیم کے متعلقہ افسر مہاجر مذکور کو سوشل سروسز تک خالی دعوں پر مٹاتے رہے حسن اتفاق سے محکمہ کی ایک خاتون

افسر علاضی طور پر محکمہ کے انسراعلی کے عہدہ پر متعین ہو گئیں۔ انہوں نے میری توسیہ دہانی پر سائل مذکور کی حق رسی کی۔ ایک سال بعد یہ مدرس نارمل اسکول میں داخل ہوا۔ اور تقریباً ستوا امیدواروں میں دوسرے نمبر پر پاس ہوا اور آئندہ سال اس نے سینئر ورنا کیو لٹریننگ کا امتحان اعلیٰ نمبروں سے پاس کیا۔

یوپی کے ایک ٹرینڈ ٹیچر نے ۱۹۵۲ء میں ڈائریکٹر محکمہ تعلیم کو پٹھری کی اسامی کی درخواست دی۔ مگر صدارتے برنفاست۔ میں نے خود مدرس مذکور کے لئے ڈائریکٹر محکمہ تعلیم سے ملاقات کی انہوں نے فرمایا کہ محکمہ میں پٹھری کے امیدواروں کی فہرست میں تقریباً ستوا نام ہیں۔ اس لئے امیدوار کا نام سب سے نیچے درج کیا جائے گا۔ میں نے پوچھا کہ کیا وہ ستوا امیدوار سب کے سب ٹرینڈ ہیں یا انہوں نے تسلیم کیا۔ کہ بیشتر ان ٹرینڈ ہیں۔ میں نے دریافت کیا۔ کہ کیا ان ان ٹرینڈ امیدواروں پر اس ٹرینڈ سائل کو ترجیح نہ دی جائے گی۔ فرمایا کہ فہرست مذکور پر چیف کسٹمر کی تصدیق ہو چکی ہے۔ اس لئے اس میں رد و بدل نہیں ہو سکتا۔ میں نے پوچھا کہ کیا آپ چیف کسٹمر کو اس بے قاعدگی پر توسیہ دلا کر نئے امیدوار کی حق رسی نہیں کر سکتے۔ افسر مذکور میں بہ جبین ہوئے اور فرمایا کہ میں خود مہاجر ہوں اور مجھے مہاجرین سے سمدر دمی ہے۔ مگر میں اس امیدوار کے لئے کچھ نہیں کر سکتا۔ یہ مہاجر افسر اب مرکزی حکومت کے ایک عہدہ پر فائز ہیں۔ اور تقسیم سے پہلے ہی گورنمنٹ آف انڈیا کے لازم تھے۔ صوبہ ہدی سے تعلق رکھتے ہیں۔ گرنٹ ہاتھ پر راہیں بسر کرنے والے مہاجر نہیں۔ بلوچستان کے چند سالہ دور ان قیام میں انہیں ایک سرکاری جنگل یہاں صرف اپنی ذات کے لئے لٹا ہوا لٹاواؤ ایک جنگل کراچی میں ان کے مختصر اہل و عیال کو۔ حالانکہ اس قسم کی دوسری لائسنس سرکاری قوانین کے خلاف

علیٰ افسران جنہوں نے اپنے مکانات بنانے کے لئے حکومت سے قرض پانچاٹھ لاکھ کوٹھیاں بنا کر انہیں لکیر پر چلا رہے ہیں۔ اور خود کم کر ایہ والے سرکاری کوارٹر میں مقیم ہیں ان اعلیٰ افسران میں ایک جو انٹ سیکیورٹی ڈپٹی سیکریٹری اور ۱۱ سالہ افسران بھی شامل ہیں جن کی ماہانہ تنخواہ تین سو سے لے کر ۱۳۵ روپیہ تک ہے۔ یہ لوگ علی الاعلان حکومت سے تحریروں وعدہ کرنے کے بعد فریب دہی کے مجرم پائے گئے ہیں۔ ان افسران سے سرکاری کوارٹر واپس لئے گئے ہیں۔ (جنگ - ۲ دسمبر ۱۹۵۵ء)

بہر حال یہ بھی مہاجر کی ایک نوع ہے۔

خیر یہ تو چند سال پہلے کے واقعات ہیں۔ محکمہ تعلیم میں اس وقت بھی مہاجروں کے ساتھ کوئی خصوصی سلوک نہیں کیا جاتا۔ اعلیٰ تعلیمی حلقوں میں تو مہاجروں کا عنصر کافی ہے کیونکہ اعلیٰ فنی تعلیم کی اسناد رکھنے والے نہ تو ملکی حلقوں سے دستیاب ہو سکتے ہیں اور نہ پنجاب اپنی ضروریات پوری کرنے کے بعد ایسے امیدوار حسب ضرورت بلوچستان کو مہیا کر سکتا ہے۔ لیکن مدل اور پرائمری میچروں کی اسامیوں کے لئے چونکہ محکمہ تعلیم کے متعلقہ افسر اپنے جاننے والوں میں سے بہترے امیدوار فراہم کر سکتے ہیں۔ اس لئے غیر سفارشی مہاجروں کے لئے زیادہ گنجائش نہیں،

ہندوؤں کی مٹر وک زری جائداد بلوچستان میں موجود ہے۔ کوئٹہ اور اس کے مصنافات، سرآب اور شیخ نامندہ وغیرہ میں بھی ایسے زرعی قطععات ہیں۔ مگر ان قطععات کو مقامی حکومت نے اب تک نہ معلوم کس مصلحت کی بنا پر مٹر وک جائداد کی فہرستوں میں شامل ہی نہیں کیا۔ البتہ تحصیل اور تحصیلدار اور "تھت پٹ" میں کوئی درجن بھر مہاجروں کو کچھ زمینیں الاٹ ہوئی ہیں۔ ان علاقوں میں اب بھی مٹر وک زمینیں باقی ہیں۔ اور اب سے چند سال قبل بیکانیر کے کچھ مہاجر کاشتکاروں نے ان کے لئے درخواستیں بھی دی تھیں۔ چونکہ ان کے کوائف تصدیق طلب تھے۔ اور اس تصدیق میں کافی وقت لگ گیا۔ اس لئے یہ لوگ مایوس ہو کر چلے گئے۔

شہر کوئٹہ میں جائیداد غیر منقولہ بیشتر ہندوؤں ہی کی ملکیت تھی۔ لیکن اس کا معقول حصہ مہاجرین کو نہیں ملا بہت سے مکانات ملکیتوں کو الاٹ ہوئے۔ اور میں اسے ناجائز بھی تصور نہیں کرتا کیونکہ ہندوؤں کے نکلنے کے بعد بہت سے مقامی باشندے مصنافات سے یا ہندوستان سے آکر یہاں آباد ہوئے۔ اور انہوں نے ہندوؤں کے تجارتی کاروبار سنبھالے اور انہیں جگہ ملنی چاہئے تھی مگر غضب تو یہ ہے کہ بسا اوقات مہاجرین پر، ایرانیوں، ملکیتوں اور مغربی پنجاب کے باشندوں کو ترجیح دی گئی۔ اور دی جا رہی ہے۔ اور اس تقسیم میں تناسب کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ اگر ایک ایرانی یا پنجابی کو چند ہزار گز کا ٹکڑا دے دیا گیا تو ایک مستحق مہاجر کو چند سو مربع فٹ زمین

کا قطعہ الاٹ کرنے میں بھی بنی سے کام لیا گیا۔

شارع یاقوت اور پرنس روڈ پر ایک بہت بڑا قطعہ زمین مناسب موقع پر دوکانوں کے لئے موزوں، غرض سے موجود تھا۔ جس پر کچھ مہاجر عارضی کاروبار میں کرتے تھے۔ اس کا $\frac{1}{2}$ حصہ ایک ایرانی۔ اور ایک مغربی پنجاب کے باشندے کو الاٹ کیا گیا۔ اور صرف $\frac{1}{2}$ حصہ ۴۰ مقتدر مہاجروں میں تقسیم کیا گیا۔ مہاجروں کے نقلی لٹروں نے چند دن تک مہاجرین کے حق میں مناشی شروع وغوغا کیا۔ لیکن —..... یہ لقمہ دوختہ بہ — کے اصول پر عمل کر کے محکمہ برباد کاری نے ان کی زبانیں بند کر دیں۔

کوئٹہ میں مہاجروں کی آباد کاری کے لئے ابھی تک کوئی عملی قدم نہیں اٹھایا گیا۔ کوئٹہ کے قریب مہاجر بستی آباد کرنے کی جس اسکیم کا ڈاکٹر صاحب نے ذکر کیا ہے۔ وہ کاغذات کی حدود سے آگے نہیں نکلی۔ اور نہ آئندہ اس کا امکان ہے۔ " — ہے یہ وہ لفظ کہ متر مرثہ معنی نہ ہوا۔

کوئٹہ کے محکمہ آباد کاری کو صحیح معنوں میں محکمہ برباد کاری کہا جاسکتا ہے۔ یہ محکمہ چند قابل عزت مستثنیات کو چھوڑ کر ایسے اہل کاروں کو تفویض کیا جاتا رہا ہے جن کی دیانت مشتبہ ہے۔ اور جن میں سے متعدد افسر تو حکم کھلا رشوت کی گرم بازاری میں ملوث رہے ہیں۔ غریب مہاجر تو کسی شمار و قطار میں نہیں۔ صاحب حیثیت مہاجر بھی محکمہ برباد کاری کی چکی سے بہ مشکل سلامتی کے ساتھ نکل سکے ہیں۔ اگر مفصل لکھنے کی گنجائش ہوتی۔ تو میں اس سلسلہ میں مثالیں بھی پیش کر سکتا تھا بلوچستان کی طائفتوں اور تعلیمی اداروں میں داخلہ کے حقوق زیادہ تر ملکی باشندوں کے لئے مخصوص

ہیں۔ چند فیصدی (DOMICLE) دہرانے آباو کاروں کے لئے — پہلے پرانے آباد کاروں کو (DOMICLE CERTIFICATE) سکونت سرٹیفکیٹ دل جایا کرتے تھے۔ ۱۹۵۲ء کے قانون بابت پاکستانی شہریت (PAKISTAN CITIZENSHIP ACT) کے اجرا کے بعد یہ تصور کر لیا گیا۔ کہ اب ہر ایک پرانا مہاجر پاکستان کا شہری ہے۔ اس لئے سکونت سرٹیفکیٹ (DOMICLE CERTIFICATE) کا اجرا بند کر دیا گیا ہے۔ لیکن عملی طور پر پرانا امتیاز اب

بھی جاتی ہے۔ چنانچہ گورنمنٹ میڈیکل اسکول کے ۱۰۸ طلباء میں سے صرف، مہاجر ہیں۔ اور وظیفہ ان میں سے کسی کو نہیں ملتا۔ وہ تو صرف قبائلی طلباء کے لئے مخصوص ہیں۔ حال میں (ANIMAL HUSBANDRY COLLEGE)

دکالچ بابت علم حیوانات، لاہور میں داخلہ کے لئے ۸۰ - ۸۰ روپیہ کے وظائف قبائلی اور ہارنے آباد کار طلباء کے منبھور کئے گئے ہیں۔ ان پرانے آباد کار طلباء میں انتخاب کرنے والے افسروں کی صوابدید پر یہ منحصر ہے کہ کسی مہاجر (سنے قانون بابت پاکستانی شہریت)۔ کا بھی شمار کر لیں۔ لیکن اس کا کوئی امکان نہیں۔ کچھ عرصہ پہلے فنی اور اعلیٰ تعلیم کے لئے کچھ وظیفے مہاجروں کے لئے مخصوص تھے۔ میں ایسی مثالیں پیش کر سکتا ہوں کہ خاص مہاجروں کو یہ وظائف دے دیئے گئے۔ ایسے چور وظیفہ خوار جنہیں حکومت بلوچستان مہاجروں کے نام سے وظائف دے رہی ہے اب بھی موجود ہیں۔

مجھے ہنایت افسوس ہے۔ اس امر کا اظہار کرنا پڑتا ہے کہ مرکز کے متعدد وزراء نے مہاجرین نے اب تک کوئی خدمت یا شنوائی مہاجروں کی نہیں کی۔ جو وزراء آباد کاری کے محکمہ کے افسروں کی مہمانیاں قبول کر لیتے ہوں وہ کس طرح مہاجروں کی حق رسی کر سکتے ہیں۔

بلوچستان میں تبادلہ جائداد میں صرف وہ مہاجر کامیاب ہو سکے ہیں۔ ہندوستان کے محکمہ آباد کاری نے ہندو شرق آریہوں کی تبادلہ جائداد کے مسئلہ میں ہر طرح امداد کی ہے اس کے برعکس پاکستان کے محکمہ آباد کاری کے افسروں نے قدم قدم پر مہاجروں کے راستہ میں رکاوٹیں ڈالی ہیں۔ مجھے اس کا ذاتی تجربہ ہے۔

مرکزی وزارت میں مہاجروں کی نمائندگی کا امکان ریاست علی خان مرحوم کی شہادت کے بعد بالکل باقی نہیں رہا۔ جہاں اکثریت کا سوال ہو۔ وہاں بنگالی اور بھجانی کے سوا تیسرے کی نمائندگی مشکل ہے۔ صوبہ سرحد اپنی قوت کے بل پر ہمیشہ حصہ رسد سے زیادہ پائے گا۔ مہاجر کا تو کوئی ذکر نہیں۔ بلوچستان میں اپنی پس ماندگی کے باعث شاید ہی کبھی صحیح نمائندگی حاصل کر سکے۔ اگر ریاست، دیانت، ایمانداری، قربانی اور قوم کی بے لوث خدمت ہی

وزارت کے انتخاب کا صحیح معیار ہوتا۔ تو اب سے بہت پہلے میرا لائق علی کو کاہنہ میں شامل کیا جانا چاہیئے تھا۔ لیکن اب تو قائد اعظم مرحوم کے رفقا بھی دودھ کی مکھی کی طرح ہیں مہاجرین کو کون پوچھتا ہے۔ — "اے با آروزو کہ خاک شدہ"

پاکستان کے ہر صوبہ میں سالانہ بجٹ پیش کرتے وقت متعلقہ صوبہ میں مہاجروں اور ان کی آباد کاری کا ذکر ہوتا ہے۔ متعلقہ وزارت اپنی کارگزاری کا ذکر کرتی ہے۔ لیکن بلوچستان کا حکام اعلیٰ جو سالانہ دوبارہ کے موقع پر اپنی سالانہ رپورٹ پیش کرتا ہے۔ اس میں مہاجر کا ذکر نہیں۔ صرف قبائلیوں کا ذکر ہے۔ قبائلی ہمارے بھائی ہیں۔ اور میں ان کی ترقی و بہبودی کے ذرائع اختیار کرنے کو حکومت اور ہر پاکستانی کا فرض اولین سمجھتا ہوں۔ کیونکہ یہ پسماندہ لوگ ہیں اور ان کی ترقی قوم کی ترقی ہے۔ مگر یہ لوگ ایک صدی سے مصنوعی غذائیں کے عادی ہیں۔ اور متعلقہ حکومتوں کی کوشش کے باوجود اب تک ان کی قومی نشوونما میں بلوغت کے آثار ظاہر نہیں ہوئے۔ انہیں صرف یہ ہے کہ مہاجر ان کی نسبت ہم حصہ توجہ کے مستحق بھی قرار نہیں دیئے جا رہے ہیں کیا اچھا ہوتا کہ قبائلیوں کے ساتھ ساتھ مہاجروں کے ساتھ بھی فیاضانہ سلوک کیا جاتا۔ ان کے ساتھ سنوئی مال کا سلوک کس قدر ایسا انگیز اور حسرت ناک ہے حال ہی میں قبائلی طلباء کے لئے فنی اور اعلیٰ تعلیم کے لئے ۵۵ وظائف منظور کئے گئے ہیں۔ — "اے ابر کوم۔ مکر سخا۔ کچھ تو۔ ادھر بھی۔"

بلوچستان میں قبائلی علاقے میں کوئی مہاجر آباد نہیں ہوا۔ کوئٹہ اور سبکی کے علاوہ۔ اور الائی اور نورٹ سنڈھین میں گنتی کے کچھ آدمی آباد ہوئے ہیں۔ ریاست تلات میں تقسیم کے وقت ہندوؤں کی پوری حفاظت کی گئی۔ اس لئے بہت کم ہندوؤں نے ترک وطن کیا۔ اور اب تک تجارت اور ٹیکوں میں نہ صرف ان کی سیادت قائم ہے۔ بلکہ ٹیکسی ڈاریوں کے ٹیکہ کا کام جو پہلے مسلمان اچھی طرح اٹھاتا دے رہے تھے۔ اب ہندوؤں کے ہاتھ میں ہے۔ اس لئے ریاست تلات میں مہاجروں کی آباد کاری کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

دنیا کے کسی ملک میں بھی ایک ہی قوم مستقل طور پر آباد نہیں رہتی اور نہ رہ سکتی ہے۔

اس لئے ملکی اور غیر ملکی کا سوال غیر فطری ہے۔ ہندوستان، بلوچستان اور سرحد کے موجودہ باشندے
 آریں نسل سے ہیں۔ بلوچستان میں صرف برہمن قوم۔ قدیم باشندوں کی یاد گاہ ہے۔ یہ لوگ دراوڑی
 نسل کی نشانی ہے۔ بلوچستان میں اب سے نصف صدی یا زیادہ پہلے کے آباد شدہ غیر ملکی
 آہستہ آہستہ ملکیوں کا تمدن اختیار کرتے جا رہے ہیں۔ اور ان کی اولاد در اولاد و صدیوں
 تک بلوچستان کا تمدن اختیار کرے گی۔ اور کم خصوصیات اجداد کی باقی روحائیں گی۔ صوبہ بہار
 میں اب تک مسہرام اور بعض دوسرے مقامات میں سکھوں کی مختصر آبادیاں ہیں۔ یہ لوگ بڑے
 پہلے پنجاب سے وہاں جا کر آباد ہوئے۔ لیکن ان لوگوں میں بجز لہس و اڑھویوں اور بالوں کے کوئی
 اور خصوصیت سکھوں کی۔ خشونت۔ جیش۔ پنجابی زبان یا دوسری خصوصیات باقی نہیں رہیں جس
 طرح کہ افغانستان کے پشٹونوں میں جو صدیوں سے ہندوستان کے مختلف حصوں میں آباد ہیں
 یہی حال مہاجروں کا ہوگا۔ جو پاکستان کے مختلف حصوں میں آباد ہوئے ہیں۔ اس لئے ان کے خلاف
 برائے باشندوں کا تعصب بے معنی ہے اور ملکی، غیر ملکی کا ہنگامہ محض وقتی ہے۔ فروری ۱۹۵۵ء
 کے دنوں میں کوئٹہ کے بہت سے غیر ملکی باشندے دہشت زدہ ہو کر یہاں سے عارضی طور پر
 بھاگ گئے تھے۔ چونکہ کوئٹہ کی تجارت، بہبودی کرتی اور رونق کا دار و مدار بیرونی آبادی پر ہے
 اس لئے کوئٹہ سنان نظر آنے لگا۔ اور کاروبار سست ہو گیا۔ اور یہاں کے مقامی، ملکی تجارت
 پیشہ اصحاب کو بہت جلد ان کی بدائی کا صدمہ محسوس ہونے لگا۔ انگلینڈ کا شاہی خاندان جو جرمنی
 نسل سے ہے اب جرمنی زبان بھی بھول چکا ہے۔ اور اب انہیں کوئی جرمن نہیں سمجھتا
 کاش کہ قدیم باشندے اور نوادار یہ سمجھنے لگیں۔ کہ ہمارا وجود ایک دوسرے کے لئے
 لازم و ملزوم ہے۔ تباہ کن نہیں بلکہ جانین کے لئے نفع بخش ہے۔ اگر آج پاکستان میں ہمارے
 تعلیمی اور رتنی ادارے کامیابی کے ساتھ چل رہے ہیں۔ باہم تجارت، صنعت و حرفت اور
 کاروبار پر مسلمانوں کا قبضہ دیکھ رہے ہیں تو اس میں مہاجرین کا بہت بڑا ہاتھ ہے پاکستان
 کی تعمیر میں چاہے وہ مغربی پاکستان کے ہوں یا مشرقی پاکستان کے۔ یہاں پرانے زمانے

قابل عزت ، مستثنیات کے سوا کوئی قابل فخر حصہ نہیں لیا۔ خضر حیات ، سکندر حیات ،
 خان برادران ، عبدالصمد خان ، جی۔ ایم سید ، فضل الحق ، بھاشانی یا سہروردی صاحب کے کارناموں
 سے کون دانت نہیں۔ افسوس ہے کہ پاکستان کے حقیقی معمار اب قوم کی نگاہوں سے
 ادھل پڑ رہے ہیں۔ اور مہاجرین سے وہ سلوک نہیں کیا جا رہا ہے۔ جس کے وہ مستحق ہیں
 بہر حال ہم قوم سے اور مہاجرین سے بہترین توقعات وابستہ کئے ہوئے ہیں۔

پاکستان زندہ باد

(ڈاکٹر محمد ایوب کیپٹن)

پرنس روڈ کوئٹہ

۲۴ دسمبر ۱۹۵۲ء

جولائی ۱۹۵۶ء

اس کتاب کا مسودہ اب سے تقریباً ۲ سال قبل مرحوم اپنے مقدس ہاتھوں سے مکمل کر چکے تھے۔ مگر بوجہ طباعت کا انتظام نہ کر سکے تھے۔ آخر وہی ہوا جس کا میں نے اندیشہ ظاہر کیا تھا۔... وقت گزر رہا ہے اسی طرح زندگیاں بھی ختم ہو جائیں گی۔ لیکن یہ قابل عزت ہمتیاں حسرت و یاس کا جذبہ لئے ہوئے اپنی قبروں میں چلی جائیں گی۔۔۔“

۳۰ دسمبر ۱۹۵۶ء کی شب کو ۹ بجے، ڈاکٹر صاحب پرورد دل کا درد پڑا اور ۱۱ سال کی عمر میں حرکت قلب بند ہونے سے داخل خلد بریں ہوئے اور شہیدانِ پاکستان میں شامل ہوئے **إِنَّا لِلّٰہِ وَإِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ**۔

بریلی اور پٹی بھیت کا یہ آفتاب، لاڑکانہ میں غروب ہوا اب ان کی رحلت کے بعد یہ کتاب طباعت اور اشاعت کے مراحل طے کر کے قارئین کے ہاتھوں میں پہنچ رہی ہے۔ امید ہے کہ پڑھنے والے مرحوم کی محنت، بے عرق ریزی اور حسن تحریر و تالیف کی داد دے کر، ان کی روح کو ثواب پہنچائیں گے

پاکستان

پاکستان جغرافیائی حیثیت سے دو حصوں پر مشتمل ہے۔ (۱) مغربی پاکستان (۲) مشرقی پاکستان۔ پاکستان کے دونوں حصوں کے درمیان تقریباً ۱۰۰ میل کا فاصلہ حائل ہے۔ بھارت، مغربی پاکستان کو مشرقی پاکستان سے جدا کئے ہوئے ہے۔ کل پاکستان کا رقبہ — ۲۱۸,۳۴۳ مربع میل ہے۔

مغربی پاکستان میں پنجاب، سندھ، صوبہ سرحد، بلوچستان، بلوچستان کی ریاستیں ریاست بھاولپور، شمالی مغربی سرحد کی ریاستیں، قبائلی علاقے، ریاست خیبر پور، ریاست خٹگان شامل ہیں۔ آزاد کشمیر کا رقبہ ۴۵,۰۰۰ مربع میل ہے۔

ریاست خٹگان پر بھارت نے ۸ نومبر ۱۹۴۷ء کو زبردستی قبضہ کر لیا تھا۔ حالانکہ یہ ریاست پاکستان میں شامل ہو گئی تھی۔ اس ریاست کے فرمانروا نواب صاحب کراچی میں ملا وطنی کی زندگی گزار رہے ہیں۔

مشرقی پاکستان میں صوبہ مشرقی بنگال اور ضلع سلہٹ شامل ہیں۔ ۱۹۵۱ء کی مردم شماری کی رپورٹ سے مختلف علاقوں کے اعداد و شمار درج کئے جاتے ہیں۔

پاکستان — مجموعی آبادی — سات کروڑ۔ چھپن لاکھ چھتیس ہزار

مسلمان — چھ کروڑ۔ انچاس لاکھ پچاس ہزار

ہندو (علی ذات) — تینتالیس لاکھ، انچاس ہزار

اچھوت (اقوام مندرجہ فہرست) — تریسٹھ لاکھ۔ اٹھائیس ہزار

مشرقی پاکستان — مجموعی آبادی — چار کروڑ۔ انیس لاکھ۔ تیس ہزار
 مسلمان — تین کروڑ۔ بائیس لاکھ۔ چھبیس ہزار
 ہندو — (اعلیٰ ذات)۔ اکتالیس لاکھ۔ ستائیس ہزار
 اچھوت (اتوا) مندو بھہرست — پچاس لاکھ۔ دواہزار

مغربی پاکستان — مجموعی آبادی — تین کروڑ سینتیس لاکھ، بہتر ہزار
 مسلمان۔ تین کروڑ۔ ستائیس لاکھ۔ ہشت ہزار۔ (کشمیر، جونا گڑھ اور یاغستان کو چھوڑ کر
 ہندو اور دیگر اقوام — دس لاکھ۔ دو ہزار

مشرقی پاکستان کے مسلمانوں کی تعداد مغربی پاکستان کے مسلمانوں سے کم ہے۔
 مغربی پاکستان کا رقبہ ۳۱۰۱۲۹۸ مربع میل ہے۔ اور مشرقی پاکستان کا رقبہ ۵۳۹۲۰
 مربع میل ہے۔

مشرقی پاکستان رقبہ کے لحاظ سے مغربی پاکستان سے چھوٹا ہے۔ مغربی پنجاب کا رقبہ
 ۶۲۰۱۲ مربع میل ہے۔ مشرقی بنگال کا رقبہ پنجاب سے کم ہے۔ لیکن آبادی کے لحاظ سے
 پاکستان کا سب سے بڑا صوبہ ہے۔

مشرقی پاکستان میں بہ لحاظ آبادی ایک مربع میل میں ۸ نفوس آباد ہیں۔ اور مغربی پاکستان
 میں بہ لحاظ آبادی ایک مربع میل میں ۱۰۹ نفوس آباد ہیں۔

تمام پاکستان میں بہ لحاظ آبادی کراچی سب سے بڑا شہر ہے:

کراچی کی آبادی ۱۹۴۱ء میں	۳,۵۰,۰۰۰
کراچی کی آبادی ۱۹۵۱ء میں	۱۱,۲۴,۰۰۰

کراچی میں مہاجروں کی آبادی دسمبر ۱۹۵۲ء تک — ۶ لاکھ ۵۹ ہزار۔ سات سو۔
 مارچ ۱۹۵۲ء — کہا جاتا ہے کہ اس وقت کراچی کی آبادی ۷ لاکھ سے زیادہ ہے۔
 صوبوں کے لحاظ سے مہاجرین کی سب سے زیادہ تعداد پنجاب میں ہے۔ صوبہ پنجاب کی تمام
 آبادی کے تناسب سے مہاجرین کا تناسب ۲۶ فیصدی ہے اور آبادی ... ۸۸۲,۰۰۰ (۴۸ لاکھ
 بیاسی ہزار)۔

شہروں کے لحاظ سے مہاجروں کی سب سے بڑی تعداد کراچی میں ہے۔ یعنی شہر کی
 آبادی کا ۴۸ فیصدی، کراچی میں مہاجرین کی آبادی پانچ لاکھ ۴۳ ہزار سے (۵۳,۰۰۰)
 کراچی میونسپل کارپوریشن کی فہرست میں ۴۶ لاکھ۔ ۲۶ ہزار۔ ۳ سو ننانوے دو ٹروں کے
 نام درج ہیں۔ مقامی اور مہاجر کا تناسب ۵۲ اور ۴۸ بتلایا گیا ہے۔ مٹر سیرودی بانی جناح
 عوامی یگ نے اس کی تردید کی ہے اور بتلایا ہے کہ مقامی اور مہاجر کا تناسب ۱۰-۹۰ فیصدی
 (امروزہ کراچی - ۶ مارچ ۱۹۵۳ء)

تمام پاکستان میں صوبہ سرحد کا آزاد علاقہ ایک ایسی جگہ ہے جہاں کوئی مہاجر آباد نہیں ہے
 مہاجرین کی تعداد اور تناسب آبادی ۱۹۵۱ء کی مردم شماری کے لحاظ سے —

مشرقی پاکستان — سات لاکھ۔ دس ہزار (۱۰,۰۰۰)، یعنی ۶۰ فیصدی
 سندھ — پانچ لاکھ۔ ۴۵ ہزار (۵,۴۵,۰۰۰)، یعنی ۱۲.۶ فیصدی

صوبہ سرحد — اکیاون ہزار — یعنی ۶۰ فیصدی

بلوچستان — ۲۹ ہزار — یعنی ۳۴ فیصدی

ریاست بہاولپور — تین لاکھ۔ ۱۶ ہزار (۳,۱۶,۰۰۰)

ریاست خیرپور — گیارہ ہزار — یعنی ۳۴ فیصدی

بلوچستان کی ریاستیں — ایک ہزار — یعنی ۲ فیصدی

مارچ ۱۹۵۳ء پاکستان پارلیمنٹ میں وزیر مالیات جناب محمد علی نے فرمایا۔ مغربی

پاکستان میں مہاجرین کی تعداد ۶۶ لاکھ۔ ۶۰ ہزار ہے۔ لیکن اس کے بالمقابل ۵۵ لاکھ ۹۰ ہزار غیر مسلم مغربی پاکستان سے ہجرت چلے گئے۔ علاوہ انہیں مسلمان مہاجرین کا داغہ مغربی پاکستان میں جاری ہے۔ مزید براں ۵ لاکھ کشمیری مہاجر آباد ہیں

پاکستان بہ لحاظ آبادی دنیا کی تمام سلطنتوں میں پانچویں نمبر پر ہے

- (۱) چین کی آبادی تقریباً ۷۰۰ کروڑ ہے
- (۲) بھارت کی آبادی تقریباً ۳۵۰ کروڑ ہے
- (۳) سویت روس کی آبادی تقریباً ۹۰ کروڑ ہے
- (۴) ریاستہائے متحدہ امریکہ کی آبادی تقریباً ۱۵۰ کروڑ ہے
- (۵) پاکستان کی آبادی تقریباً ۸۰ کروڑ ہے۔

دنیا کی تمام مسلم سلطنتوں میں بہ لحاظ آبادی پاکستان کا نمبر اول ہے

- (۱) پاکستان کی آبادی — سات کروڑ چھپن لاکھ پچتیس ہزار
- (۲) انڈونیشیا — تقریباً سات کروڑ
- (۳) ترکی — تقریباً دو کروڑ
- (۴) مصر — تقریباً ایک کروڑ۔ نوٹے لاکھ
- (۵) ایران — تقریباً ایک کروڑ۔ اسی لاکھ
- (۶) افغانستان — ... تقریباً ایک کروڑ۔ بیس لاکھ
- (۷) سعودی عرب — تقریباً ایک کروڑ

- (۸) عراق پچاس لاکھ
 (۹) سیریا و شام تیس لاکھ
 (۱۰) مشرق اردن دس لاکھ

پاکستان کے بڑے شہر اور ان کی آبادی

(۱۹۵۱ء کی مردم شماری)

۱۱۲۶,۳۱۷	کراچی
۸۴۹,۳۳۳	لاہور
۲۷۳,۳۵۹	ڈھاکہ
۲۴۱,۸۰۱	حیدر آباد
۲۳۶,۸۷۷	راولپنڈی
۱۹۰,۱۲۷	ملتان
۱۷۹,۱۲۷	لاہلی پور
۱۵۶,۳۷۸	سیالکوٹ
۱۵۱,۳۳۵	پشاور
۱۴۳,۲۶۴	پشاکام
۱۱۴,۱۹۳	گجراتوالہ
۸۹,۲۷۸	باریسال
۸۳,۸۹۲	کوئٹہ
۷۷,۳۶۶	سکر

مفید معلومات

- (۱) پاکستان میں ۳۰ لاکھ نوے ہزار اشخاص امیہ ہیں۔
- (۲) پاکستان میں ۳۰ لاکھ عوام تپ دق میں مبتلا ہیں۔
- (۳) پاکستان میں پیدائش اور موت دونوں کی رفتار بڑی تیز ہے
- (۴) پاکستان میں ۳۰ فیصدی آبادی ۱۵ سال سے کم عمر لڑکوں پر مشتمل ہے اور اوسط عمر صرف ۳۳ سال ہے
- (۵) پاکستان قلعہ مشاوری بولوڈ کے اجلاس میں وزیر تعلیم ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی نے فرمایا کہ پاکستان میں ۹۰ فیصدی بڑھے کھے ہیں۔ یعنی ۸۱ فیصدی سے کچھ زیادہ اشتیاق کو پڑھنا لکھنا سکھانا ہے۔ پاکستان میں مہیا زندگی پست ہے۔ اور آمدنی ناکافی ہے۔
(خطبہ - ۳۱ مارچ ۱۹۵۷ء - پشاور)
- (۶) پاکستان میں ۸۰ لاکھ سے زیادہ تعداد میں غریب بچے گلیوں میں مادے مارے پھرتے ہیں افلاس کی وجہ سے حصول تعلیم مشکل ہے
فقدان علم۔ مجہم ہیں۔ افلاس کا سبب ہے
بے زر نہیں وسیلہ۔ تحصیل علم و فن کا (وسل)
- (۷) پاکستان میں ہر ایک ہزار آدمیوں میں سے صرف دو یا تین اخبار خریدتے ہیں اور ہندوستان ایک ہزار آدمیوں کے حصہ میں ۸ اخبار آتے ہیں۔ اتحادی انجمن کے حاصل کردہ اعداد و شمار خدا کا شکر ہے کہ پاکستان میں اب صرف دو صوبے ہیں۔
- (۸) مغربی پاکستان۔ مغربی پاکستان کے تمام صوبوں اور ریاستوں کو ملا کر ایک وحدت (یونٹ) بنا دیا ہے جس کا نام ہے وحدت (صوبہ) مغربی پاکستان
- (۹) مشرقی پاکستان
طرز حکومت دفاتی ہے۔
- تمام پاکستان کا نام۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان ہے۔ صدر مملکت ہمیشہ مسلمان ہوگا۔

سندھ

عربوں نے آٹھویں صدی عیسوی کے شروع میں سندھ فتح کیا۔ پاکستان میں سب سے پہلے سرفراز سندھ ہی کو آغوش اسلام میں آنے کا خیر حاصل ہے۔ عربوں نے تقریباً تین سو برس تک سندھ میں حکومت کی۔ یہ "باب الاسلام" کہلاتا ہے۔

پاکستان میں شامل ہونے کے لئے سب سے پہلے اپنی رضا مندی اسی صوبے نے ظاہر کر اچی۔ جو کہ سندھ کا صدر مقام تھا۔ پاکستان کا دار الحکومت بنایا گیا۔ صوبہ سندھ نے تمام پاکستانی صوبوں سے۔ اس لحاظ سے زیادہ قربانی کی ہے کہ کراچی اس صوبہ سے علیحدہ کر دیا گیا ہے۔

بانی پاکستان حضرت قائد اعظم محمد علی جناح اسی صوبے سے تعلق رکھتے ہیں۔ اسی کراچی میں پیدا ہوئے اور اسی جگہ سپرد خاک کر دیئے گئے۔

سندھ نے ہمیشہ پناہ مانگنے والوں کو پناہ دی ہے۔ ہندوستان سے بھاگ کر بھکر آیا۔ اور امرکوٹ میں پناہ لی۔ اکبر امرکوٹ ہی میں پیدا ہوا تھا۔ شاہجہان نے اپنی شہزادی کے زمانہ میں باپ سے ناراض ہو کر ٹھٹھ میں پناہ لی۔ تقسیم ہند کے بعد سے ۱۹۵۳ء تک سات لاکھ مسلمان مہاجر سندھ میں آکر آباد ہوئے۔ صوبہ سندھ کا تقریباً ۸۴ ہزار مربع میل ہے۔ یہ پاکستان کے کل رقبہ کا تیرہ فیصدی ہے تازہ ترین مردم شماری کے مطابق سندھ کی آبادی ۴۴ لاکھ - ۱۹ ہزار ہے یہ پاکستان کی آبادی کا سات فیصدی ہے آبادی کے لحاظ سے سندھ میں ہر مربع میل پر - ۹۱ افراد آباد ہیں ۱۹۵۱ء کی مردم شماری کے مطابق سندھ میں مہاجر تعلیم ۱۲۰۰ یعنی تمام پاکستان میں سب سے کم ۱۹۵۰ء میں بمقام کراچی مولانا حالی نے کل ہند مسلم تعلیمی کانفرنس کے خطبہ صدارت

میں فرمایا تھا۔ کہ ا۔

”مجھ سے میرے ایک دوست نے بیان کیا کہ سندھ میں ایک موقع پر تین مسلمان نوجوان ملے۔ میں نے جو ان کی حد سے زیادہ نادانیت دیکھی تو امتحاناً یہ سوال کیا کہ تم یہ بھی جانتے ہو کہ تمہارا نبی کون ہے؟ ایک نے کہا کہ امام حسینؑ۔ دوسرے نے کہا فیض محمد خان امیر خیر پور۔ اور تیسرے نے کہا ”پیر بکاڑو“

اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس وقت سندھ میں مذہبی تعلیم تک کا کیا حال تھا۔ وہ مہاجر چینیوں نے پاکستان کو اپنے خون جگر سے تعمیر کیا ہے۔ سندھ کے مقامی باشندے انہیں پناہ گیرے۔ کے نام سے پکارتے ہیں۔ سندھ اسمبلی میں تقریر کرتے ہوئے ایک معزز سندھی ممبر نے مہاجرین کو متعدد بار۔ پناہ گیرے۔ کے نام سے یاد کیا۔ ہر مرتبہ انہیں لڑکا گیا۔ اور ہر مرتبہ لفظ پناہ گیرا۔ استعمال کیا۔ آخر بار لڑکنے پر انہوں نے کہا کہ یہ لفظ میری زبان پر چڑھ گیا ہے۔ وزیر اعلیٰ سندھ پیر زادہ عبدالستار نے مہاجرین کو نئے سندھی“ اور انصار کو ”پرانے سندھی“ کا خطاب دیا ہے۔

سندھ میں تقسیم سے قبل ہندوؤں اور سکھوں کی آبادی ۱۳ لاکھ۔ ۷۲ ہزار تھی ۱۹۴۸-۴۹ء میں سندھ سے تقریباً ۱۰ لاکھ۔ ۷۲ ہزار غیر مسلم بھارت گئے۔ تازہ ترین اعداد و شمار سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندو تارکان وطن کی تعداد بارہ لاکھ ہے۔ اگر اب سندھ میں دو لاکھ کے قریب ہندو باقی رکھے ہو ۱۱) سندھ میں کسانوں کی مجموعی تعداد ۳۳ لاکھ ہے۔ جس میں سے ۲۵ لاکھ ہاریوں کے پاس ایک اپنچ قطعہ زمین نہیں ہے۔ یعنی وہ اجرت پر کام کرتے ہیں۔

۱۲) سندھ میں ۴۶ بڑے جاگیردار ہیں۔ اور ۲۹۴ بڑے زمیندار ہیں جن میں سے ہر ایک کے پاس پانچ ہزار ایکڑ زمین سے کم نہیں ہے۔

سندھ میں مہاجر دور استوں سے داخل ہوئے۔ ۱۱) اکھو کھرا پار کے راستے آئے۔ ان میں ۸۰ فیصد یوپی کے رہنے والے ہیں۔ یہ تباہ حال اور خانماں برباد قوم

بے کسی کی حالت میں وہاں آئے ہیں۔ نہ تو ہندوستان میں کسی نے انہیں الوداع کہا، اور نہ پاکستان میں کسی نے ان کا خیر مقدم کیا۔ — ۲۵، مغربی پنجاب سے سندھ میں داخل ہوئے یہ مشرقی پنجاب کے رہنے والے ہیں جو کہ مغربی پنجاب کے کیمپوں، لاہور، منٹگمری، طنان اور دوسرے شہروں سے لائے گئے۔ ۱۰ ستمبر ۱۹۴۸ء کو پہلی ٹرین لاہور سے سندھ روانہ ہوئی۔ آخری ٹرین ۲۵ اکتوبر ۱۹۴۸ء کو تقریباً نین ہزار مہاجرین کو لے کر سندھ میں داخل ہوئی۔ والٹن اسٹیشن لاہور پر خواجہ شہاب الدین دزیو مہاجرین، خان افتخار حسین آف مڈوٹ وزیر اعظم پنجاب اور حکومت کے اعلیٰ اراکین الوداع کہنے کے لئے اسٹیشن پر موجود تھے پولیس کے ہیڈ ہاسجہ نے رخصت کا نغمہ چھیڑا انجن نے سیٹی دی۔ اور آخری اسپیشل ٹرین روانہ ہو گئی۔ اس طرح سے مغربی پنجاب سے تقریباً سوا دو لاکھ مہاجرین سندھ میں آکر آباد ہو گئے۔

ستمبر ۱۹۴۸ء تک سندھ میں، لاکھ ۶ ہزار ۸۳، مہاجر سندھ میں آئے ان میں تین چوتھائی یعنی پونے پانچ لاکھ کو اچی چلے گئے۔

۱۹۵۱ء کی مردم شماری کے مطابق سندھ میں مہاجرین کی آبادی پانچ لاکھ ۶۵ ہزار یعنی ۱۲.۷ فیصدی ہے۔ مہاجرین سندھ میں عام طور پر یہ خیال پھیلا ہوا ہے کہ سندھ میں مہاجرین کی آبادی بیس لاکھ ہے مردم شماری میں تنگ خیال مقامی عناصر نے مہاجرین کی تعداد اراداً گھٹا کر دکھائی ہے بعض کا خیال ہے کہ سندھ کی آبادی اس وقت ستر لاکھ ہے۔ روزنامہ انجام کو اچی نے۔ تباہ حال مہاجر۔ کے زیر عنوان ایک ایڈیٹریل سپرڈ فلم کیا ہے جس کے چند جملے یہ ہیں۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ سندھ میں مہاجرین کی آبادی تقریباً بیس لاکھ سے کسی طرح کم نہیں

عہد مہاجرین کا مسئلہ از آغا محمد اشرف علی۔ ۹ فروری ۱۹۵۵ء نواب گنج کے ایک جلسہ عام میں تقریر کرتے ہوئے عبدالقیوم کاپوری نے فرمایا کہ میں سندھی ہوں اور ہمارے سندھ کی آبادی ستر لاکھ ہے (انجام کو اچی ۲۱ فروری ۱۹۵۵ء) — انجام کلیم جون ۱۹۵۵ء

متر و کر آراضی کے الائنٹ پر روزنامہ ڈان کراچی نے بدین الفاظ تنقید کی ہے۔ یہ بالکل غلط ہے۔ کہ سندھ میں ۵۰ فیصدی سے زیادہ زرعی زمین مہاجرین کو الاٹ کر دی گئی ہے۔ مہاجرات میں جانے والے مزدوروں نے ہالاکہ ۴۲ ہزار ایکڑ زرعی زمین سندھ میں چھوڑی ہے۔ جس میں سے ۴ لاکھ پچاس ہزار ایکڑ زمین مہاجرین کو الاٹ کی گئی ہے۔ اور ۹ لاکھ سات ہزار دو سو ایکڑ زمین مقامی ہاریوں کو دی گئی ہے۔ بانی ماندہ زرعی زمین کا بہت بڑا حصہ ناجائز طور پر سندھ کے زمینداروں نے اپنے قبضہ میں کر لیا ہے۔

"مہاجرین کے لئے حکومت سندھ نے کوئی تغیری قدم نہیں اٹھایا ہے بلکہ بیان بازی کے پرانے طریقوں سے کام لیا جا رہا ہے۔ حکومت سندھ نے مردم شماری میں پانچ لاکھ ۵۰ ہزار مہاجر تسلیم کئے ہیں۔ اور ان میں سے ایک لاکھ پچیس ہزار کو دیہات میں آباد کرنے کا دعویٰ کیا ہے۔ لیکن وزیر اعلیٰ اور قاضی اکبر وزیر مالیات کے بیان کے مطابق ۱۰ ہزار مہاجرین آباد کئے جا چکے ہیں۔ لیکن تارکان وطن کی تعداد بارہ لاکھ ہے۔ ان اعداد و شمار کے مطابق ابھی سو اچار لاکھ مہاجرین کے لئے شہر میں گنجائش ہے۔ لیکن حکومت کی بدانتظامی کی وجہ سے مہاجر بے گھر پڑے ہوئے ہیں۔"

مسٹر احمد جعفر نے سندھ کے مہاجروں کے مسائل پر اپنے خطبہ استقبالیہ میں اس طرح روشنی ڈالی ہے۔

سندھ میں آج بھی دو تین سال سے زرعی زمین پر آباد مہاجرین کو زمینوں سے بیدخل کیا جا رہا ہے۔ حیرت کا مقام ہے کہ سندھ اور کراچی کے علاقہ میں زرعی اور شہری جائیدادوں کے صحیح ریکارڈنگ نہیں ہیں۔ ایسا سمجھ لیا گیا ہے کہ یہ سترہ لاکھ جائیدادیں پاکستان کی دولت نہیں ہیں۔ انہیں جس طرح بھی ممکن ہو برباد کیا جائے۔ اسے مہاجر دشمنی نہیں بلکہ قوم و ملک سے غداری کے برابر سمجھنا چاہیے۔ تقسیم ہند کے بعد سے لاکھوں ایکڑ زمین جس پر کاشت ہوتی تھی۔ غیر مزدور پڑی ہوئی ہے۔ اور کاغذات میں غیر آباد دکھائی

جا رہی ہے، تاکہ مہاجرین کو الاٹ نہ کی جاسکے۔ سندھ میں یہاں تک بورہا ہے کہ مہاجرین پر زبان کی پابندی لگا کر تین، تین، چار چار سال کے سرکاری ملازمین کو الگ کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

حکومت سندھ نے ۱۹۴۶ء سے ۱۹۵۳ء تک ۲۵ لاکھ روپیہ بہ غرض لباس، راشن، تقاضی اور قرضوں کے طور پر دیا ہے۔

پارلیمنٹ میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے وزیر مہاجرین مسٹر شعیب قریشی نے بتلایا کہ مرکزی حکومت نے ۱۵ اگست ۱۹۴۶ء سے لے کر اب تک مہاجرین کی بحالی کے لئے حکومت سندھ کو ایک کروڑ پچیس لاکھ روپیہ کی رقم دی ہے جس میں سے صرف ۴۶ لاکھ روپے اب تک صرف ہوئے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ باقی رقم کہاں گئی؟۔ مرکزی حکومت نے اس کثیر رقم کے بارہ میں کیوں خاموشی اختیار کی؟

مقامی ڈویروں، مختار کاروں، سرکاری اہل کاروں اور ہینڈ خود غرض لوگوں نے مہاجروں کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا۔ اور وہ بد دل ہو کر سندھ سے چلے گئے۔ اس کا اعتراف وزراء مہاجرین کی طرف سے اس طرح کیا گیا ہے۔

۱۱، نائب وزیر مہاجرین ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی نے ۱۳ جون ۱۹۴۹ء کو ایک بیان میں فرمایا ہے۔

”اخبارات میں چھپا ہے کہ مشکلات کی وجہ سے ۳۰-۴۰ ہزار مہاجرین سندھ سے چلے گئے اس بارہ میں صحیحہ تعداد معلوم کرنا بہت مشکل ہے، لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مہاجر واپس ضرور گئے؟

۱۲، وزیر مہاجرین خواجہ شہاب الدین نے سندھ مسلم لیگ کانفرنس منعقدہ ۱۹ اپریل میں اپنی تقریر میں فرمایا تھا۔

مجھے یہ سن کر رنج ہوتا ہے کہ بعض مقامات پر کچھ سرکاری افسروں اور مقامی باشندوں

نے جان بوجھ کر مہاجرین کی آباد کاری میں رکاوٹیں ڈالی ہیں۔ اور مدد کرنے کے بجائے مہاجرین کی بہتیں پست کی ہیں۔ اکثر ضلعوں اور تعلقوں میں مقامی افسروں نے زمینیں الاٹ کرنے میں مہاجرین کے معاملہ میں غفلت اور لاپرواہی برتی ہے۔ اور ان کے اس رویہ سے مہاجرین میں سخت بے چینی پیدا ہو گئی ہے۔“

سندھ میں مہاجرین کے ساتھ شرمناک برتاؤ

سندھ کے حق پرست وزیر مہاجرین و آباد کاری میر امام بخش تالپور نے سندھ کا دورہ کرنے کے بعد ایک بیان دیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے۔

» بہت سے غیر مسلم زمیندار جنہوں نے اپنے خاندانوں کو بھارت بھیج دیا ہے اور جو خود اپنی عارضی بیویوں کے ساتھ یہاں رہتے ہیں۔ وہ افسروں کو رشوت دے کر جعل سازی کے ذریعہ اور پاکستان کے شہری ہونے کا بہرہ واپ بھر کر مٹروک اٹاک پر قابض ہیں۔

(۲) ہاؤسنگ لوگوں نے شہروں اور دیہات میں متعدد مراعات حاصل کر لی ہیں۔ اور غریب مستحق مہاجر در بدر کی تھوکریں کھاتے پھرتے ہیں۔

(۳) بہت سے گروپ لیڈروں نے ایسے خاندانوں کے نام سے بگس الائنٹ نے رکھے ہیں جن کا دنیا کے پردہ پر وجود ہی نہیں ہے۔ ان زمینوں کی کاشت وہ مزدور کر رہے ہیں جنہیں نوکر رکھ لیا جاتا ہے۔

(۴) بہت سے مقامی مسلمان زمینداروں نے اپنے ملازموں یا دوسرے افراد کے نام سے بگس الائنٹ لے رکھے ہیں۔ اور اس طرح ہزاروں ایکڑ مٹر کو زمین کی پیداوار غصب کر رہے ہیں

(۵) حکومت غریب مہاجرین میں تقسیم کرنے کے لئے جو رقم مخصوص کرتی ہے وہ بھی حکومت کے افسر یا لیڈر غصب کر لیتے ہیں۔ اور غریب مہاجرین کو کچھ نہیں ملتا۔

(۷) کسی ڈپٹی کمشنر آباد کاری یا نائب مختار کار نے یہ تکلیف ہی گوارا نہیں کی کہ وہ موقع پر خود جا کر زمین تقسیم کریں یا ان زمینوں پر مہاجرین کو قبضہ دلائیں۔ بیشتر فیصلے محض کاغذی ہوتے ہیں۔ اوپٹے دار اکثر غلط اطلاعات دیتے ہیں۔

صوبائی عصبیت

سندھ کے ہارلیوں، مزدوروں اور غریبوں کے دل و دماغ آئینہ کی طرح صاف ہیں۔ ان کی مہمان نوازی اور اسلامی بھائی چارہ کی خوبیوں پر جہالت اور غربت و افلاس نے پروہ ڈال رکھا ہے اب یہ کوشش کی جا رہی ہے کہ ان کے صاف دلوں پر کوتاہ نظریوں کی موٹی تہیں چڑھا دیں۔ وڈیرے حکام اور دوسرے تعلیم یافتہ طبقے تنگ خیالی اور اعداوی اکثریت کے تباہ کن اثرات کا شکار بنتے جا رہے ہیں۔ اب بھی سندھ میں ایسے لوگ موجود ہیں جنہوں نے مہاجروں سے عملی تبدیلی کا ثبوت دیا ہے۔ اور اخلاقی امدادیں ہمیشہ آگے رہے ہیں۔ مہاجروں کی شومی قسمت کا مداوا صرف خدا ہی کر سکتا ہے۔ جب تک بھارت میں رہے اکثریت کے رحم و کرم پر رہے۔ اور اب پاکستان میں اگر بھی صوبائی عصبیت اور اعداوی اکثریت کا لٹ نہ بنتے جا رہے ہیں۔ یہ ہرزین کہ رسیدیم۔ آسمان پیدا است

۱۹۵۲ء کے آخر میں سندھ کی میونسپلٹیوں کے انتخابات میں مہاجرین کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا گیا۔ ہر جگہ صوبائی تعصب کی کرشمہ سازیاں جلوہ فرما رہیں۔ ووٹروں کی فہرست میں بہت کم مہاجرین کے نام درج کئے گئے تھے۔ تمام صوبہ سندھ میں یہ شکایت عام تھی۔ مثال کے طور پر لاڑکانہ ہی کو لیجیے۔ ۱۵ نومبر ۱۹۵۲ء کو مشروصی محمد نائب صدر کل سندھ انجن مہاجرین نے پریس کو مندرجہ ذیل بیان دیا تھا۔

لاڑکانہ میونسپلٹی کی فہرست رائے و ہندگان میں مہاجرین کے نام درج نہ کر کے صریحاً

زباوتی اور حق تلفی کی جادہی ہے۔ شہر کے مشہور سیاسی کارکن صف اول کے تاجر، وکلا اور ڈاکٹروں کے نام تک رائے دہندگان کی فہرست میں درج نہیں ہیں۔ مہاجرین کو شش کم کے اپنے نام درج کراتے ہیں۔ لیکن کسی نہ کسی بہانہ سے ان کے نام مطبوعہ فہرست سے خارج کر دیئے جاتے ہیں۔ متعلقہ افسروں کی یہ بھی کوشش ہے کہ مہاجرین کے نام کم سے کم درج کئے جائیں مہاجرین سندھ یہ سمجھنے پر مجبور ہیں کہ وہ سندھ کی ایک لاوارث اقلیت ہیں جنہیں کسی قسم کے شہری حقوق حاصل نہیں ہیں؟

صوبائی عصبیت کی ایک نمایاں مثال یہ ہے کہ ہندو خاتون مس رام بانی نے کوٹری کے میونسپل انتخاب میں ایک مسلم مہاجر خاتون کو شکست دی۔ حالانکہ کوٹری میں ہندو ووٹر مشکل سے ایک درجن کے قریب ہیں۔

علاؤ الدین حیدر صاحب کانپوری ناظم جمعیت علماء پاکستان دھیر آباد سندھ نے اپنے ایک بیان میں کہا ہے کہ حیدر آباد میونسپلٹی کے انتخاب میں مہاجرین کو ناکام بنانے کی سازش کامیاب رہی۔

سندھ اسمبلی کے انتخابات ۱۹۵۲ء میں کرائے گئے تھے۔ میرجگہ سے یہ ہی شکائتیں اخباروں میں چھپی تھیں کہ فہرست رائے دہندگان میں ۵۰ فیصدی مہاجرین کے نام یا تو درج نہیں کئے گئے یا کسی بہانے اور حیلے سے خارج کر دیئے گئے تھے۔ انتخابات میں مہاجرین کی اکثریت کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ ۱۹۵۱ء کی مردم شماری کے مطابق سندھ میں مہاجرین کی تعداد ۵ لاکھ۔ ۶۵ ہزار ہے۔ صرف ۸ مہاجر سندھ اسمبلی کے ممبر منتخب ہو سکے ہیں۔

۱۹۵۳ء میں سندھ اسمبلی کی پہلی مرتبہ سربالغ کو رائے دہندگی کے اصول پر فہرستیں تیار کی گئی ہیں جن میں ۱۴ لاکھ۔ نو ہزار تین سو ۵۵ ووٹروں کے نام درج ہیں۔ صوبائی اسمبلی کی نشستیں ہیں۔ مسلم نشستیں ۹۸ ہیں۔ مسلم خواتین کی نشستیں ہیں۔ ۱۰ عام نشستیں ہیں صوبہ سندھ صوبائی عصبیت کا بدترین مرکز بنا ہوا ہے۔۔۔۔۔ دیہات اور قصبات

میں سندھ کی سرزمین اب تک مہاجروں کے لئے شجر ممنوعہ بنی ہوئی ہے۔ پچھلے دنوں مرکزی حکومت نے لمبے چوڑے وعدوں کے ساتھ جن مہاجرین کو کراچی سے لے جا کر سندھ کے اندروں علاقوں میں آباد کیا تھا، انہیں متعصب سندھیوں نے اس قدر تنگ اور پریشان کیا، کہ وہ گھبرا کر سندھ سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ اور نہ تو ہماری مرکزی حکومت نے ان تباہ حال مہاجروں کی امداد کا کوئی وعدہ پورا کیا۔ اور نہ سندھ کی وزارت نے مہاجروں کی فریاد کو جنگل کی آواز سے زیادہ وقت دی۔ سندھ کے متعلق دنیا جانتی ہے، کہ وہاں بیشتر متر و کہ جائیدادیں غیر مستحق لوگوں کو الاٹ کی گئیں۔ اور جو مہاجرین پاکستان و مسلم لیگ کے حرم عشق میں ہندوستان سے تباہ و برباد ہو کر آئے تھے۔ وہ سرچھپانے کی بالشت بھر جگہ کے لئے بھی تہمتیں لے رہے۔ مہاجرین کو جو متر و کہ زرعی زمین الاٹ بھی کی گئیں۔ وہ عملی طور پر با اثر و ڈیروں کی ملکیت میں رہیں۔ اور غریب مہاجروں کو ان کی فصل سے محروم رکھا گیا۔ سندھ میں مہاجرین کی فضیلتیں ٹٹی جانے کی شکائتیں عام ہیں۔ ماتحت سرکاری ملازموں تک نے بارہا صوبائی عصبیت کے شرمناک مظاہرے کئے۔ مہاجرین کے ننگ و ناموس کو جنس ناکادہ اور ان کی فریاد کو صدا بہ صحرٰی سمجھا گیا۔ سارے پاکستان میں یہ فخر صرف صوبہ سندھ کو حاصل ہے کہ وہاں مہاجروں کے خلاف علی الاعلان جلوس نکالے جاتے ہیں۔ اور جو سرکاری افسر مہاجرین کی دوا دہی کرنا چاہتا اس کے خلاف - مردہ دوا - کے نعرے لگائے جاتے ہیں۔ سارے پاکستان میں سندھ ہی کی پگڑی اس امتیازی طرے سے آراستہ ہے۔ کہ اس کے اخبار کھلے بندے مہاجروں کے خلاف زہر چکانیاں کرتے ہیں۔ نہ حکومت ان کا گلہ پکڑتی ہے۔ اور نہ ان کی مذمت میں سندھ کے با اثر عمائد کی زبان سے ایک لفظ نکلتا ہے۔

سندھ کے گورنر خان افتخار حسین خان آف ممدوٹ نے اس بات پر اظہارِ افسوس کیا۔ کہ سندھ میں مہاجرین کی کماحقہ آباد کاری نہیں کی گئی۔ اور ان کے ساتھ اس معاملہ میں سراسر نا انصافی ہوئی ہے۔

مہاجر و اصل پاکستان کے صحیح معنوں میں بانی ہیں۔ اور انہوں نے جن حالات میں ہجرت کی ہے۔ اسے نظر انداز کر کے ان کے معاملہ میں غفلت برتی جا رہی ہے اگر ان کے ساتھ یہاں بھی اچھا سلوک نہیں ہوا۔ تو یہ ان پر سراسر ظلم ہو گا۔ ایڈریسوں کے سلسلے میں نئے حکومت کے مختلف محکموں کی جانب سے جو یادداشتیں مہیا کی گئی ہیں۔ ان میں بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ غلام اسکیم حکومت کے زیر غور ہے۔ اور غلام اسکیم پر غور ہو رہا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہر چیز اور ہر اسکیم زیر غور ہے۔ اور غور و خوض کی منزل سے آگے نہیں بڑھ سکی ہے۔



مغربی پنجاب

۱۲ اگست ۱۹۴۷ء کو پنجاب کے دو حصے ہو گئے تھے۔ مغربی پنجاب اور مشرقی پنجاب

— مغربی پنجاب۔ مغربی پاکستان میں شامل ہے اور مشرقی پنجاب بھارت میں۔

مغربی پنجاب کا رقبہ ۷۲،۰۱۲ مربع میل ہے۔ اور مشرقی پنجاب کا رقبہ ۳۷،۰۰۰ مربع میل۔ مغربی پنجاب کا رقبہ سابقہ غیر منقسم پنجاب کے کل رقبہ کا ۶۰ فیصدی ہے۔

”مغربی پنجاب کے پاس تعلیم یافتہ افراد ہیں۔ اور آبادی خاصی ہے۔ صوبہ پنجاب ہمیشہ سے کشوری اور عسکری لازمتوں میں داخل ہو کر تنخواہوں کی شکل میں دولت حاصل کرتا رہا ہے۔ پاکستان بننے سے پہلے مرکزی حکومت سے تقریباً ساڑھے بارہ کروڑ روپیہ سالانہ فوجیوں کو تنخواہ کی شکل میں اور سات کروڑ روپیہ سالانہ سول عہدہ داروں کی تنخواہوں کی شکل میں ملا کرتا تھا۔ آج بھی پاکستان کی مرکزی حکومت کے رجسٹر میں تنخواہ کا بڑا حصہ پنجابی ملازمین کی تنخواہ پر مشتمل ہوتا ہے۔“

تقریباً پانچ لاکھ مسلمان فسادات کے دوران میں مشرقی پنجاب۔ پٹیالہ، فرید کوٹ، کپورتھلہ اور، اور بھرت پور میں شہید کر دیئے گئے۔ اس کے علاوہ پچاس ہزار سے زیادہ تعداد میں عورتیں اور بچے مشرقی پنجاب اور ملحقہ ریاستوں میں مسلمانوں سے ہندوؤں اور سکھوں نے زبردستی چھین لئے یا اغوا کر لئے تھے۔

۱۹۵۱ء کی مردم شماری کی رپورٹ کے مطابق مہاجرین کی سب سے زیادہ تعداد مغربی پنجاب میں ہے۔ صوبہ پنجاب کی تمام آبادی کے تناسب سے مہاجرین کا تناسب ۴۶ فی صدی ہے۔ پاکستان کی مجموعی آبادی میں سے مہاجرین کا ۱۱ حصہ مغربی پنجاب میں ہے۔ تمام پاکستان میں مہاجرین کا بارگراں سب سے پہلے مغربی پنجاب کو برداشت کرنا پڑا۔

۱۹۴۸ء میں کچھ مہاجرین مغربی پنجاب کے شہروں اور دیہات میں بہو پنچا دیئے گئے تھے۔ لاہور، منٹگمری، ملتان اور دوسرے کمیونوں سے ۲ لاکھ مہاجرین سندھ بھیج دیئے گئے تھے۔ ۱۹۴۷ء مہاجرین کی آمد کا سال کہا جاتا ہے۔ ۱۹۴۸ء تک گورنمنٹ پاکستان بہت زیادہ حد تک ان مشکلات پر غالب آچکی تھی۔ پارلیمنٹ میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے خواجہ شہاب الدین نے فرمایا تھا کہ ۲۸ فروری ۱۹۴۹ء تک حکومت پاکستان مہاجرین کی آباد کاری پر ۸ کروڑ ۸۳ لاکھ - ۴۶ ہزار - ۹۹۵ روپیہ خرچ کر چکی ہے۔

مارچ ۱۹۴۸ء کے پہلے ہفتہ میں پنجاب میں ۴۷ کمیون موجود تھے جن میں ۶ لاکھ پناہ گزین مقیم تھے۔ مغربی پنجاب سے ۵۰،۵۰۰ غیر مسلم بھارت چلے گئے۔ اور ۵۶ لاکھ ۶۳ ہزار مسلمان مہاجر بھارت سے مغربی پنجاب میں آئے۔ ۵ لاکھ مہاجرین کشمیر ان کے علاوہ ہیں۔ ان میں سے بیشتر راولپنڈی اور دوسرے مہاجر کمیونوں میں مقیم تھے۔ پنجاب کے علاوہ کچھ سرحد میں کچھ کوئٹہ میں اور کچھ کراچی میں آباد ہیں۔ کراچی میں ۵ ہزار کشمیری آباد ہیں۔ کشمیری مہاجرین میں ایک بھی گداگری کرتے ہوئے نہیں ملے گا۔

پاکستان کا اعلان ہوئے ہی مہاجرین کی آباد کاری کا سب سے زیادہ بوجھ مغربی پنجاب کے صوبہ پر پڑا تھا۔ اکتوبر ۱۹۴۷ء میں پاکستان کے وزیر اعظم نواز سزاوہ یاقوت علی خان صاحب نے اپنا مستقل میڈ کوارٹر لاہور کو بنالیا تھا۔ ۲۷ فروری ۱۹۴۸ء کو مسلم لیگ کونسل کے سالانہ اجلاس منعقدہ کراچی میں جناب یاقوت علی خان صاحب نے تقریر کرتے ہوئے فرمایا تھا:۔

”قائد اعظم نے فرمایا تھا کہ پاکستان کی حفاظت لاہور سے کی جاسکتی ہے۔ میں وہاں گیا تھا میں بورڈر (سرحد) پر جایا کرتا تھا۔ مہاجرین بھوکے، تنگے، کمزور اور بوڑھے سڑکوں پر پیدل چل کر یہ پوچھنے آتے تھے کہ کیا پاکستان آگیا۔ اور سرزمین پاکستان پر پہنچ کر اطمینان کا سانس لیتے اور خدا کا شکر ادا کرتے۔“

بینگوں، کاروبار، اور نقل و حرکت کے تمام وسیلوں پر مغربی پاکستان میں غیر مسلموں کا قبضہ

تھا۔ اور ان کے چلے جانے کے بعد فوراً ہی ان تمام کاموں کو چلانا آسان کام نہیں تھا۔ ۴۰ رپریٹیکشن کو مہاجرین کونسل کے جلسہ کی صدارت کرتے ہوئے وزیراعظم لیاقت علی خان صاحب نے فرمایا تھا۔ "اگر آج ہم مغربی پاکستان میں تجارت، صنعت و حرفت اور کاروبار پر مسلمانوں کا قبضہ دیکھ رہے ہیں۔ تو یہ ہمارے مہاجرین کی بدولت ہے"

پاکستان کے دستور حکومت کے مطابق تمام پاکستانیوں کو مساویانہ اور یکساں حقوق حاصل ہیں۔ لیکن پنجاب میں تسلیم شدہ اور غیر تسلیم شدہ رقبوں سے آئے ہوئے مہاجرین کے ساتھ امتیاز قائم کیا گیا۔

اگر یہ کہنا درست ہے۔ کہ متفقہ علاقوں میں قتل اور خون ریزیاں ہوئیں۔ جس کی وجہ سے وہاں کے مسلمان پاکستان آئے۔ تو یہ بھی درست ہے۔ کہ غیر متفقہ علاقوں میں بھی فسادات ہوئے اور خون ریزیاں ہوئیں۔ جس کی وجہ سے وہاں کے مسلمان مجبوراً پاکستان آئے۔

جائزہ دہریں مغربی پنجاب کی طرف سے پاکستان کے ڈپٹی ہائی کمشنر کا دفتر ہے بمشرقی پنجاب سے آنے والے مسلمان مہاجرین کو مغربی پنجاب بھیجنے کے لئے تمام آسانیاں مہیا کی گئی ہیں لیکن غلطی یا عدم واقفیت سے اگر کوئی غیر تسلیم شدہ رقبہ کا مسلمان مہاجر۔ بغیر کسی اجازت نامہ کے پاکستان میں داخل ہونے کے لئے یہاں آجاتا تھا۔ تو اسے یہ محسوس ہوتا تھا، کہ عالمگیر اسلامی مساوات کے بجائے یہاں پنجابیت یا صوبائی تنگ خیالی کا جذبہ کارفرما ہے۔

تمام پاکستان میں پنجاب کے باشندے سب سے زیادہ تعلیم یافتہ اقبال ہیں سیاسی حیثیت سے بھی سب سے زیادہ بیدار ہیں۔ جب کسی بیرونی حملہ کا خیال پیدا ہوتا ہے۔ تو سب کی نظریں پنجاب کی طرف اٹھتی ہیں۔ پنجاب کا یہ فخر قابل تسلیم ہے۔ کہ اس کی فوجیں آزمودہ کار اور شجاع ہیں۔ ہماری سب کی دعا ہے۔ کہ ہمارے پنجابی بھائیوں کے دست و بازو کو خدا نظر بد سے بچائے یہ صحیح ہے۔ کہ موجودہ پاکستان علامہ اقبال کے خواب کی تعمیر ہے۔ یہ بھی صحیح ہے۔ کہ پنجاب کے لوگ اسلامی جوش و رشار میں کسی سے کم نہیں ہیں۔ اور مہمان نواز و خوش اخلاق ہیں۔ یہ بھی مسلمہ

بات ہے کہ اردو کی زلف پر پریشان پنجاب کے شاعروں اور ادیبوں کی مرہون منت ہے۔ لیکن
 یہ دیکھ کر دل کو تکلیف ہوتی ہے کہ سرزمین پنجاب صوبائی تعصب و تنگ خیالی میں بنگالی اور
 سندھی سے کسی طرح پیچھے نہیں ہے

مشرقی پاکستان

۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو بنگال کے دو حصے کر دیئے گئے۔ مغربی بنگال اور مشرقی بنگال۔ مشرقی پاکستان میں صوبہ مشرقی بنگال اور آسام کا ضلع سلہٹ شامل ہیں۔ تقسیم ہند کے بعد مشرقی بنگال میں ۴۹ ہزار مربع میل کا علاقہ پاکستان کو ملا۔ یہ علاقہ دنیا بھر میں سب سے زیادہ گنجان آباد ہے۔ آبادی ۸۷ لاکھ نفوس فی مربع میل ہے۔ مشرقی پاکستان کا قہر ۵۳۹۲۰ مربع میل ہے۔ مشرقی بنگال کا رقبہ پنجاب سے کم ہے لیکن آبادی کے لحاظ سے پاکستان کا سب سے بڑا صوبہ ہے۔

۱۹۴۷ء کی مردم شماری کے مطابق مشرقی پاکستان کی آبادی ... ۴۷،۲۰۰ تھی۔ ۱۹۵۱ء کی مردم شماری کے مطابق مشرقی پاکستان کی آبادی ... ۴۱،۹۳۲ ہے۔ مشرقی پاکستان میں مسلمان تین کروڑ، بائیس لاکھ پچھتیس ہزار ہیں۔ مغربی پاکستان میں (کشمیر اور یاغستان کو چھوڑ کر)۔ تین کروڑ، لاکھ مسلمان آباد ہیں۔

ہندو (اعلیٰ ذات، اکتالیس لاکھ۔ ستاسی ہزار ہیں۔ اور اچھوت۔ پچاس لاکھ بادن ہزار) غیر مسلموں کی سب سے زیادہ تعداد مشرقی پاکستان میں ہے۔ مشرقی پاکستان کی استی فی صدی آبادی کاشتکاروں کی ہے۔ ۱۹۵۵ء میں زرعی اصلاحات کے سلسلہ میں ایک قانون پاس ہوا تھا۔ جس سے کاشتکاروں کو حسب ذیل فائدے پہنچنے کی امید ہے۔

۱، حکومت اور کاشتکار کے مابین اب کوئی درمیانی ہستی نہیں رہے گی۔
۲، تمام کاشتکاروں کو زمین کے مالکانہ حقوق حاصل ہوں گے۔

(۳) آئندہ سے صرف کاشتکار ہی زمین خرید سکتا ہے کسی کو ۳۵ ایکڑ سے زیادہ زمین پر قبضہ کی اجازت نہیں ہوگی۔

مشرقی پاکستان میں ابھی تک کسانوں کو اپنی مزدور و عہ زمین پر حقوق ملکیت حاصل نہیں ہیں اس کے برخلاف بھارت کی ریاست اتر پردیش۔ (صوبہ یو۔ پی) میں کسانوں کو حقوق ملکیت دے دیئے گئے ہیں۔ شرط یہ ہے کہ وہ ۵ سال کا لگان گورنمنٹ کے خزانہ میں داخل کر دیں۔ یہ لگان آسان قسطوں میں ادا کرنے کی اجازت ہے۔ اس روپیہ میں سے گورنمنٹ زمینداروں کو زمین کا معاوضہ ادا کرتی ہے۔ مشرقی بنگال میں ہندو زمیندار کی جگہ اب مسلمان زمیندار نے لے لی ہے۔ اور مسلمان کاشتکار ابھی تک تباہ و برباد حالت میں ہے۔ مشرقی پاکستان کا کسان عمر بھر مقروض رہتا ہے۔ اور مقروض ہی مر جاتا ہے۔

کراچی سے تقریباً ایک ہزار میل کے فاصلہ پر مشرقی پاکستان واقع ہے۔ صدیوں سے یہاں کے مسلمان مقامی ہندوؤں کے سماجی اور اقتصادی جنگل میں پھنسے ہوئے تھے انگریزوں کے دور حکومت میں مسلمان بالکل کس پیرسی اور انتہائی افلاس کی حالت کو پہنچ گئے تھے مسلمان کاشتکار ہندو زمینداروں کے قبضہ میں آ گئے تھے۔ شیروں میں ۹۰ فیصدی تجارت اور دوسرے کاروبار ہندوؤں کے ہاتھ میں تھے۔

۱۹۰۳ء میں لارڈ کوزن کے عہد حکومت میں انگریزوں نے بنگال کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ مغربی بنگال اور مشرقی بنگال۔ اس تقسیم سے مسلمان کاشتکاروں اور مسلمان مزدوروں کو فائدہ پہنچا تھا۔ اور ہندو جاگیرداروں کو نقصان۔ ہندو و ہشت پستوں نے تقسیم بنگال کی تنسیخ کے لئے بموں اور پستولوں سے وسیع پیمانہ پر شورش برپا کر دی تھی۔ بہت سے انگریز افسروں کو ہم اور پستول کا نشانہ بنا دیا گیا تھا۔ ۱۹۱۲ء میں ایک انقلابی مشر راشد بہاری گھوش نے لارڈ ہارڈنگ و اسرارے ہند پر بم پھینکا۔ انگریز نے خوف و ہشت سے گبرا کر تقسیم بنگال کو منسوخ کر دیا تھا۔ ۳ دسمبر ۱۹۰۳ء کو نواب وقار الملک اور نواب

ڈھاکہ اور چنڈ و سرے مخلص مسلمانوں نے نزاکتِ حالات کا اندازہ کرتے ہوئے آل انڈیا مسلم لیگ کا سنگ بنیاد رکھا طویل عرصہ کے بعد مسلم لیگ نے مسلمانوں میں تنظیم و اتحاد کا کام شروع کیا۔ اور پاکستان کا نعرہ بلند کر کے آزادی جہاد کا ایک خاص دلولہ پیدا کر دیا۔ ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء میں ہندو انقلابیوں نے کلکتہ میں ایک ہولناک فساد برپا کر کے مسلمانوں کے خلاف قتل و غارت گری کی تحریک شروع کی۔ ۱۹۴۷ء میں بنگال پھر دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ اور اس طرح پاکستان عالم وجود میں آیا۔ جس کا ایک بازو مشرقی پاکستان ہے۔ اور دوسرا بازو مغربی پاکستان۔ ہندو انقلابیوں نے مشرقی پاکستان کے خلاف معاندانہ تحریک اور "بنگال عظمیٰ" کا پروپیگنڈا اب بھی بہت وسیع پیمانہ پر جاری کر رکھا ہے۔ ۱۹۵۰ء میں مسٹر رمترانے جو کہ مشرقی پاکستان کے باشندے تھے۔ کلکتہ پہنچ کر ایک پروگرام مرتب کیا۔ جس کا مقصد مشرقی پاکستان پر چڑھائی کرنا تھا ڈھاکہ میں یہ لوگ اردو کے خلاف شدید ہنگامے برپا کر چکے ہیں۔ حضرت علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ جیسے عالم و فاضل بزرگ غیر فانی، اسلامی مورخ اور جمیعۃ العلماء پاکستان کے صدر کی توہین میں انہی انقلابی جماعتوں کا پوشیدہ ہاتھ کار فرما رہا ہے۔

جعفر ازبنگال و صادق ازوکن

تقسیم ہندو پاکستان کے بعد مشرقی بنگال میں بھی بہار، یو۔ پی اور آسام سے مہاجر آنا شروع ہو گئے تھے۔ لیکن ۱۹۵۰ء کے آغاز میں مشرقی پاکستان کو مہاجرین کے اہم مسئلہ سے دوچار ہونا پڑا یہ نہ معلوم ہو سکا کہ تین سال کے عرصہ میں یعنی دسمبر ۱۹۵۳ء کے آخر تک کتنے مہاجر مشرقی بنگال میں داخل ہوئے۔ کتنے آباد کر دیئے گئے۔ اور کتنے اب تک غنا بدش میں ہیں؟ صحیح اعداد و شمار اب تک مشرقی پاکستان کی حکومت نے شائع نہیں کئے۔ سب سے زیادہ حیرت انگیز بات یہ ہے۔ کہ اب تک وزارت مہاجرین و آباد کاری

پاکستان کو مشرقی پاکستان کی حکومت نے مہاجرین کی آباد کاری کے متعلق اعداد و شمار فراہم نہیں کئے۔

روزنامہ ڈان نے اپنے ایک ادارہ میں لکھا ہے کہ مشرقی پاکستان کے مہاجرین کے اعداد و شمار ابھی تک تیار نہیں کئے گئے ہیں۔

مشرقی پاکستان میں مہاجرین کے معاملہ کی دوسری نوعیت ہے جس کے اعداد و شمار ابھی تک عوام کو نہیں مل سکے ہیں؟

ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی وزیر مہاجرین و آباد کاری پاکستان نے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے بتلایا کہ مشرقی پاکستان میں آباد کاری مہاجرین کے متعلق اعداد و شمار دستیاب نہیں ہوئے ہیں۔ ۲۰ مارچ ۱۹۵۳ء کو پاکستان پارلیمنٹ میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے مسٹر شعیب قریشی وزیر مہاجرین و آباد کاری نے بتلایا کہ مشرقی بنگال سے مہاجرین کی آباد کاری کے متعلق پورے اعداد و شمار دستیاب نہیں ہوئے ہیں۔ ۱۹۵۱ء کی مردم شماری کے لحاظ سے مشرقی پاکستان میں مہاجرین کی تعداد سات لاکھ و نو ہزار ہے یعنی مشرقی پاکستان کی تمام آبادی کا ۷ فیصدیہ پاکستان پارلیمنٹ میں وزیر مہاجرین نے بتلایا کہ دسمبر ۱۹۵۲ء تک ۱۲ لاکھ ۷۰ ہزار مہاجرین مشرقی پاکستان آئے۔

اعداد و شمار سے پتہ چلتا ہے کہ ۲۰ ستمبر ۱۹۵۲ء سے لے کر ۱۴ اکتوبر ۱۹۵۲ء تک دو سال کے عرصہ میں ۳۶۰، ۱۵۰۰۰ مزید مہاجرین نے مشرقی بنگال میں سکونت اختیار کی۔

امروز کو اپنی ۵۵ جنوری ۱۹۵۳ء

صدر انجمن مہاجرین مشرقی پاکستان نے بتلایا کہ تیس لاکھ مہاجر مشرقی پاکستان میں آئے جن میں سے ۵ لاکھ معمولی طور پر آباد کئے جا چکے ہیں۔ (ڈان ۱۹ اکتوبر ۱۹۵۳ء)

پاکستان پارلیمنٹ میں بجٹ پر بحث کرتے ہوئے مسٹر محمد ابوالقاسم نے کہا کہ مشرقی پاکستان میں ۳۰ لاکھ مہاجرین جو کہ بہت ہی خراب حالت میں ہیں۔ ملک کے معاش کی خاطر ان کی آباد کاری بہت ہی ضروری ہے (ڈان ۲۱ مارچ ۱۹۵۴ء)

مشرقی بنگال میں مغربی پاکستان کی طرح متروکہ جائیداد کے قانون کا اطلاق نہیں ہے۔ اس لئے وہاں کوئی متروکہ جائیداد مہاجرین کو نہیں مل سکتی ہے۔ ان حالات میں مشرقی پاکستان میں مہاجرین کی آباد کاری کا مسئلہ دشوار بن گیا ہے۔

مشرقی پاکستان سے ترکی وطن کرتے وقت ہندوؤں نے ۱۰۴۴۰ ایک لاکھ ۴۴ ہزار وٹل، مکانات اور نو ہزار سات سو چھیاسٹھ دوکانیں چھوڑی تھیں۔ ان میں سے ایک لاکھ چھ سو گیارہ مکانات اور نو ہزار تینتیس دوکانیں واپس آنے والے ہندوؤں کو لوٹائی جا چکی ہیں۔

مشرقی پاکستان کی حکومت نے واپس آنے والے تارک وطن ہندوؤں کی آباد کاری کے لئے سات لاکھ روپیہ سے زیادہ رقم صرف کی۔ اور مرکزی حکومت نے پندرہ لاکھ روپیہ مشرقی پاکستان کی حکومت کو بطور قرض دیئے۔

مشرقی پاکستان سے ۴۴ ہزار مسلمان مہاجرین مغربی بنگال بھیجے گئے۔ ان پر مشرقی پاکستان کی حکومت نے چار لاکھ روپیہ صرف کئے۔

مشرقی بنگال کے مہاجرین کی انجمن نے مسٹر محمد علی وزیر اعظم پاکستان کی خدمت میں مندرجہ ذیل شکایتیں پیش کی تھیں۔

(۱) مشرقی بنگال میں تیس لاکھ مہاجرین یہ آسام، مغربی بنگال، بہار اور یوپی سے واپس ہوئے ہیں۔
(۲) مہاجروں کی کافی تعداد اب تک سرکاری کیمپوں، گوداموں، جھونپڑیوں میں اور فٹ پاتھوں پر زندگی بسر کر رہی ہے۔

(۳) بے روزگاری پھیلی ہوئی ہے۔

(۴) مہاجروں کی حالت بہتر بنانے میں مرکزی اور صوبائی حکومتیں ناکام رہی ہیں۔

(۵) وفد نے درخواست کی ہے کہ دیناج پور اور رنگ پور کی غیر زرعی اراضیات کو قابل کاشت بنایا جائے۔ اور مغربی بنگال و آسام کے مہاجروں کو جو کاشتکار ہیں آباد کیا جائے۔

(۶) مہاجر کمزموں کو تحفہ سے محفوظ رکھا جائے۔ (مئی روشنی ۱۵ مئی ۱۹۵۳ء)

مشرقی پاکستان میں مہاجرین کی کیا حالت ہے۔ مقامی باشندوں اور حکومت کے افسروں کا کیا برتاؤ ہے؟ اس کے متعلق چند اقتسابات پیش کئے جا رہے ہیں جو کہ اچے کے مشہور اخباروں سے لئے گئے ہیں

(۱) مشرقی پاکستان کے مہاجر بہ سلسلہ آباد کاری وہ مفاد حاصل نہ کر سکے جو مغربی پاکستان میں خرابیوں کے باوجود مہاجرین کو حاصل ہوئے ہیں

(۲) مشرقی پاکستان میں مہاجرین کے ساتھ زبانی ہمدردی کا اظہار بھی نہیں کیا گیا۔ کلکتہ اور مغربی بنگال کے مسلمان بھی مشرقی پاکستان کی حکومت کی نگاہوں میں ناپسندیدہ سمجھے جاتے تھے۔

(۳) کاغذ پوکونا مقرر کئے جانے کے بعد سول سروس کا دروازہ بند ہے۔ مہاجر مجسٹریٹ کے عہدہ پر بھی مقرر نہیں کئے جاتے۔ محکمہ پولیس میں بھی داخلہ پر بہت سی رکاوٹیں ہیں۔ ڈھاکہ یونیورسٹی اور لطیفہ کالجوں میں داخلہ کے لئے انہیں سکونتی سرٹیفکیٹ کی ضرورت پیش آتی ہے جس کا حاصل کرنا بہت دشوار ہے۔

(۴) مرکزی حکومت نے مہاجرین کی آباد کاری کے لئے لاکھوں روپیہ کی رقم دی جس کا صحیح استعمال نہیں کیا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ مہاجرین جوٹ کے گوداموں میں زندگی بسر کر رہے تھے۔ اور ٹھیکہ دار زیادہ تر رقموں کو اپنی جیب میں ڈال لیتے تھے۔

(۵) ۱۹۴۷-۱۹۴۸ء میں مشرقی بنگال کے وزیر خزانہ نے مرکز کی رقم یہ کہہ کر واپس کر دی کہ مشرقی پاکستان میں مہاجرین کا مسئلہ نہیں ہے۔ یہ بات اس وقت کہی گئی جب کہ ہزاروں مہاجرین ڈھاکہ اور دوسرے مقامات کے فٹ پاتھ پر زندگی بسر کر رہے تھے۔ مہاجر تاجروں کے مشرقی پاکستان میں دوکانیں کھولنے اور دوسرے کاروبار کو روکنے کے لئے ہر ممکن کوشش کی گئی۔

دنئی روشنی، کراچی۔ ۲۰ مارچ ۱۹۵۲ء

(۶) مذہبی نقطہ نگاہ سے بھی مشرقی پاکستان کا مسلمان، پاکستان کے دوسرے صوبوں کے مقابلہ میں کچھ آگے ہی رہے گا۔ انتہا یہ ہے کہ مشرقی پاکستان میں چورسب تک نماز عشاء پڑھ نہیں لیتا۔ چوری کے لئے نہیں نکلتا۔ اس قدر مذہبی جذبات کے باوجود بنگالی مسلمان

مہاجر مسلمان سے دور رہتا ہے۔ اور بنگالی ہندو سے قریب تر اور ہم پیالہ و ہم نوالہ رہتا ہے۔
(۷) مشرقی پاکستان مسلم لیگ نے کسی مہاجر امیدوار کو مشرقی بنگال اسمبلی کے لئے مسلم لیگ کا ٹکٹ نہیں دیا۔

(۸) ڈھاکہ یونیورسٹی کے پروفیسروں میں زیادہ تر بھارتی باشندے تھے۔ جو بھارت کے پاس پورٹ پر ڈھاکہ میں رہتے تھے

(۹) لسانی تعصب — ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی نے جو کہ پاکستان کے وزیر تعلیم رہ چکے ہیں وزیر ہونے سے پہلے ڈھاکہ یونیورسٹی کے شعبہ تاریخ کے صدر کی آسامی کے لئے درخواست دی تھی ڈاکٹر معظم حسین نے جو اس وقت وائس چانسلر تھے۔ ان کی درخواست مسترد کر دی۔ اور اس عہدہ پر ایک بھارتی ہندو کو مقرر کیا۔ کیونکہ ڈاکٹر حسین قریشی اردو بولتے تھے۔ اور اس بھارتی باشندہ کی زبان بنگلہ تھی۔

(۱۰) مہاجر زیادہ تر مسلم لیگی ہیں۔ اور اردو بولنے والے ہیں۔ انہوں نے زیادہ تر اپنے ووٹ مشرقی بنگال اسمبلی کے مسلم لیگ امیدواروں کو دیئے ہیں۔ اس لئے مہاجروں اور بنگالیوں میں جذبات نے فتنی اختیار کر لی۔ اور مہاجروں کے خلاف لسانی بنیادوں پر زہر پھیلا دیا گیا۔ مشرقی بنگال میں اردو بولنے والوں پر حملے کئے گئے۔ حالانکہ پاکستان اردو کے نام پر حاصل کیا گیا تھا۔

مسٹر احمد جعفر ممبر پاکستان پارلیمنٹ نے مسٹر فضل الحق کو ایک مار بجا ہوا تھا۔
"کہ نافرمانی پیرل کے مہاجر کارکنوں کو جس بے دردی سے ہٹا دیا گیا ہے۔ اس سے مغربی پاکستان میں غم و تشویش کی لہر دوڑ گئی ہے۔"

مشرقی بنگال میں فسادات کے متعلق مولانا بھاشانی نے ایک تقریر میں فرمایا تھا — مہاجر ہمارے بھائی ہیں — مہاجرین کو چاہیئے کہ وہ بھول جائیں کہ وہ مہاجر ہیں — مجھے امید ہے کہ مہاجر اس مطالبہ کی حمایت کریں کہ بنگالی کو پاکستان کی ایک سرکاری زبان بنایا جائے۔ جمہوریت کا تقاضا یہ ہے کہ اکثریت کی رائے کو تسلیم کیا جائے۔

آدم جی جوٹ ملز کا فساد

کرناٹکی کے فساد میں تیس چائیں تلف ہوئیں۔ نو ان گنچ میں آدم جی جوٹ ملز کے فساد میں پانچ سو سے زیادہ افراد ہلاک ہوئے۔ اور کئی سو افراد زخمی ہوئے۔

آدم جی جوٹ ملز میں مزدوروں کی تعداد	۱۰,۰۰۰ ہے
بنگالی مزدوروں کی تعداد	۸,۵۰۰ ہے
مہاجر مزدوروں کی تعداد	۲,۰۰۰ ہے

ان مہاجر مزدوروں میں ۱۰,۰۰۰ وہ مزدور ہیں جو کلکتہ ملز سے آئے تھے۔ اور باقی اڑیسہ اور بہار کے رہنے والے ہیں۔ آدم جی جوٹ ملز کے فساد میں ہلاک ہونے والوں اور زخمیوں میں زیادہ تعداد مہاجرین کی ہے۔ مشرقی بنگال کے مسلمانوں نے مہاجر عورتوں اور بچوں کو آگ میں جلا کر۔ صوبائی عصبیت اور بربریت کا نہایت ہی لڑہ خیز مظاہرہ کیا ہے۔ یہ کس قدر دردناک ہے کہ مسلمانوں نے مسلمانوں کو قتل کیا۔ مسلمان مہاجرین کے بھونپڑے جلائے۔ ان کے سامان کو لوٹا۔ ان کی عورتوں اور بچوں کے سفاکی کے ساتھ ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے گئے۔ کیا خیانت و سنگ دلی میں یہ حادثہ کر ہلاک کے دل گذار حادثہ سے کسی طرح کم ہے۔

مشرقی بنگال اور متروکہ اہلک کا قانون

مشرقی بنگال کے مسلمان لیڈروں نے مہارت نوازی اور ہندو دوستی کے سلسلہ میں متروکہ اہلک کے قانون کو مشرقی بنگال میں نافذ کرنے کی شروع سے سخت مخالفت کی۔ ان کا خیال تھا کہ اس قانون کا مشرقی بنگال پر اطلاق بنگال کے ہندوؤں کو ناراض کرنے کا سبب بنے گا۔ جسے وہ بمشکل

ہی پسند کرتے تھے۔ مشرقی بنگال کے مسلمان لیڈروں نے مشرقی بنگال میں مہاجرین کی آمد کو بھی پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھا۔ مشرقی بنگال کے لیڈروں کی بڑی تعداد اسی منفی ذہنیت پر چلتی رہی جس کی وجہ سے پاکستان کی مرکزی حکومت مشرقی بنگال میں متروکہ اٹاک کے ان قوانین کے نفاذ میں جو کہ مغربی پاکستان میں رائج تھے، پیچھا پاتی رہی۔

عجیب بات ہے کہ حکومت پاکستان اپنی سرحدوں کی سخت نگرانی کرتی ہے۔ پھر بھی ہر سال ۷ لاکھ گانٹھ پٹن، چاول اور سونا بھارت چلا جاتا ہے۔ جس سے ہر سال پاکستان کو چالیس کروڑ روپیہ کا نقصان ہوتا ہے۔

اخبار لندن ٹائمز کے نمائندے نے مشرقی بنگال کا دورہ کرنے کے بعد یہ اٹحاث کیا ہے کہ ۱۹۴۹ء سے لے کر اب تک مشرقی بنگال سے نین ارب مالیت کا سرمایہ بھارت منتقل ہو چکا ہے۔ جس سے پاکستان کو ہر سال چالیس کروڑ کا نقصان ہوتا ہے۔ متروکہ اٹاک کا قانون بھارت نے اپنے مشرق کے چند علاقوں کو چھوڑ کر باقی سارے بھارت میں نافذ کر دیا۔ لیکن پاکستان کی حکومت نے متروکہ اٹاک کے قانون کو صرف مغربی پاکستان تک محدود رکھا۔ مشرقی بنگال میں ۸۰ فیصدی جائداد مہذوؤں کے قبضہ میں تھی جو اگر متروکہ جائداد کے قوانین کی زد میں آجاتی تو بھارت کو نقصان ہوتا۔ متروکہ اٹاک کے متنازعہ کے سلسلہ میں شروع سے ہندوستان کا یہ موقف رہا کہ وہ مسلمانوں کی اٹاک کی قیمت کو مہذوؤں کی اٹاک کے مقابل کم بتاتا رہا۔ اور تین ارب روپیہ کی زیادتی فرض کر کے پاکستان سے مطالبہ کرتا رہا کہ تین ارب روپیہ بھارت کو ادا کرے۔ یہ طور فرض اس مطالبہ کو صحیح مان لیا جائے۔ تو مشرقی بنگال کا یہ متروکہ سرمایہ جس میں سے نین ارب کے لگ بھگ بھارت چا چکا ہے۔ اگر ناچاراً طور پر بھارت نہ چلا جاتا۔ تو یہ بھارت کے اس مطالبہ کے بھیک بردار ہوتا

پاکستان میں مہاجرین کی تعداد اور آباد کاری

۱۹۵۱ء کی مردم شماری کے مطابق مہاجرین کی تعداد اکہتر لاکھ پچاس ہزار (۱,۵۰,۰۰۰) ہے۔ یعنی تمام آبادی کا ۴.۹ فیصدی۔ جولائی ۱۹۵۲ء تک مہاجرین کی تعداد ۲ لاکھ سے دو پہنچ گئی ہے۔ صوبوں کے لحاظ سے مہاجرین کی سب سے زیادہ تعداد پنجاب میں ہے۔ صوبہ پنجاب کی تمام آبادی کے تناسب سے مہاجرین کا تناسب ۲۶ فیصدی ہے اور آبادی (۲,۱۸,۸۲,۰۰۰) ۴۸ لاکھ۔ بیاسی ہزار ہے۔

شہروں کے لحاظ سے مہاجرین کی سب سے بڑی تعداد کراچی میں ہے۔ یعنی شہر کی آبادی کا ۴۸ فیصدی۔ کراچی میں مہاجرین کی آبادی پانچ لاکھ - ۴۳ ہزار (۵,۴۳,۰۰۰) ہے۔ تمام پاکستان میں صرف صوبہ سرحد کا آزاد علاقہ ہی ایک ایسی جگہ ہے۔ جہاں کوئی مہاجر آباد نہیں ہے۔ مہاجرین کی تعداد اور تناسب آبادی :-

مشرقی پاکستان - سات لاکھ - دس ہزار - (۷,۱۰,۰۰۰) یعنی ۷.۱ فیصدی

سندھ - پانچ لاکھ - ۴۵ ہزار (۵,۴۵,۰۰۰) یعنی ۱۲.۶ فیصدی

بھادپور - تین لاکھ - ۱۱ ہزار (۳,۱۱,۰۰۰) یعنی ۲۰.۶ فیصدی

صوبہ سرحد - اکیاون ہزار - یعنی ۱۷.۴ فیصدی

بلوچستان - ۶ ہزار - یعنی ۴.۷ فیصدی

ریاست خیبر پور - گیارہ ہزار - یعنی ۳.۴ فیصدی

بلوچستان کی ریاستیں - ایک ہزار یعنی ۲ فیصدی

مہاجر پاکستان میں داخل ہونے کے بعد ایک جگہ قیام کا انتظام نہیں کرتے۔ بلکہ ایک جگہ سے دوسری جگہ اور ایک صوبے سے دوسرے صوبہ میں گھومتے پھرتے ہیں۔ ان کی اس

سیما کی حالت کی وجہ سے صحیح اعداد و شمار کا جمع کرنا ایک مشکل کام تھا۔ ۲۸ فروری ۱۹۵۲ء کو مغربی پاکستان کے مہاجرین کی صحیح مردم شماری کا انتظام کیا گیا تھا۔ اس کے مطابق مغربی پاکستان ۲۸ فروری تک ۶۴ لاکھ - ۴۹ ہزار مہاجر داخل ہوئے۔

یہ اندازہ کیا گیا ہے کہ ۲۸ فروری ۱۹۵۲ء سے ۳۱ مارچ ۱۹۵۲ء تک ایک لاکھ ۴۳ ہزار سات سو ساٹھ (۱,۷۳,۰۶۰) مزید مہاجر مغربی پاکستان کے مختلف صوبوں میں جا کر آباد ہو گئے۔ اس لئے مغربی پاکستان میں ۳۱ مارچ ۱۹۵۲ء تک مہاجرین کی آبادی چھ لاکھ بائیس ہزار چھ سو ستر (۱,۷۳,۶۲۷) تھی۔ اس تعداد میں کشمیر کے ۴ لاکھ مہاجر شامل نہیں ہیں۔ اس مردم شماری کی رپورٹ سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ کراچی کی گیارہ لاکھ، اتر تالیس ہزار (۱,۴۸,۰۰۰) آبادی میں پانچ لاکھ تیرا تالیس ہزار (۱,۴۳,۰۰۰) مہاجر کی آبادی ہے۔ کراچی میں مہاجرین کی آبادی روزانہ بڑھ رہی ہے۔ اور تمام پاکستان میں یہی ایک ایراشہر ہے جو کہ مہاجروں کے لئے بڑی کشش رکھتا ہے۔ تجزیہ کے مطابق ۳۱ مارچ ۱۹۵۲ء تک کراچی کے مہاجرین میں ستاسی ہزار (۸۶,۰۰۰) کا اور اضافہ ہو گیا ہے۔ اس لئے ۳۱ مارچ ۱۹۵۲ء تک کراچی کے مہاجرین کی تعداد چھ لاکھ تیس ہزار (۶,۳۳,۰۰۰) تک پہنچ گئی ہے۔

مشرقی پاکستان کے مہاجروں کے اعداد و شمار ابھی تک تیار نہیں کئے گئے ہیں جہاں تک ہماری معلومات کا تعلق ہے۔ مرکزی حکومت نے ابھی تک کوئی ایسی رپورٹ شائع نہیں کی ہے جس سے عوام کو یہ اندازہ ہو سکے کہ مہاجرین کی آباد کاری کا مسئلہ کہاں تک حل ہو چکا ہے۔ اس کام پر مرکزی حکومت اور صوبوں کی حکومتیں بڑی بڑی قہمیں صرف کر رہی ہیں۔ ہم یہ جانا چاہتے ہیں کہ آباد کاری کے لئے اب تک کتنا روپیہ گورنمنٹ نے منظور کیا ہے، کتنا روپیہ واقعی صرف ہو چکا ہے۔ اور کتنا روپیہ صرف کرنا باقی ہے اس میں کتنی کامیابی ہوئی ہے۔ اور کتنا کام کرنا باقی ہے۔ مہاجرین کی آباد کاری کا مسئلہ مغربی پاکستان میں بہت زیادہ وسیع مسئلہ ہے۔ مشرقی پاکستان میں مہاجرین کے

مسئلہ کی دوسری نوعیت ہے۔ جس کے اعداد و شمار ابھی تک عوام کو نہیں مل سکے ہیں۔“

پاکستان پارلیمنٹ میں وزیر مہاجرین و آباد کاری ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی نے فرمایا کہ پاکستان میں دسمبر ۱۹۵۲ء تک بھارت سے ۸ لاکھ مہاجر آئے ہیں۔ مغربی پاکستان میں دسمبر ۱۹۵۲ء تک ۶۶ لاکھ سے زیادہ مہاجر آچکے ہیں۔ اس عرصہ میں بارہ لاکھ۔ ۷ ہزار مہاجر مشرقی پاکستان میں آئے۔ لیکن وہاں کی آباد کاری کے متعلق اعداد و شمار دستیاب نہیں ہو سکے۔ بہر صورت اعداد و شمار بتاتے ہوئے وزیر مہاجرین نے کہا کہ پنجاب میں ۹ لاکھ سندھ میں چھ لاکھ۔ ۲۰ ہزار۔ صوبہ سرحد میں ۶۰ ہزار۔ بلوچستان میں ۳۰ ہزار بہاولپور میں تین لاکھ ۱۱ ہزار۔ خیبر پور میں گیارہ ہزار اور کراچی میں ۶ لاکھ۔ ۹ ہزار سات سو مہاجرین آئے مغربی پاکستان میں اس وقت مہاجرین کی تعداد ۸۰ لاکھ سے اوپر ہے۔

مغربی پاکستان سے ۵۵ لاکھ۔ نوٹے ہزار غیر مسلم بھارت چلے گئے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ مہاجر ۲۵ لاکھ سے زائد آئے۔ مشرقی پنجاب اور مشرقی پنجاب کی ریاستوں میں مردم شماری کے اعداد و شمار کے مطابق ۵۹ لاکھ۔ ۳۵ ہزار مسلمان آباد تھے۔ ان میں سے ۵۱ لاکھ۔ ۹۳ ہزار مسلمان مہاجرین مغربی پنجاب میں آئے۔ ۲ لاکھ ۷ ہزار مسلمان اس وقت مشرقی پنجاب میں یا تو مرتد ہو چکے ہیں۔ یا مسلمان کی حیثیت سے موجود ہیں اس لحاظ سے ۴ لاکھ ۷۲ ہزار مسلمان اس علاقہ سے لاپتہ ہیں۔

مشرق قی پنجاب، پٹیہو، اور بہاولپور دیش میں اب بھی تین لاکھ مسلمان آباد ہیں جبر قی کی حالت میں مرتد ہونے والے مسلمان دوبارہ اسلام پر لائے گئے ہیں۔ یہ ۱۹۴۷ء سے پہلے کے مسلمان ہیں۔ جو اب بھی مسلمان ہیں۔ ۱۴,۰۰,۰۰۰ مشرق قی پنجاب کے شہری تروں مشرق قی پنجاب کی ریاستوں کے شہر اور دہلی شہر سے مغربی پنجاب میں آئے۔ چار لاکھ مہاجر مغربی پنجاب سے دوسرے صوبوں میں بھیجے گئے۔

ریاست بھاولپور میں ۳ لاکھ مہاجر آباد کئے گئے۔ ان میں زیادہ تر مغربی پنجاب کے مہاجر ہیں
مشرقی پاکستان میں ۳ لاکھ مہاجر آئے جن کی حالت بہت خراب ہے۔ ان
میں ۳ لاکھ مہاجر بن مغربی بنگال، آسام اور ملحقہ علاقوں کے بھی شامل ہیں۔

قیدیوں کے تبادلے

بین المملکتی معاہدوں میں ایک فیصلہ۔ پاکستان اور بھارت کے درمیان قیدیوں کے
تبادلوں کے متعلق تھا۔ دسمبر ۱۹۴۸ء میں دونوں ملکوں کے قیدیوں کے تبادلے مکمل ہو
گئے۔ اس تبادلہ میں ہندوستان سے ۸۹۱ مسلمان قیدی پاکستان آئے۔ اور پاکستان
سے ایک ہزار ۵۳۱ غیر مسلم قیدیوں کو ہندوستان کے حوالہ کیا۔ دسمبر ۱۹۴۸ء میں
دہلی کانفرنس نے ان پاگلوں کے متعلق بھی فیصلہ کیا۔ جو پاکستان اور ہندوستان کے پاگل خانوں میں تھے۔

کراچی

۱۹۵۲ء کی مردم شماری کے مطابق پاکستان میں سب سے زیادہ گھنی آبادی
کا علاقہ کراچی ہے۔ جہاں فی مربع میل ۸۷۳ آبادی ہے۔

اپریل ۱۹۵۲ء تک کراچی کا انتظام ایڈمنسٹریٹر کے سپرد رہا۔ اس کے بعد سے اسے
چیف کمشنر کا صوبہ بنا دیا گیا۔ ۲۴ اکتوبر ۱۹۵۹ء سے کراچی کا علاقہ مغربی پاکستان کی
ایک وحدت میں شامل کر دیا گیا ہے۔

منسٹر شعیب قریشی نے پارلیمنٹ میں بتلایا۔

(۱) کراچی میں اب تک تین لاکھ مہاجر غیر آباد پڑے ہیں۔

(۲) کراچی میں اب تک مہاجروں کی آباد کاری پر ایک کروڑ چالیس لاکھ ۹۵ ہزار

۹۸ روپیہ کی رقم خرچ کی جا چکی ہے۔

(۳) مغربی پاکستان میں پہونچنے والے مہاجروں کے لئے نہ تو خاص انتظام کیا جاتا ہے

اور نہ کیا جاسکتا ہے۔

(۴) تقسیم کے بعد ان خود کراچی آنے والے مہاجرین کی تعداد ہزار لاکھ ہے۔

سندھ | سندھ گورنمنٹ حیدر آباد۔ میرپور خاص اور نواب شاہ کے قریب تین نواحی بستیاں آباد کر رہی ہے۔ ان شہروں کی تعمیر کے لئے مرکزی

حکومت نے تقریباً نوے لاکھ - ۸۰ ہزار روپیہ منظور کیا ہے۔ حیدر آباد کے نواح میں ایک بستی لطیف آباد کے نام سے بسائی گئی ہے۔ وزیر مہاجرین مسٹر شعیب قریشی نے ۱۴ ستمبر ۱۹۴۷ء کو حیدر آباد میں ایک تقریر میں فرمایا تھا: "لطیف آباد کی بستی - یہ سمندر سے ایک قطرہ کے برابر کی حیثیت بھی نہیں رکھتی۔ حیدر آباد کے فٹ پاتھوں پر انہی ہزار مہاجرین پڑے ہوئے ہیں۔"

ریاست خیبر پورہ | ریاست خیبر پورہ سے تقریباً ۴۸ ہزار ہندو ترک وطن کر کے ہندوستان چلے گئے ہیں۔ انہوں نے تقریباً ۳۹ ہزار ایکڑ زمین اور باغات چھوڑے

تھے۔ لیکن اب تک صرف دس ہزار مہاجرین کو آباد کیا گیا ہے۔

بلوچستان | بلوچستان سے ۶۶ ہزار غیر مسلم بھارت گئے۔ کوئٹہ میں ۱۵ ہزار مہاجرین اور باقی علاقوں میں بنے والے مہاجرین ۱۵ ہزار ہیں۔

صوبہ سندھ | ۱۹۴۷ء میں دو لاکھ - ۶۹ ہزار غیر مسلم صوبہ سرحد سے بھارت چلے گئے۔ صوبہ سرحد میں تجارتی کاروبار زیادہ تر غیر مسلموں کے ہاتھ میں تھا۔ تقسیم ہند کے

فوراً بعد - جب کہ غیر مسلموں کے چلے جانے کے بعد خلا پیدا ہو گیا تھا، - مقامی باشندوں کی ہمت افزائی کی گئی۔ کہ وہ ان چھوڑی ہوئی تجارتوں کو اپنے ہاتھوں میں لے لیں۔ یہ اس وقت کیا گیا۔ جب کہ مہاجرین صوبہ سرحد میں نہیں آئے تھے۔ اس لئے زیادہ تر متروک جائیدادیں انہی مقامی لوگوں کو آلات کر دی گئیں۔ تاکہ وہ ان تجارتوں کو چلا سکیں۔

مہاجرین ۱۹۴۷ء میں صوبہ سرحد میں آنے شروع ہوئے۔ تب یہ سوال پیدا ہوا کہ ان مقامی لوگوں کو متروک جائیدادوں سے بے دخل کیا جائے یا نہیں۔ ۲۶ اپریل کو صوبہ سرحد کی

نرائن گنج کے نزدیک ایک مصنائی شہر مکمل ہو گیا ہے۔ اور میرپور کے نزدیک ایک مصنائی شہر بن چکا ہے۔

مہاجرین کی واپسی | چار برس میں ۱۹۴۵ء تا ۱۹۴۷ء مسلمان مہاجر بھارت واپس آ گئے۔ ۸ اپریل ۱۹۵۰ء کو دونوں ممالک کے وزرائے اعظم میں جو معاہدہ ہوا تھا، اس معاہدہ کے تحت ۱۲۵۰۰ مہاجرین نے ہندوستان واپس جانے کے لئے درخواست دی تھی۔ گزشتہ چار برسوں میں اس معاہدہ کے مطابق بھارت نے ۲۳،۹۴۵ مہاجرین کو واپس لے لیا ہے۔

۱۳ مہاجر مسلمان مغربی پاکستان سے یوپی میں واپس آ گئے ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ پنجاب میں انہیں ناخواندہ مہمان سمجھا جاتا تھا۔ اور دروازے کیپوں میں ڈال دیا تھا۔ ان مہاجرین میں سے اکثر پھٹے پرانے کپڑے پہنے تھے۔ اور کہہ رہے تھے کہ رداگی سے کھوڑی حیدر پہلے مسلم لیگی کارکنوں نے انہیں نئے کپڑے پیش کئے۔ لیکن انہوں نے چلتے وقت کی اس خیرات کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

ضلع میرٹھ میں ۳۱ مارچ ۱۹۵۴ء تک پاکستان سے صرف ۱۷۸۸۔ اشخاص واپس آئے ہیں۔ جو لوگ پاکستان سے آ رہے ہیں۔ ان میں ۶۵ خاندان ضلع میرٹھ کے ہیں۔ جو لوگ میرٹھ واپس آ رہے ہیں۔ ان میں زیادہ تر بنگریں۔ کچھ پنجابی بنانے والے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ حکومت پاکستان ان کو آباد نہیں کر سکی۔

مسٹر جو اہر لال ہنر و بھارتی وزیر اعظم نے پارلیمنٹ میں بتایا کہ اب تک ۸۹۔۲۵ مسلمان مہاجر جو یوپی سے لغایت مئی ۱۹۵۰ء میں پاکستان چلے گئے تھے۔ اتر پردیش واپس وطن میں واپس آ گئے ہیں۔

پاکستان پارلیمنٹ میں وزیر مہاجرین مسٹر شعیب قریشی نے یہ انکشاف کیا کہ گزشتہ

سال ۱۹۷۸ء مہاجر واپس گئے، لیکن ۲۱،۷۵ پھر واپس پاکستان چلے آئے۔ کیونکہ انہیں بھارت میں ان کی زمینیں واپس نہیں دی گئیں۔

اخباروں میں یہ رپورٹ شائع ہوئی ہے کہ چار برس میں ۶۳۵۹ مسلمان مہاجر مغربی پاکستان سے اترپردیش (بھارت) میں واپس چلے گئے ہیں۔ یہ صحیح نہیں ہے۔

وزیر مہاجرین مسٹر شعیب قریشی نے بتلایا کہ کھوکھرا پار کی سرحد کبھی کھلی ہوئی نہیں ہے لیکن مہاجرین کی آمد کا سلسلہ جاری ہے۔ حالانکہ گورنمنٹ بھارت اور پاکستان کے درمیان یہ معاہدہ ہے کہ خواہ کوئی ہو، اگر بغیر پرمٹ یا پاسپورٹ کے پاکستان میں داخل ہوگا۔ اس سے بھارت کو واپس لینا ہوگا۔

نائب وزیر خارجہ مسٹر اسے کے چندا نے آج لوک سمجھا میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے انکشاف کیا کہ یو۔ پی سے جو مسلمان کیم فروری اور ۳۱ مئی ۱۹۵۷ء کے درمیان مغربی پاکستان چلے گئے ہیں، ان میں سے ۲۵۰۸۹ ہندو یات معاہدہ کے تحت واپس آجائیں گے ان کے علاوہ قریب دس ہزار مسلمانوں کے متعلق حکومت یو پی کو ابھی تصدیق کرنا باقی ہے مسٹر چندا نے بتلایا کہ یہ بتانا مشکل ہے کہ ابھی کتنے ایسے مسلمان پاکستان میں ہیں جو قائد کی رو سے ہندوستان آنے کے مستحق ہیں۔ ان لوگوں کے متعلق حکومت پاکستان کو ایک فہرست تیار کر کے ہندوستان کو دینی چاہیے تھی، لیکن ابھی تک یہ فہرست نہیں دی گئی ہے۔

آباد کاری حکومت پاکستان ملک میں مہاجرین کی آباد کاری پر اب تک ۳۳۴ کروڑ ۳۴ لاکھ روپے صرف کر چکی ہے۔ اس کے علاوہ مرکزی حکومت نے مشرقی بنگال، پنجاب اور سندھ کی حکومتوں کو ان صوبوں کی آباد کاری کے لئے ۳۳ کروڑ ۳۴ لاکھ کی رقم دی

۱۔ اخبار ڈان (انگریزی) ۸ اپریل ۱۹۵۷ء ۲۔ ڈان - ۲۱ اپریل ۱۹۵۷ء ۳۔ اخبار مدینہ بخنور
یو۔ پی - ۱۳ دسمبر ۱۹۵۷ء، نئی دہلی ۴ دسمبر ۱۹۵۷ء - ۵۔ ڈان - ۴ مارچ ۱۹۵۳ء

ہے۔ گزشتہ ڈھائی سال کے عرصہ میں ۴۰ کروڑ ۶۵ لاکھ روپیہ کی رقم مہاجر ٹیکس سے وصول ہوئی۔ پارلیمنٹ میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے ممبر شعیب قریشی نے بتایا۔ کہ مرکزی حکومت ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء سے لے کر اکتوبر ۱۹۵۳ء تک صوبائی حکومتوں کو مہاجرین کی آباد کاری کے لئے دس کروڑ روپیہ دے چکی ہے جس کی تفصیل یہ ہے۔

- (۱) پنجاب — ۴ کروڑ ۶۶ لاکھ روپیہ — جس میں سے ایک کروڑ ۴۱ لاکھ روپیہ خرچ ہو چکا ہے
 - (۲) سندھ — ایک کروڑ ۶۵ لاکھ روپیہ — جس میں سے ۴ لاکھ روپیہ خرچ ہو چکا ہے۔
 - (۳) صوبہ سرحد — ۵ لاکھ روپیہ — جس میں سے ۸ لاکھ ۲۵ ہزار روپیہ خرچ ہو چکا ہے
 - (۴) بلوچستان — ۱۰ لاکھ روپیہ — جس میں سے ایک لاکھ ۴۶ ہزار روپیہ خرچ ہو چکا ہے
 - (۵) کراچی — ۳ کروڑ روپیہ — جس میں سے ۹ لاکھ ۸۳ ہزار روپیہ خرچ ہو چکا ہے۔
 - (۶) مشرقی پاکستان — ایک کروڑ ۵۰ لاکھ روپیہ — جس میں سے ایک کروڑ ۴۴ لاکھ روپیہ خرچ ہو چکا ہے
- سوال یہ ہے۔ کہ باقی روپیہ کہاں گیا۔ اور مرکزی حکومت نے کیوں خاموشی اختیار کی؟

مہاجر کاشتکار مغربی پاکستان میں مہاجر آئے۔ ان میں کاشتکار طبقہ کی اکثریت ہے۔ ان کی تعداد تقریباً ۴۶ لاکھ ہے۔ پنجاب میں ۳۹ لاکھ۔ سندھ میں

۲۸۴۰۰۰۔ بہاولپور میں ۳۱۶۰۰۰۔ صوبہ سرحد میں ۱۱۳۱۲۰ کاشتکار آچکے ہیں۔ انہیں ابتدا میں عارضی الاٹمنٹ دیئے گئے تھے۔ گزارہ کا بھتہ بھی دیا گیا تھا۔ تقاوی کا قرضہ اور دیگر آسانیاں بہم پہنچائی گئی تھیں۔ ان کاشتکاروں کی آباد کاری گزارہ اور تقاوی پر اندازاً صوبوں کی حکومتوں نے آٹھ کروڑ روپیہ سے زیادہ رقم صرف کی ہے۔

مشرقی پاکستان میں کاشتکار مہاجرین کی آباد کاری کا مسئلہ — مغربی پاکستان کی نسبت بہت مشکل ہے۔ کیونکہ وہاں مسترد کردہ اراضی نہیں ہے۔ مشرقی پاکستان میں آراضی کی بہت زیادہ قلت ہے۔ قابل کاشت زمین کا آسانی سے ملنا بہت وقت طلب مسئلہ ہے۔ پاکستان

کی حکومت نے ۲۸،۷۰۵ کاشت کار خاندانوں کی آبادکاری کے لئے مالی اعداد دی ہے۔
 چونکہ مسلمان کاشتکار مہاجرین کی تعداد ہندو تارکان وطن کاشتکاروں سے بہت زیادہ ہے۔ اس لئے صوبوں کی حکومتیں نئی زمینوں کو قابل کاشت بنانے کی کوشش کر رہی ہیں پنجاب کی حکومت تھل کے علاقہ میں پچاس لاکھ ایکڑ زمین کو قابل کاشت بنانے کی اسکیم جاری کر چکی ہے تھل اسکیم کے مطابق ہاشمہر اور ۱۰۰۰ مواصلات آباد کئے جائیں گے۔ ۴۹۳۳ ایکڑ زمین باغات، فارم وغیرہ کے لئے علیحدہ کر دی گئی ہے۔ ۳۰۰۰۰۰ (تین لاکھ) ایکڑ زمین کاشت کے لئے رکھی گئی ہے اور اب تک ۵۵،۰۰۰ مہاجر آباد ہو چکے ہیں۔ یہاں الاٹمنٹ کی شرط یہ ہے کہ ہر ایک کو زمین خود کاشت کرنی پڑے گی۔ ۱۵۰ ایکڑ فی کس کے حساب سے زمین دی جاتی ہے۔

سندھ گورنمنٹ نے بھی ایک اسکیم تیار کی ہے۔ بھڑار کر کے علاقہ سانگھڑ میں ایک لاکھ ایکڑ زمین پر ۵۰۰۰ خاندان آباد کئے جائیں گے۔ اور بنجر زمین قابل کاشت بنائی جائے گی۔ تقریباً ۲۱۲۰۰۰ (اکیس لاکھ بیس ہزار) مہاجر جو کہ شمیری رقبہ میں ہیں۔ ان کی آبادکاری کا مسئلہ بہت پیچیدہ اور مشکل ہے۔ ان کی ابتدائی ضروریات یہ ہیں۔ ۱۱۰ روپے کے لئے مکانات (۲۰) روزگار

رہا مکان کا مسئلہ۔ چونکہ مسلمان پناہ گزین کی تعداد ہندو تارکان وطن سے زیادہ ہے۔ اس لئے ایک ایک مکان میں رہنے والوں کی تعداد خیال کی حدود سے باہر ہے۔ اس کے علاوہ کثیر تعداد میں مہاجرین، جھونپڑیوں، فٹ پاتھ، اور کھلی بوٹی جگہوں میں پڑے ہوئے ہیں۔ کراچی میں خاص طور پر یہ حالت ہے۔

پاکستان میں ہندو اور سکھ اتنی جائداد چھوڑ گئے ہیں کہ تمام مہاجرین آباد ہو سکتے تھے۔ لیکن ان جائدادوں پر مقامی حضرات نے قبضہ کر لیا۔ اور لالچ میں آکر بڑے بڑے لوگوں اور زائدوں کے پاؤں پھسل گئے۔ — (تقریر سرور عبدالرب نشتر)

”کے علم نہیں ہے کہ صوبہ سرحد میں آباد کاری اور بحالی کا کوئی کام نہیں ہوا ہے۔ سندھ میں آج بھی دو تین سال سے زرعی زمین پر آباد مہاجروں کو زمینوں سے بے دخل کیا جا رہا ہے۔ حیرت کا مقام ہے۔ کہ سندھ اور کوچی کے علاقہ میں زرعی اور شہری جائیدادوں کے صحیح دیکارڈ تک نہیں۔ ایسا سمجھ لیا گیا ہے۔ کہ یہ مقررہ جائیدادیں پاکستان کی دولت نہیں ہیں۔ انہیں جس طرح بھی ممکن ہو۔ برباد کیا جائے۔ اسے مہاجر دشمنی نہیں۔ بلکہ ملک و قوم سے غداری کے برابر سمجھا جاسیٹے۔ تقسیم ہند کے بعد سے لاکھوں ایکڑ زمین جس پر کاشت ہوتی تھی۔ غیر سرزروعہ پڑی ہوئی ہے اور کاغذات میں غیر آباد دکھائی دے رہی ہے۔ تاکہ مہاجرین کو الاٹ نہ کی جاسکے“

(مسٹر احمد جعفر کا خطبہ استقبال پر)

حکومت پاکستان کے ۱۰۵۴۹ اعلیٰ افسران جنہوں نے اپنے مکانات بنانے کے لئے حکومت سے قرض لیا تھا۔ شاندار کوٹھیاں بنا کر انہیں کراپ پر چلا رہے ہیں۔ اور کم کرایہ والے سرکاری کوارٹروں میں مقیم ہیں۔ ان اعلیٰ افسران میں ایک جو انٹ سیکریٹری۔ ۵ ڈپٹی سیکریٹری اور ۴ ایسے افسران بھی شامل ہیں۔ جن کی مالا مال تنخواہ تین سو سے لے کر ۱۲۵۰ روپیہ تک ہے یہ لوگ علی الاعلان حکومت سے تحریوی وعدہ کرنے کے بعد فریب دہی کے مجرم پائے گئے ہیں۔ — ان افسران سے سرکاری مکانات واپس لے گئے ہیں (جنگ ۲ دسمبر ۱۹۵۵ء)

دنیا کی سب سے بڑی ہجرت

قائد اعظم محمد علی جناح نے فرمایا:-

"تقسیم کے بعد جو اقلیتیں پاکستان و بھارت میں رہ جائیں گی وہ اپنے وطن کے وفادار کی حیثیت سے آئینی طور پر امن پسندانہ زندگی بسر کر سکیں گی۔"

ہر مسلمان کا یہ خیال تھا کہ بھارت میں مذہب و ملت کی بنا پر کوئی امتیازی سلوک روا نہ رکھا جائے گا۔ اور دونوں ممالک میں اقلیت کو وہی وطنی حقوق حاصل ہوں گے جو کہ اکثریت کو حاصل ہیں۔ لیکن اس کے بالکل برعکس بھارت کے مسلمانوں کی آہ و بکا کا بیرونی دنیا تک پہنچنا ناممکن بنا دیا گیا تھا۔ کیونکہ بھارت کی حکومت نے اپنے مظالم پر پردہ ڈالنے کے لئے لادینی حکومت کی فریب و ریا کاری کا ایک بڑا طلسم بنا کر کھڑا کر دیا تھا۔

ہندوستان کے مسلمانوں کی یہ عاقبت نااندیشی اور قدام خیزالی تھی۔ تقسیم سے قبل بہار، کلکتہ، بمبئی، دہلی اور گڑھ مکتیشر میں جو فسادات ہو چکے تھے۔ وہ اس طرف اشارہ کر رہے تھے کہ عین تقسیم کے وقت اور اس کے فوراً بعد مسلمانان ہند پر مصائب اور تباہی کے پہاڑ ٹوٹنے والے ہیں۔ لیکن ہم نے نہ تو ماضی سے کچھ سبق حاصل کیا۔ اور نہ مستقبل قریب کے آنے والے طوفان کا اندازہ کیا۔

ہندوستان کے مسلمانوں کو مسلم لیگ کی رہنمائی پر زبردست اعتماد تھا۔ تقسیم ہند کے بعد قائد اعظم اور یاقوت علی خان تو پاکستان آ گئے تھے۔ اور بھارت کے مسلمان ان دونوں قابل اور مخلص رہنماؤں کی قیادت سے محروم ہو چکے تھے۔ اب مسلم لیگ بھی ہندوستان کی طرح دو حصوں میں بٹ گئی تھی۔ بھارت کی مسلم لیگ۔ اور پاکستان کی مسلم لیگ۔ دو مختلف جماعتیں بن گئی تھیں۔ بھارت کے مسلمانوں کی رہنمائی کی ذمہ داری کا بار گران اب بھارت مسلم لیگ

کے رہنماؤں کے کندھوں پر تھا۔ آل انڈیا مسلم لیگ کے مشہور اراکین زیادہ تر یوپی کے تھے۔ بھارت کی حکومت ابتدا میں مسلمانوں پر ہاتھ دالتے ہوئے ڈرتی تھی۔ اور یہ سمجھتی تھی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مسلم لیگ کی آواز پر بھارت کے مسلمان راست اقدام کا اعلان کر بیٹھیں بھارت کے مسلمان بڑی سے بڑی قربانی سے دریغ نہ کرتے۔ بس بھارت کو مسلم لیگ کے فیصلہ کا انتظار تھا۔ یوپی مسلم لیگ کے تقریباً تمام ذمہ دار اراکین۔ جو کہ تقسیم سے قبل جہاد کے نعرے بلند کیا کرتے۔ اور اشتعال انگیز تقریروں سے مسلمانوں کے دل گرایا کرتے تھے۔ بھارت کے مسلمانوں کو بے کسی کی حالت میں چھوڑ کر بڑی خاموشی کے ساتھ بھارت سے پاکستان چلے گئے۔ اس خبر سے مسلمانوں پر مایوسی کی بجلی گر پڑی۔ مہتیں پست ہو گئیں۔ اور بھارتی حکومت نے مسلمانوں کی بے بسی کا صحیح اندازہ کر لیا بھارت کی حکومت نے اور حکومت کے اشارہ سے اکثریت نے تمام مسلمانوں کو ظلم و ستم کا نشانہ بنانا شروع کر دیا تھا۔ قتل و غارت گری، عصمت دری اور قید و بند کی مصیبتیں مسلمانوں کے لئے عام ہو گئی تھیں۔ ان بے پناہ مظالم سے تنگ کر عام مسلمانوں نے ہجرت کا سلسلہ شروع کیا تھا۔

حضرت شیخ سے قبل پُرانے زمانہ میں ایک مروج آگاہ۔ کفوشس۔ ملک چین میں گزرا ہے۔ ایک مرتبہ وہ اپنے چند شاگردوں کے ہمراہ سفر میں تھا۔ ایک جنگل میں لپ ٹرک اس نے ایک عورت کو درد انگیز لہجہ میں گریہ و زاری کرتے دیکھا۔ اور ایک شاگرد کو عورت کے پاس بھیج کر رونے کا سبب دریافت کیا۔ عورت نے جواب دیا کہ اس جگہ میرے شوہر اور خاندان کو ایک شیر نے ہلاک کیا تھا۔ اور اب میرے بیٹے کو بھی ہلاک کر دیا ہے۔ اس پر اُس عورت سے سوال کیا گیا کہ پھر تم یہاں سے کیوں نہیں چلی جاتیں۔ اس نے جواب دیا کہ اس لئے کہ یہاں ظالم کی حکومت نہیں ہے۔ یہ سنتے ہی کفوشس نے شاگردوں سے کہا۔ صاحبزادو اس بات کو کو یاد رکھنا۔ کہ ظالم کی حکومت شیر سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔

بھارت کی حکومت مسلمانوں کے لئے ظالم کی حکومت بن گئی تھی۔ اور اب بھی ہے۔ اس لئے مسلمان بھارت سے پاکستان میں ہجرت کے لئے مجبور ہو گئے تھے۔ اور ہجرت کا سلسلہ اب تک جاری ہے۔ حالانکہ وہ جانتے تھے کہ سرزمین پاکستان ان کے لئے پھولوں کی سیج نہیں ہے۔ بلکہ کانٹوں کا بستر ہے۔

جب کسی سرزمین پر ظلم و ستم اپنی انتہا کو پہنچ جاتے ہیں۔ تو مظلوم تو ہیں وہاں سے ہجرت پر مجبور ہو جاتی ہیں۔ ہر زمانہ کی ہجرت کی داستانیں آپ کو مقدس کتابوں اور تاریخوں میں مل سکتی ہیں۔

دنیا نے اسلام میں سب سے پہلی ہجرت ۶۲۲ء میں ہمارے آقا اور ہمارے سردار حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار کی تھی۔ مکہ سے جو لوگ ہجرت کر کے حضور اکرم کے ہمراہ مدینہ گئے تھے ان کو ”مہاجر“ کہتے ہیں۔ یہ غریب لوگ تھے۔ اور افلاس و ناداری کے عالم میں پہنچے تھے۔ ان میں جو امیر تھے۔ وہ بھی مکہ سے چھپ کر آئے تھے۔ اور اپنے ساتھ کچھ نہ لاسکے تھے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ والوں کو جنہیں انصار کہتے ہیں جمع کیا۔ پھر ایک مہاجر اور ایک انصار کو بلاتے اور فرماتے — تم دونوں بھائی بھائی ہو۔ انصار نے مہاجروں کو لے جا کر اپنے اپنے گھر کی آدھی چیزیں بانٹ دیں۔ انصار کا شکریہ ادا کیا۔ ان کی کھیتیاں ان کے باغ تھے۔ مہاجر سوداگر تھے۔ ان کو کھیتی نہیں آتی تھی۔ انصار کھیتی کا کل کام کرتے۔ اور آدھی پیداوار اپنے مہاجر بھائی کو بانٹ دیتے۔ یہاں تک کہ بعض افراد نے جن کی دیویاں تھیں۔ ایک بابی کو طلاق دیکر اپنے مہاجر بھائی سے شادی کر لی۔“

۱۹۴۷ء کی تحریک ترک موالات کے زمانہ میں ترک ملازمت کے ساتھ ساتھ ہجرت کا بھی اعلان کر دیا تھا۔ ہندوستان کے مسلمانوں کی یہ پہلی ہجرت تھی۔ سرحد، پنجاب اور سندھ کے مسلمانوں نے مذہبی جوش میں اپنی تمام جائیدادیں معمولی قیمتوں پر فروخت کر دی تھیں۔ اور سرزمین ہند (یعنی موجودہ پاکستان) — سے ہجرت کر کے افغانستان چلے گئے تھے۔ وہاں پہنچ کر ان مہاجروں کو بے انتہا تکلیفوں سے مقابلہ کرنا پڑا کچھ تو افغانستان

ہی میں بیہودہ خاک ہو گئے تھے اور کچھ اپنے وطن واپس آ گئے تھے، ان ہجرت کرنے والوں کی تعداد تقریباً بیس ہزار بتائی جاتی ہے۔ یہ سب مسلمان علما کرام کے فتوؤں کی بناء پر ترک وطن پر آمادہ ہو گئے تھے، یہ ہجریہ ہجرت پر مجبور نہیں کئے گئے تھے

۱۹۴۸ء میں عربوں اور یہودیوں کے تنازعہ میں پانچ لاکھ سے زیادہ مرد، خواتین اور بچے خانماں برباد کر دیئے گئے تھے۔ یہ مہاجر شرق اردن کے دار الحکومت عمان کے باہر خیمہ زن ہیں۔ انہیں یہودیوں نے ان کے گھروں سے نکال دیا ہے۔ تقریباً سات سال گزرنے کے بعد بھی ان کی وہی حالت ہے۔ ان کے کپڑے بوسیدہ ہو کر پھٹ گئے ہیں، جگہ جگہ بیہودہ لگے ہوئے ہیں یہودیوں نے ان کے مکانوں پر قبضہ کر لیا ہے۔ بنکوں میں ان کی رقمیں ضبط کر لی گئی ہیں اس جنگ میں یہودی ایک طرف ہیں، اور سارے عرب ایک طرف اس یہودی سلطنت کو مسلمانوں میں سب سے اولیٰ ترک کی حکومت نے تسلیم کیا۔ اور رابطہ اتحاد بڑھایا۔ دوسری اسلامی سلطنت افغانستان کی ہے جس نے یہودیوں سے اظہار دوستی کیا۔ خدا کا شکر ہے کہ پاکستان ابھی تک اس گمراہ اور لعنت سے بچا ہوا ہے

برصغیر ہندوستان کی تقسیم سے لے کر اب تک تقریباً ایک کروڑ سے زیادہ مہاجر ہجرت سے پاکستان میں آچکے ہیں۔ اور اب بھی یہ سلسلہ جاری ہے۔ اس میں ذرا براہ رشک نہیں کہ تاریخ عالم میں یہ سب سے بڑی ہجرت ہے۔ پاکستان ایک نوزائیدہ ملک ہے۔ اور اس بے سروسامانی میں اتنا بڑا بار برداشت کرنا آسان کام نہیں۔ لیکن اللہ اور اخوت اسلامی کے بھروسہ پر یہ ایک بے حقیقت بات ہے اگر پاکستان میں اخوت اسلامی کی بنیادوں پر مہاجرین مکہ کی طرح سلوک

۷۱، حکومت پاکستان نے فلسطین ریٹیفکے اتحادی ڈائریکٹر کو سات لاکھ ۴۷ ہزار چھ سو کی رقم فلسطین کے مہاجرین کی امداد کیلئے اقوام متحدہ کی کمیٹی کو تین لاکھ روپیہ کی قیمت کا گیموں بھی روانہ کیا ہے ۷۲، حکومت پاکستان نے اردن کے قبیلہ گاؤں کو جسے حال ہی میں اسرائیلی فوجوں نے تباہ کر دیا تھا۔ دوبارہ آباد کرنے کے لئے پچاس ہزار روپیہ مجذہ دینے کا فیصلہ کیا ہے ۴۷ جنوری ۱۹۵۴ء انجام کرنا چاہیے

کیا جاتا تو اب تک کبھی کا یہ مشکل مسئلہ حل ہو چکا ہوتا۔ مہاجرین کے سلسلہ میں آج کل ہر بولہ بوس
ناصح مشفق کا پارٹ ادا کر رہا ہے۔

آتے ہیں عیادت کو تو کرتے ہیں نصیحت

احباب سے غمخوار ہو ابھی نہیں جاتا (رفانی)

آج تمام دنیا کے مسلمانوں کی تعداد ۱۰ کروڑ سے زیادہ ہے۔ یہ صحیح ہے کہ ملحد، بدکار اور
رند مسلمانوں کی کثرت ہے، لیکن یہ بھی ماننا پڑے گا کہ شب زندہ دار، تہجد گزار، نمازی اور
متقی مسلمانوں کی کمی نہیں لیکن پھر بھی مسلمان ذلیل و خوار ہیں۔ تباہ و برباد ہیں مسلمانوں میں
ایک کبرا مچا ہوا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں مسلمانوں کی ذلت و بربادی کا سب سے
بڑا سبب یہ ہے کہ انہوں نے اخوت اسلامی کے زیر اصولوں کو پس پشت ڈال دیا ہے
بھارت کے باشندوں اور وہاں کی حکومت کو دیکھ لیجیے۔ انہیں آپ اصنام پرست
اور کافر کہتے ہیں۔ یہ مسلمانوں کے دشمن بھی ہیں، لیکن ان بت پرستوں نے اخوت اسلامی
کے اصولوں کو اپنا لیا ہے۔ بھارت کے شاذ و نادر مقامی ہندوؤں نے پاکستان جانے والے
مسلمانوں کی متروکہ جائیدادوں پر قبضہ کیا ہے۔ اس کے برخلاف پاکستان میں پچاس فیصدی
مسلمانوں نے بڑے بڑے کارخانوں، جائیدادوں اور زمینوں پر قبضہ کر لیا ہے۔ سندھ میں
حکومت کو یہ چاہیے تھا کہ وہ مقامی جاگیرداروں اور وڈیروں (زمینداروں) کی ضرورت سے زائد
آراضی کو لے کر بارلوں اور مہاجروں میں تقسیم کر دیتی تو اب تک بارلوں اور مہاجروں کی تمام
پریشانیوں دور ہو چکی ہوتیں۔ اس کے برعکس پچاس فیصدی ہندوؤں کی متروکہ جائیدادیں مقامی
سرمایہ داروں اور غیر متعلق لوگوں کو دے دی گئی ہیں۔ بھارت کی حکومت اپنے یہاں
شترناہٹیوں کی آبادکاری اور وزگار کے مسئلہ کو حل کر چکی ہے لیکن ہمارے یہاں ابھی تک منصوبے تیار ہو رہے ہیں۔

کافر کا فسر، فکر و تدبیر جہاد

کارِ ملا فی سبیل اللہ فساد (اقبال)

۱۰ ہندوستان کی حکومت مغربی پاکستان سے آنے والے پناہ گزینوں کی آبادکاری اور امداد پر اب تک تقریباً ایک ارب ۴۵ کروڑ
روپے صرف کر چکا ہے۔ اس میں ۹ کروڑ کی وہ رقم بھی شامل ہے جو کہ مکانات کی تعمیر پر صرف کی گئی ہے۔

بانی پاکستان قائد اعظم محمد علی جناح نے فرمایا تھا — پاکستان خواہ دیوالیہ ہو جائے۔

ایک ایک مہاجر کو آباد کیا جائے گا۔

۴ سال کے بعد گورنر جنرل مسٹر غلام محمد اور وزیر اعظم پاکستان مسٹر محمد علی دہلوی کے اشدادات بھی سن لیجیئے :-

یہ بات بالکل واضح ہے کہ حکومت مہاجرین کی مکمل آباد کاری کا کام اپنے ذمہ نہیں لے سکتی (گورنر جنرل کا اشداد)..... وزیر اعظم کا اشداد — ”مجھے خوشی ہے کہ لوگوں نے بے کس اور بے گھر مہاجرین کے لئے مکانات فراہم کرنے کی اس اسکیم میں دلچسپی لی۔ لیکن ہمیں توقع کے مطابق کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ ہر کام کی تمام قرضہ والی صرف حکومت ہی پر عائد نہیں ہوتی۔ عوام کو بھی اپنے مجبور اور مستحق بھائیوں کی آباد کاری میں امداد کرنی چاہیئے۔“

ان تینوں محترم ہستیوں کے اشدادات میں کتنا بڑا فرق محسوس ہوتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قائد اعظم کے سینہ میں مجاہدانہ جوش عمل اور فولادی عزم کے سینکڑوں جذبات تڑپا رہے ہیں۔ اور ان کے بیان کا مفہوم یہ ہے :-

”جو مشکل ہے تو اس مشکل کو آسان کرنے کے چھوڑ دینگا۔“

گورنر جنرل اور وزیر اعظم کی تقریروں بھی اچھے خیالات سے لبریز ہیں، خلوص و دہمردمی کے جذبات بھی بائے جاتے ہیں۔ لیکن یہ تقریروں ان اسنگوں اور ولولوں سے کسر خالی ہیں۔ جو کہ ایک نئی اور زندہ قوم کے رہنماؤں میں ہونے چاہیئے تھے۔

حصول آزادی سے پہلے۔ بد حالی کی ذمہ داری برٹش حکومت پر تھی۔ لیکن اب آزادی کی منزل مقصود پر پہنچ کر ہمارا معیار زندگی بہت زیادہ پست ہو گیا ہے۔ ایک جھونپڑی جس میں دو تین افراد بھی بہ مشکل گزارہ کر سکیں۔ آٹھ، آٹھ، دس دس افراد کی رہائش کے لئے کس طرح کافی ہو سکتی ہے۔ لالاکھیت میں جو کوٹھریاں مہاجرین کو آلاٹ کی گئی ہیں۔ ان کا رقبہ ۲۲ فٹ سے

۷۰ فٹ دو فٹ تقریباً درگ رو کا کافی کے کوارٹروں کے افتتاح کے موقع پر لگی ہیں (۲۸ دسمبر۔ ۱۹۴۷ء) (انجام کراچی۔ ۳۰ دسمبر ۱۹۴۷ء)

زیادہ نہیں۔ اور مستقر اور یہ ہے۔ کہ ان علاقوں میں روشنی اور صفائی کا کوئی انتظام نہیں۔ جس کی وجہ سے بوڑھوں، بچوں اور آنکھوں سے معذور لوگوں کے لئے کچے کونڈوں اور گندے پانی کے گڑھوں میں گرنے کے واقعات آتے دن پیش آتے رہتے ہیں۔ مہاجرین کی یہ بستیاں کیا ہیں؟ اگر اچھی کے خوبصورت جسم پر گند ابھڑا ہوا کر رہ گئی ہیں۔ کونڈے اور گندگی کے انبار درانیاں میں سکڑے ہوئے سینے۔ بے رونق پہرے، کھال اور ہڈیوں کے ڈھانچے چھتروں میں ملبوس انسان نما سحوان، عورتیں بچے، مرد۔ کچھ ان میں تندرست، البتہ سب کے سب کسی نہ کسی متعدی مرض میں مبتلا۔ سینکڑوں نالینا، کشتی ثببات کو لاسٹی کے بل پر کھتے ہوئے نظر آئیں گے۔

"بعض مہاجر بستیوں میں دفعہ ۱۴۴ کے تحت۔ جھونپڑیوں کی مرمت کرنے کی پاداش میں مہاجرین پر جرمانے کئے گئے۔"

پاکستان پارلیمنٹ میں وزیر خوراک پیر زادہ عبدالستار نے بتایا۔ کہ مغربی پاکستان میں ایک کروڑ ۹۰ لاکھ ایکڑ اور مشرقی پاکستان میں ۴۵ لاکھ ایکڑ قابل کاشت زمین آبپاشی کا انتظام نہ ہونے کی وجہ سے بے کار پڑی ہوئی ہے۔ کئی اسکیمیں زیر غور ہیں۔

اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل نے، ۲ جون ۱۹۵۰ء کو ایک تجویز پاس کی تھی۔ پاکستان نے اس تجویز کے مطابق متحدہ اقوام کی خدمت میں کوریائی امداد کے لئے پانچ ہزار ٹن گیہوں پیش کیا۔ پاکستان نے دو لاکھ مشترکہ کے دیگر ممالک کے ساتھ مل کر ہر ماہ کو پانچ لاکھ پونڈ کا قرضہ دینا منظور کیا۔ تاکہ برما اپنی مالی حالت بہتر بنا سکے۔

پاکستان کی حکومت نے ملکہ الیزبتھ (ملکہ انگلستان) کے جشن تاجپوشی پر پاکستانی فوج کا دستہ مع فوجی بینڈ کے بغرض شرکت جشن تاجپوشی لندن بھیجا تھا۔ اس پر ۴ لاکھ سے زیادہ خرچ ہوا ہو گا۔ یہ رقم اس رقم کے علاوہ ہے۔ جو کہ وزیراعظم اور افسران کے سفر لندن پر صرف ہوئی۔

یہ بات سب بھی طرح جانتے ہیں کہ ہمارا ملک دیوالیہ ہو گیا ہے۔ آمدنی گھٹ رہی ہے ٹیکس بڑھ رہے ہیں۔ گورنمنٹ کے محکموں میں تخفیف کی جا رہی ہے اور ہمیں نازک حالات سے مقابلہ کرنا پڑ رہا ہے۔ اگر جشن تاجپوشی میں شرکت لادہی تھی۔ لیکن ہم ایسا نہیں سمجھتے۔ تو گورنمنٹ دو تین آدمیوں کو بطور نمائندہ بھیج دیتی۔

بحث پر بحث کے دوران مسٹر دھرنندرامہ تھوٹانے کہا کہ گورنمنٹ نے غیر ضروری چیزوں پر روپیہ صرف کیا۔ ڈھاکہ میں ۴۹ لاکھ روپیہ سے ایک ہوٹل تعمیر کیا۔

پاکستان پارلیمنٹ میں سردار امیر اعظم نے کہا کہ ایک افسر نے اپنے بنگلہ کی آرائش پر ایک لاکھ ۴۲ ہزار روپیہ خرچ کرائے ہیں۔

محترم مدیر ڈان۔ کراچی نے قائد اعظم کے مقبرہ کی تعمیر پر ایک ادارہ تحریر کیا ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ گورنمنٹ پاکستان۔ ایک ایسے بیمار فرد کے علاج پر۔ جس کا عظیم توہین رہنا۔ محمد علی جناح سے کوئی تقابل ہی نہیں کیا جاسکتا۔ کم و بیش بیس لاکھ روپیہ خرچ کر سکتی ہے

پاکستان پارلیمنٹ میں میاں افتخار الدین نے فرمایا۔ کہ چین میں میں نے ایک بند دیکھا جس سے لاکھوں ایکڑ زمین سیراب ہوتی ہے۔ یہ بند ۷۵ روز میں تیس لاکھ آدمیوں نے بنایا تھا۔ اگر حکومت ذرا بھی تدبیر سے کام لیتی تو لاکھوں مہاجرین جو مصائب کا شکار ہو رہے ہیں۔ بند اور نہروں کی تعمیر پر لگا سکتی تھی۔ اور گزشتہ دو سال میں لاکھوں ایکڑ زمین زیر کاشت لاسکتی تھی۔

"سویت روس نے تعمیر کے سہ سالانہ منصوبہ کو صرف دو سال میں اختتام کو پہنچایا۔ ٹہلری محلوں نے وہاں کی عمارتوں کو اس قدر شدید نقصان پہنچایا تھا کہ درجنوں شہر اور ہزاروں گاؤں کھنڈروں میں تبدیل ہو گئے تھے۔ دو کروڑ اور پچاس لاکھ عوام بے خانماں ہو گئے۔ ایک کروڑ ۶۰ لاکھ مربع میٹر سے زیادہ رقبہ کے رہائشی مکانات تعمیر کر کے تباہ گھروں کو اس میں بسا دیا گیا"

عہ انجام ۳۰ مارچ ۱۹۵۳ء عہ ڈان کراچی ۲۵ دسمبر ۱۹۵۲ء و انجام کراچی ۱۹ دسمبر ۱۹۵۲ء

عہ ۲۰ مارچ ۱۹۵۳ء۔ امروز کراچی۔ عہ سپر انٹیس بریلوی ۱۰ علم جنوری ۱۹۵۲ء۔

اسلامی نظام حکومت

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل تمام دنیا میں قیصر و کسریٰ کا نظام جاری تھا۔ اس میں ایک فرد واحد تمام جمہور کی موت و زیست کا آمر ہوتا تھا۔

ایں خدا۔ نمانے دہد۔ جانے برد۔ آں خدا جانے دہد۔ نمانے دہد

(اقبال)

(۱) سرمایہ دارانہ نظام اور سامراجی نظام — اس کی بنیاد محض دوسروں کی لوٹ کھسوٹ

پر ہے۔ اس میں چند افراد، دولت و اقتدار کے مالک ہوتے ہیں۔ اور عوام مفلسی، تباہی و غلامی کی زندگی گزارنے پر مجبور کئے جاتے ہیں۔ اس میں رنگ و نسل کا امتیاز غالب رہتا ہے مذہب کے نام پر تمام ظلم و ستم اور جرائم جائز سمجھے جاتے ہیں۔

(۲) مغرب کا جمہوری نظام — جمہوریت اس طرز حکومت کا نام ہے۔ جو عوام کے نمائندوں کی قیادت میں عوام کی فلاح و بہبود کے لئے قائم کی جائے، — (ابو الہیم لیکن)

سرمایہ دار ملکوں میں سچی جمہوریت اور شہری آزادی نہیں ہوتی ہے۔ بحران کے وقت جمہوریت کا گلا گھونٹ دیا جاتا ہے۔

مادی ترقی اور معاشی تنظیم کا نام جمہوری نظام ہے۔ جسے مغرب نے اختیار کر رکھا ہے۔ مغربی جمہوری نظام اور اسلامی جمہوری نظام میں بہت فرق ہے۔ مغربی جمہوری نظام میں کھوکھلے تمدن کی اشاعت کی جاتی ہے۔ جو کہ انسانیت کے لئے ایک روگ ہے۔

ہے وہی ساز کہن مغرب کا جمہوری نظام

جس کے پردوں میں نہیں غیرانہ نوائے قیصری (اقبال)

ظاہر ہے کہ یہ نظام دل کش موم ہوتا ہے لیکن باطن میں خالص جمہوری خوبیاں سب کولی

گئی ہیں۔ اس میں ہر آوارگی اور بد اخلاقی کا جواز تلاش کر لیا گیا ہے۔

”جو گنہ بھی کرو۔ ثواب ہے آج“

(۳) ناسیت اور نازیت کا فلسفہ محنت گیری کے ساتھ قومیت ہے۔ ناسیت اور نازیت کا فلسفہ اشتراکیت اور جمہوریت دونوں کا حریف ہے۔ ان کا سیاسی نظام آمریت ہے۔

(۴) روسی انقلاب کا اشتراکی نظام۔ یہ مذہب نہیں ہے بلکہ مادی و اقتصادی انقلاب ہے۔ اس سے مذہب اور خدا و دونوں خارج کر دیئے گئے ہیں۔ اشتراکیت کا اولین اصول مذہب کے خلاف جنگ کو نام ہے۔ اس میں مذہب کو انیون کی خوراک سے تشبیہ دی جاتی ہے۔ اشتراکیت ذاتی اور انفرادی ملکیت کو تسلیم نہیں کرتی ہے۔ اشتراکیت کا تقاضا ہے کہ تمام انسانوں کی دولت اور ان کی محنتوں کا حاصل عوام کی ملکیت قرار دے دیا جائے۔ ان کا خیال یہ ہے کہ ملک کی اقتصاد دی دولت پر ابی ملک کا یکساں استحقاق ہے۔ اس نے شخصی ملکیت جو توحیحی حقوق پیدا کرتی ہے۔ یک لخت مٹ جانی چاہئے۔ ہر شخص کو اس کی ضرورت کے مطابق سامان بہم پہنچانا چاہئے۔ پس انداز شدہ منافع و سرمایہ قومی امانت تصور ہو۔ اور حسب ضرورت قومی ضروریات پر صرف ہو۔ طبقہ دارانہ جنگ ان کا سب سے بڑا اسلحہ ہے۔ کمیونسٹ ایک طبقہ کو دوسرے طبقہ کے خلاف اکسا کر تشدد و پر آمادہ کرتے رہتے ہیں۔ توڑ پھوڑ کی پالیسی سے ملک میں انتشار پھیلانا اور تشدد سے کام لینا ان کا سب سے بڑا کارنامہ ہے۔

اس نظام میں خوش حالی کی زندگی گزارنے میں مزدور کا نمبر اول ہے اور کسان کا نمبر دوم ہے۔ لیکن روحانی اور باطنی قوتوں کی بیداری کے تمام ذرائع ختم کر دیئے گئے ہیں۔

(۵) اسلام کا جمہوری نظام :-

(۱) اسلام میں ہر شخص اپنی کسب کردہ حالت کا مالک ہے۔ البتہ قوم و ملت کے نادر اور مفلس طبقہ کے حقوق اس پر عائد ہوتے ہیں۔ جو بہ صورت زکوٰۃ۔ صدقہ۔ فطرہ وغیرہ ادا کرنے چاہیں۔ اگر سال کے آخر میں سرمایہ کی شکل میں کچھ باقی رہ جائے۔ تو اس میں سے چالیسواں حصہ اسلام نے ناداروں

کے لئے مقرر کیا ہے۔

(۲) قانون وراثت کے ذریعہ انفرادی سرمایہ کو مختلف افراد میں تقسیم کر کے سرمایہ داری کی بنیاد اسلام نے ختم کر دی ہے۔

(۳) اسلام نے بیت المال کا نظام قائم کرنے کی تاکید کی ہے۔ اس کی موجودگی میں بے روزگاری اور اس کے پیدا کردہ جرائم خود بخود ختم ہو جاتے ہیں۔

(۴) نظام سرمایہ داری کی بنیاد سود کے کاروبار پر قائم ہے۔ اسلام سودی لین دین کو منع کرتا ہے اور اسلام میں ہر وہ تجارت جس کی بنیاد، جوا، سٹہ بازی، یا کسی اور بد اخلاقی پر ہو، ممنوع ہے۔

(۵) قرآن پاک میں تجویزیوں میں روپیہ مقفل رکھنے والوں کے لئے بدین الفاظ تنبیہ کی گئی ہے۔ "وتمہم جو لوگ چاندی، سونا، اپنے ذخیروں میں ڈھیر کرتے رہتے ہیں۔ اور اللہ کی راہ میں اسے خرچ نہیں کرتے۔ تو ایسے لوگوں کو عذاب ورنہ کی خوش خبری سنا دو۔"

(۶) اسلامی نظام میں تمام انسان برابر ہیں۔ رنگ، نسل، خون، قومیت اور وطنیت کا فرق انسانیت کی ترقی میں سب سے بڑی رکاوٹ ہیں۔ اسلامی نظام میں نسل، تفوق اور خاندانی برتری کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔

(۷) اسلام انسان کی نفسی و ذہنی زندگی کو بالکل بدل دیتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انسانیت کے عالمگیر انقلاب کے سب سے بڑے داعی تھے۔ اور قرآن کا مقصد ایک عالمگیر انقلاب برپا کرنا ہے۔ اسلام میں دنیا اور عقبے دونوں کے لئے گنجائش ہے۔ اسلام دنیایت یا کلیسیائی سیادت کو تسلیم نہیں کرتا ہے۔

(۸) اسلام میں حاکمیت - رب العالمین کے لئے مخصوص ہے۔ انسان نہ کسی پر حاکم ہے اور نہ کسی کا محکوم۔ اسلام میں زمین خدا کی ملکیت ہے۔ انسان زمین پر خدا کا نائب ہے۔ سلطنت عظیم الہی ہے۔ خود نے اختیارات سوائے جمہور کے کسی اور کو تفویض نہیں کئے ہیں۔ خدائی قوانین تمام بنی نوع انسان کی فلاح و بہبود کے ضامن ہیں۔ انسان کا کام یہ ہے کہ وہ خدا

کے قانون کو زمین پر جاری کرے۔

۱۰۱) ہر مسلمان کا اس پر ایمان ہے کہ کلام اللہ اور اسوہ رسول ہی اس کے روحانی فیضان کے بنیادی سرچشمے ہیں۔

۱۱۱) اللہ پر ایمان لانا۔ اسلام کی پہلی تعلیم ہے۔ یہ انسانیت کے لئے ایک بلند اور اعلیٰ نصب العین ہے۔ اور اس مادی دنیا میں اس سے اعلیٰ واقع تصور ممکن نہیں

۱۲۱) اللہ۔ تمام کائنات کا رب ہے۔ الحمد للہ رب العالمین۔ اس کی نعمتیں تمام بندوں کے لئے عام ہیں

اے کریمے کہ ازخزانہ غیب گیر و ترسا وظیفہ خور داری

پاکستان کا تخت

مسلمانوں نے ایک ہزار برس تک ہندوستان پر حکومت کی۔ لیکن یہاں اسلامی حکومت کبھی قائم نہیں ہوئی۔ اور نہ یہاں خالص اسلامی تہذیب وجود میں آئی یہاں صرف مسلمان یا شاہوں کی حکومت قائم رہی۔ اس لئے ہندوستان کے باشندے مسلمانوں کی حکومت کو شخص آمریت یا خاندانی بادشاہت سمجھتے رہے۔ علمائے کرام اور خاص طور پر صوفیائے عظام کے اعلیٰ کردار تو کچھ نفس اور سرفروشانہ جدوجہد سے اسلامی تعلیم کی تبلیغ و اشاعت یوٹی رہی۔ اور یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ اس بزرگ عظم بھارت و پاکستان میں دس کروڑ سے زیادہ اسلام کے نام لیوا موجود ہیں۔

انگریزوں نے جب سلطنت مغلیہ کو تباہ و برباد کر کے اپنا اقتدار قائم کیا۔ تو مسلمانوں کے دلوں میں حکومت الہیہ کا ایک طوفان موجیں مارنے لگا تھا۔ اور انگریزوں کے بے پناہ مظالم سے مسلمانوں کے خوابیدہ جذبات بیدار ہونے لگے تھے۔
تو نے وہ ٹھوکر لگائی۔ چشم ملت کھل گئی

۱۸۵۷ء کے غدر میں انگریزوں نے مسلمانوں پر بے انتہا مظالم ڈھائے۔ ہزاروں بے گناہ مسلمان تختہ دار پر لٹکا دیئے گئے تھے۔ سینکڑوں عالم صوفی اور مجاہد بزرگائے دین میں نظر بند کر دیئے گئے تھے۔ اور قید و بند کی ناقابل برداشت سختیوں کی وجہ سے دیں ہیوند خاک بھی ہو گئے۔ حالانکہ انگریزوں کے مظالم اور خوف دہرا س کی وجہ سے مسلمانوں کے جذبات کی ادھری سطح ساکت و صامت تھی۔ لیکن اندرون ولی میں آتش فشاں پہاڑ چھپے ہوئے تھے جو مناسب وقت و زمانہ میں پھٹنے کے لئے منتظر تھے۔

تحریک خلافت کے زمانہ میں علی برداروں و محمد علی و شوکت علی، مولانا حسرت موہانی،

مولانا محمود حسینؒ اور دوسرے مجاہدین ملت نے نہ متفقہ والی قربانیاں پیش کی تھیں۔ تحریک خلافت کے سلسلہ میں تقریباً ۳۴ سال پیشتر اسی کراچی میں۔ جو کہ اب پاکستان کا دارالسلطنت ہے، انگریز حاکموں نے بغاوت کے الزام میں انگریزوں اور مجاہد ملت مولانا محمد علی دہلویؒ کو دو سال قید با مشقت کی سزا دی تھی۔ یہ وہی مولانا محمد علیؒ ہیں جن کی موت پر حضرت علامہ اقبالؒ نے یہ اہم شاعرانہ شعر ادا فرمایا تھا۔

خاکِ قدسِ اولیاء بہ بخوش مناد گرفت
سوئے گردوں رفت، زان ریلے کو بغیر گزشت

زمانے کے تغیرات دیکھئے کہ اسی کراچی میں ۱۷۷۷ء دسمبر ۱۹۵۲ء کو قائد اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے جن ولادت پر کئی یادگار میں گورنر جنرل پاکستان مسٹر غلام محمد نے اپنی تقریر میں یہ فقرہ بھی کہا تھا۔ "جیل خانے جانا، آزادی کے لئے جنگ کرنا آسان ہے لیکن حکومت کو جیلنا مشکل ہے" قائد اعظمؒ کی غیر فانی ہمد و جہد اور مسلمانان مہدی کے مثال تنظیم: ایشیاء سے ۱۷ اگست ۱۹۴۷ء کو ایک نئی مملکت "اسلامی جمہوریہ پاکستان" کے نام سے قائم ہوئی۔ موجودہ دنیا کی سب سے بڑی اسلامی سلطنت کا صحیح تصور سب سے پہلے قائد اعظمؒ محمد علی جناح نے پیش کیا آپ نے تاریخ کو اپنی قوت ارادی کے ذریعہ سے اپنے ہی تصورات کے سانچے میں ڈھال لیا

۱۹۴۷ء سے دس سال پہلے مخالفین پاکستان کے خیال میں یہ بات ناممکن تھی۔ قائد اعظمؒ نے مسلمانوں کو یقین کالی، اتحاد اور نظم و نسق کا سبق سکھایا۔ تاکہ ملت اسلامیہ کو متحد و آزاد کیا جائے اور اسلامی تمدن و ثقافت کو ترقی دے کہ ایک مثالی دولت مشترکہ قائم کی جائے۔ قائد اعظمؒ کو اللہ تعالیٰ پر۔ اپنی ملت پر اور اپنے آپ پر اعتماد تھا۔

پاکستان حضرت قائد اعظم کے عزمِ مصمم اور بے مثال تدبیر سے عالم وجود میں آیا پاکستان
 اللہ سے قبل کے مسلم ملک کے شہداء ایچوں اور مجاہدوں کے ایشارہ جہاد اور قربانی
 سے قائم ہوا۔ وہ ہستیاں جنہوں نے پاکستان کو تعمیر کیا۔ ان میں سے کچھ نے تو خاک و خون
 میں تڑپ کر اپنی جانیں دے دیں۔ کچھ جلاوطن ہوئے۔ دیکھو سی و ناکامی اور ذلت و خواری کے
 ساتھ زندہ ہیں۔ اور کچھ ہمارے نشان میں اڑیاں رگڑ رگڑ کر اپنی زندگیاں گنوا رہی ہیں
 "ہو گئے تھے پہ ذرا۔ روزِ فنا سے پہلے"

پاکستان کس طرح عالم وجود میں آیا

دنیا میں عام قاعدہ یہ ہے کہ صرف حصول آزادی سے قبل قوموں کو قربانیاں دینی پڑتی ہیں لیکن پاکستان کی تاریخ اس سے بالکل متضاد ہے۔ آزادی سے قبل بھی اقلیتی صوبوں کے لالچہ و دھوکے سے مسلمانوں کو حشر انگیز مصائب سے مقابلہ کرنا پڑا۔ اور حصول آزادی کے بعد بھی اقلیتی صوبوں کے مسلمانوں کو لڑہ خیز ہلاکت و بربادی سے گزرنا پڑا۔ اور آٹھ سال کی مدت گزرنے کے بعد بھی اقلیتی صوبوں کا مسلمان گردش ایام کی ٹھوکروں کا نشانہ بنا ہوا ہے۔

۲۶ ستمبر ۱۹۴۷ء کو انگریزوں نے مرکز ہند میں عیواری حکومت کا نظم و نسق کانگریس کو سپرد کر دیا۔ اس کے خلاف مسلم لیگ کی زیر ہدایت مسلمانوں نے تمام ہندوستان میں یوم اتم بنایا۔ بمبئی میں مسلمانوں نے مسلمانوں کے خون سے ہونی کھیلنی شروع کر دی۔ اور بے شمار مسلمانوں کو موت کی آغوش میں سلا دیا۔

۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو دہلی کے مسلمانوں نے آزادی کے خلاف مسلم لیگ نے یومِ عمل منایا۔ کلکتہ میں اس روز ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان ہولناک فساد ہو گیا جس میں ہزاروں مسلمان شہید کر دیئے گئے۔

۲۷ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو چھپرہ میں فساد ہوا۔ بہار کے وزیر اعظم ستر سنہا کے اس اعلان سے ہندو آپے سے باہر ہو گئے۔ کہ بہار کی ہندو حکومت فسادوں کو پہلی پرنسپی سرکار کی طرح گولیوں کا نشانہ نہیں بنا سکتی۔ ہندوؤں نے بہار کے سارے صوبہ میں صرف ۴۷ فیصدی مسلمانوں کا قتل عام شروع کر دیا۔

نومبر ۱۹۴۷ء میں یو۔ پی کے مقام گڑھ ملکیہ شریف میں مسلمانوں کو بہت ہی بے دردی سے قتل کیا۔ غازی آباد، کانپور، بنارس، صوبجات متوسط دسی، پی میں خون ریز اور ہولناک فسادات ہوئے لاکھوں مسلمان موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔ کروڑوں روپیہ کی عمارتیں لوٹ لی گئیں۔

محصول آزادی کے فوراً ہی بعد اقلیتی صوبوں کے مسلمانوں کو اپنے عزیزوں، عورتوں، بچوں اور
کی لاشوں پر سے گزرنا پڑا۔

کل پاکستان مسلم لیگ کے سالانہ جلسہ میں جو کہ ڈھاکہ میں منعقد ہوا تھا، سردار عبدالرب
نشترو وزیر صنعت پاکستان نے فرمایا۔ کہ پاکستان عظیم الشان قربانیوں کے بعد عالم وجود میں آیا
ہے۔ اس کے حاصل کوئی ۵۵ لاکھ سے ۷۵ لاکھ تک مسلمانوں نے حاکم شہادت نوش کیا ہے۔
نوٹے ہزار مسلمان عورتوں کو ہندو، سکھ زبردستی اپنے ساتھ لے گئے ہیں۔ ۸۰ لاکھ مسلمان
خانہ بردار کر دیئے گئے ہیں۔ اور اب بھی بھارت کے تین کروڑ مسلمانوں کے سروں پر جو رستم کی تلوار
لٹک رہی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جنگ بد میں صرف ۳۱۳ مسلمانوں نے ہزاروں دشمنوں پر
فتح حاصل کی تھی۔

ڈاکٹر مشتاق احمد گورمانی وزیر داخلہ پاکستان نے اپنی تقریر میں فرمایا۔ کہ تقسیم ہندوستان
کے وقت ۸۰ لاکھ مہاجر اور ہندوؤں کے ڈبے جو کہ شہدائی لاشوں اور زخمیوں سے بھرے ہوئے
تھے پاکستان کے سبھی میں آئے۔

باشعہ گان کہ اچھی نے حضرت قائد ملت ایاقت علی خان کی شہادت پر تعزیت کے لئے
ایک جلسہ منعقد کیا۔ اس جلسہ میں مسٹر عبدالرحمن صدیقی۔ (مرحوم)۔ سابق گورنر مشرقی پاکستان
نے اپنی ایک تقریر میں فرمایا تھا۔ کشمیر سے زیادہ انہم مسئلہ بھارت کے ۴ کروڑ مسلمانوں
کی حفاظت کا مسئلہ ہے۔ اگر پاکستان نے کوشش نہ کی تو بھارت کے مسلمانوں کا نام و نشان
نہت چلے گا۔ ان کو بچانے کی کوشش ہونی چاہیے۔ مسٹر عبدالرحمن صدیقی عالمگیر انوث اسلامی
کے زبردست حامی اور مبلغ تھے۔ آپ نے اپنی تقریر میں آخری جملہ یہ اوشاد فرمایا۔ برصغیر کے
مسلمانوں کی کسی مصیبت میں اسلامی ممالک نے مدد نہ کی۔ یہ جملہ کس قدر درد اور مایوسی
سے لبریز ہے۔

میں ہوں میں اپنی شکست کی آواز

ہمارے گمراہ بھائی

”غیر منقسم ہندوستان کے مسلمان جب اپنی آزادی کے لئے جنگ کر رہے تھے تو مشرق وسطے کے — ہمارے عرب بھائی — ہمارے ساتھ کسی طرح کی ہمدردی کا اظہار نہیں کر رہے تھے۔ بلکہ اکثر ہمارے مخالف تھے۔ پاکستان بننے کے بعد — پاکستان کی حکومت پاکستانی عوام اور پاکستانی اخبارات نے — عربوں کے رویہ کے بالکل متضاد — عربوں کی جدوجہد اور ان کے مفاد کی توقع — بے موقع ہر طرح امداد کی — لیکن پاکستان کے معاملہ میں عربوں کا رویہ اکثر غیر ہمدردانہ رہا۔ مثال کے طور پر مصر کو بے یلچے جب سیکورٹی کونسل میں کشمیر کے مسئلہ پر ایک ریزولوشن کی تائید کے لئے پاکستان کو سات دوڑوں کی ضرورت تھی اور بھارت پاکستان کی مخالفت میں پورا زور لگا رہا تھا — تو مصر کا دوٹ ہزاروں دقتوں اور پریشانیوں کے بعد پاکستان کو مل سکا تھا۔ افغانستان نے تو یہ کوشش کی تھی کہ پاکستان انجمن بین الاقوامہ کامبر نہ بن سکے۔

۴ کوڑ عربوں — (۲ کوڑ مصری + ۲ کوڑ عربی) — کے لئے — خواہ ان کا رویہ کچھ ہی کیوں نہ ہو — ہماری محبت اور ہمدردی میں کبھی کوئی کمی نہ ہوگی۔ عربوں اور یہودیوں کا تنازعہ ۴۰ اور — ۱ — کا ہے۔ ان یہودیوں — سے میدان جنگ میں شکست کھانے کے تلخ تجربہ کے بعد بھی عرب لوگ، بھارت جیسے ملک کی رہنمائی قبول کئے ہوئے ہیں۔ ان عربوں کی پر مہل بات ہماری عقل و خرد سے باہر ہے کیونکہ بھارت ہی وہ ملک ہے جو کہ برسوں سے تمام ایشیائی عربوں کے خلاف یہودی پروپیگنڈا کا سب سے بڑا مرکز بنا ہوا ہے۔“

اتحادی فوجوں کے سپاہی جو کہ دوسری جنگ عظیم میں کام آئے...

برطانوی باشندے جو مرے یا لاپتہ ہو گئے اور جنہیں مردہ تصور کر لیا گیا — ۲۴۰۳۲۰
(فٹ نوٹ ۹۵ پر دیکھیے)

ہندوستانی اور دوسری نوآبادیات کے باشندے جو کام آئے۔ ۲۰۱۳۲۰ء
 یہ اعداد و شمار سٹیچر چل نے اپنی ایک تصنیف میں درج کئے ہیں۔
 جبرلی آئزن اور نے اپنی یادداشت: "جنگ یورپ میں امریکی فوجوں کے نقصانات کو ۱۸۸۱ء تا ۱۹۲۲ء

علی اقتباس۔ ڈان انگریزی۔ گواچی۔ ۱۶ فروری ۱۹۵۲ء

شاہ سعود سلطان نجد و حجاز نے، ۱۹۵۵ء کو لندن میں بھارت عرب ثقافتی
 انجمن کے سچا سامہ کا جواب دیتے ہوئے کہا، کہ میں ہندوستان سے رنجست ہوتے
 وقت ساری دنیا کے مسلمانوں کو بتاؤں کہ بھارت میں مسلمانوں کا مستقبل محفوظ ہے؟

بہٹی میں شاہ سعود یہ اعلان کر رہے تھے، اور اودھ لکھنؤ میں جہا سبجا اور اسٹریٹس جو کنگ
 یہ دھمکی دے رہے تھے۔ کہ بھارت کے ایک کوڑ مسلمان اور عیسائی بہہ ہندو بنائے جائیں گے
 شاہ سعود بہٹی میں یہ تقریر کر رہے تھے کہ "بھارتی مسلمانوں کی قسمت محفوظ ہاتھوں میں ہے" ادھر الہ آباد
 کے ایک گاؤں میں مسلمان شہید کئے جا رہے تھے۔ ان کے مکان جلانے جا رہے تھے۔ اور ان کا
 اٹل لٹا جا رہا تھا۔ ادھر بہٹی میں شاہ سعود اسٹیٹ مقامات مقدسہ کے تحفظ ہونے کی حیثیت سے
 عظیم بھارتی رہنما وزیراعظم نہرو کا شکریہ ادا کر رہے تھے۔ اور ادھر لڑکے دزیرا اٹل پٹ
 سبجو دماند یہ نصیحت کر رہے تھے کہ بھارت کے مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ کتا اور مرغینہ
 سے اپنا رخ پھریں۔ اور بھارتی دیوتاؤں کو اپنا روحانی پیشوا بنائیں

ایک وہ زمانہ تھا۔ مسلمان خوش تھے۔ کہ۔ پاسبان ل لگئے کعبہ کو منعم خانوں سے
 یا اب یہ حالت ہے۔ کہ پاسبان حرمین شریف اس بات پر خوش ہے۔ کہ منعم کدوں کے بھاری
 اس کی رہنمائی حفاظت میں نہ دیکریں گے۔ یہ تمام اعداد و شمار۔ "جہا حرمین کا مسئلہ
 از آغا محمد انور" سے لئے گئے ہیں۔

جیسا ہے۔ دوسری جنگ عظیم میں اتحادی فوجوں کا یہ جانی نقصان پچھ سال کی طویل مدت میں ہوا جب کہ

مشرقی پنجاب اور مشرقی پنجاب کی دیاستوں میں جو مسلمان شہید ہوئے ان کی تعداد ۱۰۰۰۰۰ ہے۔ اور مسلمانوں پر یہ سب کچھ صرف چار ماہ کی قلیل مدت میں ٹپتی ہے۔ امریکہ کی وزارت دفاع نے اعلان کیا ہے کہ کو دیا کی جنگ میں کل ایک لاکھ ۴۰ ہزار سات سو امریکی سپاہی ہلاک ہوئے۔

بھارت میں مسلمانوں کی فکشنل کشی کا سلسلہ اب بھی جاری ہے۔ ۱۹۴۷ء کے بعد سے بھارت میں مسلمانوں کے خلاف ۹۳ فسادات ہو چکے ہیں۔ سہیڑیہ تبدیلی مذہب کا سلسلہ ترقی کر رہا ہے۔ پاکستان کے وزیر خارجہ سر ظفر اللہ خان صاحب نے بتلایا ہے کہ حال ہی میں ایک موقع پر ایک ہزار پانچ سو مسلمان ذبردستی تبدیلی مذہب پر مجبور کئے گئے ہیں۔

جو مسلمان بھارت سے ہجرت کر کے پاکستان آ گئے ہیں۔ وہ بھی لاکھوں کی تعداد میں فٹ پاتھ اور سڑکوں پر بے کسی کی زندگی گزار رہے ہیں۔ اور پاکستان کے مقامی مسلمانوں کے طعنوں کے تیر اپنے سینوں پر برداشت کر رہے ہیں۔ سندھ کے ایک لیڈر نے کہل ہے کہ ہمارے جو بھڑاؤر کھسی کی طرح سندھ میں داخل ہو گیا ہے۔ اس سے بہر صورت چھٹکارا حاصل کرنا ضروری ہے۔

وزیر اعظم محمد علی (بوگرومی) نے اعتراف کیا ہے کہ برصغیر کے مسلم اقلیتی صوبوں کے لوگوں نے بڑی قربانیاں دی ہیں۔

یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ پاکستان کی عالی شان سلطنت برصغیر ہندوستان کے اقلیتی صوبوں کے مسلمانوں کی لاشوں پر تعمیر کی گئی ہے۔

جنس الاوارث

مہاجر پاکستان میں آنے پر کیوں مجبور ہوئے۔ اس کا پس منظر یہ ہے :

” بھارت کے ہندوؤں کا ہمیشہ یہ دعویٰ رہا ہے کہ بھارت میں آریوں کے علاوہ جتنی بھی دوسری قومیں آئیں، وہ ہندو مذہب میں جذب کر لی گئیں، یا تباہ و برباد کر دی گئیں۔ یہ حیثیت جداگانہ قوم کے ان کا نام و نشان باقی نہ رہا۔

پنڈت جواہر لال نہرو وزیر اعظم بھارت نے ان خیالات کو اپنی تقریروں میں اس طرح ظاہر کیا ہے کہ ہمارے ملک میں بہت سے لوگ باہر سے آئے ہیں۔ تاریخ بتاتی ہے کہ اول وہ لوگ آئے جو اپنے آپ کو آریہ کہتے ہیں۔ اس کے بعد دوسری قومیں آئیں۔ تو کتان سے لوگ آئے۔ اور ان سے آئے۔ اور غول کے غول آئے اور یہ سب لوگ ہندوستان کے سمندر میں کھپ گئے۔ ہندوستان میں ایسی شکنتی تھی کہ باہر کے خیالات ہضم کر سکے۔“

(۲) ” بھارت میں بہت سے لوگ باہر سے آئے۔ بعض حلا آوروں کی صورت میں اور بعض طالب علم کی صورت میں۔ لیکن بھارت نے سب کو اپنا لیا۔ اور بھارت کی پرانی تہذیب نے انہیں جذب کر لیا۔ آریہ نسل کے لوگ ڈلیوں اور گردہوں میں شمال و مغرب سے تقریباً دو ہزار برس قبل مسیح ہندوستان میں آئے تھے۔ ان کے آنے سے قبل ہندوستان میں دراوڑی نسل کے لوگ آباد تھے۔ یہ اپنی ایک خاص تہذیب تمدن اور زبان کے مالک تھے۔ کہا جاتا ہے کہ موجودہ زمانہ میں سندھ اور بلوچستان کے برہمن جو زبان بولتے ہیں اس میں دراوڑی زبان کے الفاظ اب بھی شامل ہیں۔ دراوڑی اس ملک کے اصلی باشندے تھے جنہیں

۱۔ رام سیلا گروڈنڈ دی ۱۹۵۷ء کو پنڈت جواہر لال نہرو کی تقریر۔ مدیرہ پنجور۔ ۵ دسمبر ۱۹۵۷ء۔ ۲۔ ملک۔ ۱۰ دسمبر ۱۹۵۷ء
انجنا کرچی ۱۳ دسمبر ۱۹۵۷ء ۳۔ علم الاقوام (حصہ دوم) مطبوعہ انجمن ترقی مرد و ہند، دہلی..... بروہی تو ہم نے اپنی
دراوڑی زبان قائم رکھی۔ لیکن جسمانی خصوصیات کے لحاظ سے ان میں بلوچوں اور سندھیوں میں کوئی فرق نہیں۔

آریوں نے شمال و مغرب سے جہوز کی طرف دھکیل دیا تھا۔ آریوں نے ہندوستان کے تمام پرانے باشندوں کو اپنا غلام بنالیا تھا۔ آج کل یہ لوگ ہندوستان میں ادھی باسی، اچھوت، پست، اقوام یا "ہڑی جن" کے نام سے پکارے جاتے ہیں۔

ہندوستان میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے پانچ سو سال پہلے گوتم بدھ پیدا ہوئے۔ انہوں نے شور اور پست اقوام کی ذلت و بے چارگی کو محسوس کیا، اور ملک میں مساوات و اخوت کی تبلیغ کی۔ بدھ کے پیلوں نے ہندوستان اور ہندوستان سے باہر ایشیا کے ایک بہت بڑے حصہ میں بدھ کے نئے ہوئے انقلاب کو پھیلایا جس نے آریائی اقتدار پر ایک ضرب کا کام کیا۔ کچھ عرصہ کے بعد بوہمنی تصورات پھر غالب آگئے۔ بوہمنوں نے بدھ مذہب کے ماننے والوں کا اس قدر قتل عام کیا کہ ہندوستان میں ان کا کوئی نام لینے والا بھی باقی نہ رہا۔ اور تمام ملک کے باشندے پھر غلام بنائے گئے۔ حالانکہ گوتم بدھ ہندوستان ہی میں پیدا ہوا تھا۔ اور ہندوستان ہی میں ان کی خاک کو منتشر کر دیا گیا تھا۔

مسلمانوں نے ہندوستان پر ایک ہزار برس حکومت کی۔

"مگر وہ حکمرانی جس کا سلسلہ جان و دل پر تھا۔"

۹۴۷ء میں مسلمانوں کی آبادی ہندوستان میں دس کروڑ سے زیادہ تھی۔ گزشتہ پچاس برس سے ہندوؤں کے اخباروں میں اور کانفرنسوں میں براہمہ یہی پروپیگنڈا جوتا رہا ہے کہ ہم نے ہندوستان میں آنے والی تمام قوموں کو اپنے میں جذب کر لیا ہے۔ مسلمان ہی ایک ایسی قوم ہے جسے ہم ابھی تک ختم نہیں کر سکے ہیں۔ برسوں سے ہندو نوجوانوں کو اسپین و اندلس کی تاریخی جھڑپوں کا قصہ سنایا جا رہا تھا کہ عربوں نے آٹھ سو سال تک اندلس پر حکومت کی۔ اور عربی تہذیب و تمدن اور زبان کو پھیلایا۔ لیکن وہاں کے عیسائیوں نے انہیں نہایت ہی ذلت و خواری کے ساتھ وہاں سے نکال دیا تھا۔ اس وقت اسپین کے ہر گلی کوچہ میں یہی نعرہ بلند ہو رہا تھا۔ مسلمانوں یا تو عیسائی ہو جاؤ یا اسپین چھوڑ دو۔ لاکھوں مسلمان زندہ جلا دیئے گئے تھے۔ لاکھوں تختہ دار پر

لگا دیئے گئے تھے۔ اور لاکھوں طرح طرح کے آزار پہونچا کر مار ڈائے گئے تھے۔ اسی طرح ہندوستان کے ہندو مسلمانوں کو بھی نکال سکتے ہیں۔ یا نیست و نابود کر سکتے ہیں۔ اسی منصوبہ کے مطابق بھارت میں مسلمانوں پر ظلم ڈھائے گئے۔ ان کا نام و نشان مٹانے کی کوشش کی گئی۔ بچے بڑے تہ تیغ کئے گئے۔ اور اب بھی بھارت میں یہ ہی نعرے بلند کئے جا رہے ہیں۔۔۔

مسلمانو! یا تو ہندو مو جاؤ یا بھارت سے نکل جاؤ۔“

اکثر یہ سوال پوچھا جاتا ہے کہ مہاجر پاکستان میں کیوں آئے؟ کیا پاکستان بھارت سے زیادہ خوش حال، دولت مند اور ترقی یافتہ ملک ہے؟ کیا ہندوستان کے اقلیتی مسلمانوں کے مسلمان خاندان بدوش، فاقہ کش اور اذکار رفتہ قوم ہیں؟۔۔۔ ان سوالوں کے جواب میں مسٹر بروہی کے بیان کو یہاں نقل کر دینا زیادہ مناسب ہے۔ کیونکہ مسٹر بروہی خالص سندھی ہیں اور پاکستان کی وزارت قانون کے اسٹیلے اور ممتاز عہدہ پر فائز رہ چکے ہیں۔۔۔ ہندو براہر لال شہر و وزیر اعظم بھارت نے پاکستان کی اقلیتوں کے سلسلہ میں اسلامی دستور پر اعتراضات کئے تھے۔ اور کہا تھا کہ یہ تہذیب و تمدن کا دستور ہے۔ اور جمہوری تصورات کے منافی ہے۔ مسٹر بروہی نے اس کا مدلل اور مفصل جواب دیتے ہوئے بھارت کے لادینی قانون کو اس طرح بے نقاب کیا ہے۔

”مہاجرین بھارت میں اپنے آپ کو غیر محفوظ پا کر اور اپنا سب کچھ چھوڑ کر پاکستان آنے پر مجبور ہو رہے ہیں۔ پاکستان اس قدر خوش حال ملک نہیں کہ بھارتی مسلمان اس کی خوشحالی سے فائدہ اٹھانے کے لئے اپنا گھر بار چھوڑ دینے پر تیار ہو جائیں۔ ان کی ہجرت کی ایک اور صرف ایک وجہ ہے۔ اور وہ یہ کہ بھارت میں اپنے آپ کو محفوظ نہیں پاتے۔ اور جہاں بچانے کی غرض سے پاکستان کا رخ کرتے ہیں۔“

مسٹر بروہی نے پاک پارلیمنٹ میں اسی قسم کے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے بتایا تھا

کو جون ۱۹۵۲ء اور دسمبر ۱۹۵۳ء کے درمیان بھارت سے پاکستان آنے والے مہاجرین کی تعداد میں اضافہ ہو گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بھارت میں مسلمانوں کے لئے حالات اب تک مخدوش ہیں۔

بھارت میں مسلمانوں اور ہندوؤں کے اختلافات کی کیا نوعیت تھی؟ اور اب پاکستان میں کیا حالت ہے؟

(۱) الف، بھارت میں اکثریت و اقلیت کے اختلافات نے شدید صورت اختیار کر لی تھی ہندو اکثریت میں تھے۔ اور مسلمان اقلیت میں۔

(۲) ب، پاکستان میں بھی اکثریت و اقلیت کا جھگڑا شروع ہو گیا ہے۔ مشرقی پاکستان والے اپنے آپ کو اکثریت میں شمار کرتے ہیں۔ اور مغربی پاکستان والوں کو اقلیت میں۔ اس کے علاوہ بنگال، پنجاب، سندھ، صوبہ سرحد اور بلوچستان میں اقلیت کی وجہ سے مہاجروں کی کوئی آواز نہیں ہے۔ مغربی پاکستان میں تو مہاجروں کی حالت کچھ بہتر ہے۔ لیکن مشرقی پاکستان میں تو مہاجروں کی حالت بہت گرمی ہوئی ہے۔ تمام پاکستان میں انصار۔ انصار سے دست بردگیاں ہیں۔ اور انصار و مہاجر کے اختلاف میں بھی تیزی پیدا کی جا رہی ہے۔ حالانکہ یہ سب ایک ہی ملت ہیں۔ ایک ہی خدا۔ ایک ہی رسول اور ایک ہی صحیفہ آسمانی کے ماننے والے ہیں۔ صوبائی تعصب نے ایک دوسرے کو بالمقابل لاکھڑا کیا ہے۔

اسے باغیان بلت۔ باغ مخالفت نے

پتھر دہ کر دیا ہے۔ ہر بھول اس چمن کا (دست)

مولانا بھاشانی نے اپنی ایک تقریر میں مہاجروں کو نصیحت کی ہے کہ جمہوریت کا تقاضا یہ ہے کہ اکثریت کی رائے کو تسلیم کیا جائے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عرب میں جب بت پرستی کے خلاف تبلیغ شروع کی۔ تو ابو لہب اور ابو جہل بھی اکثریت کی

دلیل پیش کیا کرتے تھے۔“

(۷) دالف، بھارت میں زبان کا مسئلہ بہت ہی شدت اختیار کئے ہوئے تھا۔ ہندو اپنی مذہبی زبان سنسکرت کو قومی زبان بنانا چاہتے تھے۔ مسلمان چاہتے تھے کہ ہندی یا سنسکرت زبان کو جو کمزور اور غیر مانوس زبان ہے مسلمانوں پر زبردستی نہ بھونسی جائے۔

(۸) دب، یہ ہی حالت پاکستان میں ہے۔ قائد اعظم نے ہندوستان کے اقلیتی صوبوں کے مسلمانوں کو یہ یقین دلایا تھا کہ پاکستان کی قومی و ملکی زبان اردو ہوگی۔ اور صرف اردو۔ کیونکہ اردو میں اسلامی تہذیب و ثقافت کا بہترین سرمایہ، ہندوستان و پاکستان کی دوسری سب زبانوں سے زیادہ پایا جاتا ہے۔ پنجاب کو چھوڑ کر پاکستان کے ہر صوبہ میں اردو کی مخالفت کی جارہی ہے۔ اس تنگ خیالی اور صوبائی تعصب میں بنگال و سندھ سب سے آگے ہیں۔

(۹) دالف، بھارت میں آریہ نسل کے لوگوں کی اکثریت ہے۔ اور یہ ہی لوگ وہاں کے اقتدار اعلیٰ کے مالک ہیں۔ یہ لوگ نسلی برتری کے قائل ہیں۔ اور بھارت کی دوسری قوموں کو حقارت و نفرت سے دیکھتے ہیں۔ تمام ترقی یافتہ تمدن و ثقافت کو مٹا کر سزاروں برس کی پرانی تہذیب کو پھیلانا چاہتے ہیں۔ مسلمانوں کے لئے یہ بات ناقابل برداشت تھی۔ کہ وہ اسلامی تہذیب و تمدن کو چھوڑ کر دور وحشت و بربریت کی طرف لوٹ جائیں۔

(۱۰) دب، اسلام نسلی و علاقائی برتری کا سخت مخالف ہے۔ لیکن پاکستان میں اسلام کا دعویٰ کرنے والے — بنگالی، سندھی، بلوچی، سرحدی، صوبائی تنگ خیالی میں ایک دوسرے سے باڑی لے جانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ہمارے اکثر سندھی بھائی تو اسلامی تہذیب و تمدن کے بجائے — ”موجودہ“ کی تہذیب و تمدن سے سلسلہ ملا رہے ہیں۔ اور فخر کر رہے ہیں۔ خان عبدالغفار خان (سرحدی گاندھی)، اور خان عبدالصمد خان (بلوچی گاندھی)، تونسلی بنیاد پر بھارت کی حمایت کر رہے ہیں۔

(۴) بھارت میں مسلمانوں کی عزت و آبرو اور حمان و مال محفوظ نہ تھے۔ یہ بھی خدشہ مہاجرین کے لئے پاکستان میں پیدا ہوتا جا رہا ہے۔ مشرقی بنگال میں اسمبلی کے انتخابات پر زیادہ تر مہاجروں نے مسلم لیگ کو ووٹ دیئے۔ اور اردو کی حمایت کی۔ سانی اختلافات کی بناء پر کرفائی میجر لٹل اور دوسرے مقامات پر مہاجرین کے خلاف عوام کے جذبات مشتعل کئے گئے اور فسادات کی صورت اختیار کر لی۔ یہ ہی ناپاک جذبہ پاکستان کے اور صوبوں میں بھی خفیہ طور پر پھیلا جا رہا ہے۔

(۵) بھارت میں مسلمانوں پر روزگار و ملازمت اور کاروبار کے دروازے بند تھے آثار و قرائن سے پتہ چلتا ہے کہ اگر تنگ خیالی و صوبہ پرستی کے جذبات کو اسی طرح ہوا دی گئی تو پاکستان کی سرزمین بھی مہاجروں کے لئے جہنم کا نونہ بن جائے گی۔

(۶) ہندوستان میں غیر مسلم اخبارات ہمیشہ مسلمانوں کے خلاف زہر اگلے رہتے تھے پاکستان میں بھی اکثر اخبارات کو جو مقامی حضرات کی زیورادرات نکل رہے ہیں پڑھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے۔

”قلم میں ان کے نیش عقرب و زنبور رہتا ہے“

۷۔ تعصب و تنگ خیالی کی بنا پر ہندوستان کی اکثریت کو اسلام سے دلی عداوت ہے

”خوف کی چیز ہے۔ اس وقت مسلمان ہونا“

لیکن پاکستان میں مہاجر کو اگر کوئی نعمت حاصل ہے۔ تو وہ مذہبی آزادی ہے۔ اور یہ ایک ایسی چیز ہے کہ جس پر دنیا کی تمام آسائشیں قربان کی جاسکتی ہیں۔

علاؤ اللہ کا شکر ہے کہ ہمارے اکتوبر ۱۹۵۹ء سے مغربی پاکستان کے تمام صوبوں کو ایک وحدت کے رشتہ میں بوند کر ایک صوبہ بنادیا گیا ہے جس کا نام ہے مغربی پاکستان۔ خیال ہے کہ صوبائی تنگ خیالی کے تیز و تند جذبات اب سرد پڑ جائیں گے۔ ع میں یہ سمجھا تری طعنوں بھری تحریک سے ظالم و ظلم میں تیرے نیش عقرب و زنبور رہتا ہے یہ شعر حضرت علامہ مولوی سید عبدالودود صاحب دروہ پری لوی لکھا ہے۔

ایک سندھی بزرگ کا ایک بیان اخباروں میں شائع ہوا ہے جس میں انہوں نے یہ سوال اٹھایا ہے کہ مہاجرین کو دس سال تک حقوق شہریت سے کیوں نہ محروم کر دیا جائے۔ کیونکہ بہت سے مہاجرین پاکستان میں آئے۔ سال دو سال خانہ بدوشی کی زندگی گزاری۔ اور واپس بھارت چلے گئے۔ ان کا نام دوزخوں کی فہرست میں شامل کرنا خلاف قاعدہ ہے۔ اکثر مقامی اخبارات میں اس قسم کے مضامین نظر سے گزرے یا سنئے جن میں مہاجرین کی پستی، گندگی اور بد اخلاقیوں پر طنز کئے گئے ہیں: فرض کر لیجئے کہ یہ تمام الزامات صحیح و درست ہیں۔ تو سوال یہ ہے کہ آرام کی کرسیوں پر بیٹھنے والے میاں زادوں اور اہل ان شہرت کے خواہشمند بزرگوں نے ان غامض برادر لوگوں کی بہتری کے لئے کبھی اپنے ملی، اخلاقی اور انسانی فرائض کو محسوس کیا ہے۔ ۹۰۔

” انسان ایک وقت فاقہ کر سکتا ہے۔ دو وقت فاقہ کر سکتا ہے۔ لیکن اگر اسے مسلسل فاقہ کشی کی زندگی میں مبتلا رکھو گے۔ تو پھر وہ خدا شناسی اور معرفت الہی کی منزل کا تصور کیسے کر سکے گا۔ انسان کے لئے ہوا اور پانی کی جتنی ضرورت ہے اتنی ہی ضرورت غذا لباس اور گھر کی بھی ہے۔ پھر اگر تم اسے ناقص غذا دیتے ہو۔ جو اس کی جسمانی ضروریات کی پوری طرح تکمیل نہیں کر سکتی۔ اگر تم اسے اپنے کپڑے نہیں دیتے۔ جو اس کے جسم کو ضروری حفاظت بہم پہنچا سکیں۔ اور اگر تم اس کے لئے مکان فراہم نہیں کر سکتے جو اسے گرمی اور سردی کی تکالیف سے نجات دے سکے۔ تو پھر تم اس غریب انسان سے۔ اس سوکھے ہوئے جسم اور وحشی ہوئی آنکھوں والے انسان سے۔ اس انسان سے جس کے گال چمکے ہوئے ہیں۔ جس کا رنگ پیلا ہے جس کی آنکھیں بے رونق ہیں۔ جس کا دماغ کمزور ہے۔ جس کا دل مرعین ہے جس کا جگر خراب ہے جس کا معدہ بگڑا ہوا ہے۔ جو رات بھر کھانا کھا رہا ہے جس کا تمام دن بے چینی سے گزرتا ہے۔ اور جس کے پاس نہ تو دو اکے لئے پیسہ ہے نہ غذا کے لئے بھدرا۔ اس انسان سے تم یہ توقع کیسے کر سکتے ہو کہ وہ شرافت و انسانیت

کا مجسمہ ہو گا۔ وہ گناہ سے لرزے گا اور معصیت سے کانپے گا۔
 دیکھو کہ چھوٹے چھوٹے تنگ و تاریک مکانوں میں دن و شب۔ پانچ پانچ انسان کھڑے
 لوٹروں کی طرح سڑے سڑے زندگی کے دن کاٹ رہے ہیں۔ گھر کیا ہیں
 غلاظت کے ڈھیر ہیں۔۔۔ ان مکانوں میں رہنے والوں کی حالت یہ ہے کہ بچوں کے
 پیٹ بڑھے ہوئے ہیں۔ پیپہ بچکے ہوئے۔ بڑوں کی حالت نڈھال رات کو تہمتوں کے
 بجائے بکھانے کی آواز کے سوا اور کچھ نہ سنو گے۔ البتہ کبھی کبھی کوئی کراہ اس
 میں شامل ہو جائے۔ ہر ایک کا مزاج چڑچڑا ہے دیکھو دنیا سے بیزار۔ جسے دیکھو دھڑپ
 کا شاکی۔ آنکھیں آنسوؤں سے خالی۔ مگر دل بروقت غم سے لبریز۔۔۔۔۔ غور کرو کہ
 اس قسم کے انسانوں سے تم کیا توقع کر سکتے ہو؟ کیا ان سے تم یہ چاہتے ہو کہ وہ
 انسانیت کے معیار پر پورے اتریں گے۔ اور ان کے چہروں میں تم کو فرشتوں کا
 نظارہ نظر آئے گا۔

(۸) اخبارات میں اکثر یہ بیانات نظروں سے گزرتے رہتے ہیں کہ پاکستان کی مرکزی حکومت
 اور صوبوں کی حکومتوں کی کوششوں سے مہاجرین کی آباد کاری کے مسائل تقریباً حل ہو چکے ہیں جو کچھ
 باقی رہے ہیں وہ بھی بہت جلد حل ہو جائیں گے۔ یہ بیانات طفلی تسلی سے کہے نہیں ہیں۔ یہ صحیح ہے
 کہ مرکزی حکومت نے مہاجرین کے ساتھ کافی ہمدردی کی ہے اور وہ مہاجروں کی تکلیفوں کو سچے
 دل سے دور کرنے میں کوشاں ہے۔ صوبوں نے بھی مدد کی ہے لیکن اتنی مدد نہیں کی ہے جتنی
 کہ کرنی چاہئے تھی۔ گورنمنٹ کا یہ بیان کہ تمام پاکستان میں مہاجرین کی آباد کاری گورنمنٹ کی
 رہیں منت ہے۔ مبالغہ سے خالی نہیں ہے۔ فیصدی مہاجروں نے خود اپنی کوششوں
 سے کام لے کر اپنی آباد کاری کی تکمیل کی ہے۔ اس میں بگڑی اور رشوت کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔
 یہ صحیح ہے کہ حکومت نے مہاجروں کی خاطر مکانات کی تعمیر کے لئے کارگذاشتیں
 لے کر کئی لاکھ چنڈہ جمع کیا۔ لیکن یہ مہاجرین کے درد کا مداوا نہیں۔

قائد اعظم کے زمانہ کا حال نہ پوچھیے۔ قائد اعظم مہاجرین کے لئے بے قرار رہتے تھے اور مہاجرین
قائد اعظم کے حکم پر اپنی جان نثار کرنے پر تیار

”میں ان کے دل میں رہتا تھا۔ وہ میرے دل میں رہتے تھے“

قائد ملت کا زمانہ بھی... غنیمت تھا۔ مہاجروں کے دل قوی تھے۔ کیونکہ ان کے زمانہ میں
بھی مہاجرین کی کراہ پر فوری توجہ مبذول کی جاتی تھی۔ لیکن ان کی شہادت کے بعد مہاجر جنس
لاوارث بن کر رہ گئے۔ ”کوئی اتنا نہیں جو آنسو پونچھے“

(۹) زمانہ ساز مہاجر۔ ہندوستان سے پاکستان میں مہاجروں کے نام سے کچھ کالی بھیڑیں بھی آگئی
ہیں۔ یہ ہندوستان میں بھی ملت فروخ اور ابن الوقت تھے۔ اور پاکستان میں بھی ان کا طرہ امتیاز
یہ ہی ہے۔ پاکستان میں کچھ تو ”مال مفت“ پر قبضہ کر کے ”رئیس ابن رئیس“ یا جاگیر دار بن گئے ہیں
کچھ نے اعلیٰ عہدوں پر قبضہ کر لیا ہے۔ اور کچھ مہاجروں کے خود ساختہ نیڈر بن گئے ہیں۔ یہ مہاجر
نہیں ہیں۔ اور نہ یہ مہاجروں کے نمائندے ہیں۔ ان پر ہندوستان میں کوئی مصیبت نازل نہیں
ہوئی۔ ان کا سب سے بڑا مقصد ہے۔ ذاتی مفاد۔ خویش پروری اور اقربا نوازی۔ لوٹ کھسوٹ
میں مہاجر و انصار سب برابر ہیں۔ یہ مہاجروں میں مہاجر ہیں۔ اور انصار میں غیر مہاجر۔ ان کی بدتمیزی
اور بدافعالیوں نے مہاجرین کے طبقہ کو رسوا کر دیا ہے۔ عام تجربہ یہ ہے کہ ان کی سیاسی
تلا بازیوں نے مہاجروں کو بہت نقصان پہنچا تا ہے۔

”حافظ۔ انہائے زمان را غم مکیان نیست“

جنس تجارت

ہندوستان کے اقلیتی صوبوں کے مسلمان اگر ہندوستان میں رہتے ہیں۔ تو اکثریت کا اقتدار اپنے جو روستم کی چکی میں پیسنے کی کوشش کرتا ہے۔ اور اگر مہاجر بن کر پاکستان میں داخل ہوتے ہیں۔ تو یہاں بھی اکثریت کے طعنہ ہائے دل خراش کا شکار بننا پڑتا ہے۔

”ترے آزاد بندوں کی نہ یہ دنیا نہ وہ دنیا“

اقلیتی صوبوں کے مسلمانوں نے ہندوستان میں اکثریت کی چیرہ دستیوں سے محفوظ رہنے کے لئے اپنی علیحدہ تنظیم کی۔ اور علیحدہ ادارے قائم کئے۔ جب یہ لوگ مہاجر بن کر پاکستان آئے تو یہاں بھی اپنی علیحدہ انجمنوں اور اداروں کی بنیاد ڈالی۔ مہاجر لیگ، مہاجر انجمن، مہاجر کانفرنس، مہاجر کونینشن اور اسی قسم کی بے شمار جماعتیں وجود میں آ گئیں۔ موقع شناس اور زمانہ پرست حضرات نے ان سے خوب ناجائز فائدے حاصل کئے۔ ایک مرتبہ شہید ملت یاق علی خان صاحب نے مہاجروں کو قیمتی مشورہ دیا تھا کہ وہ ابھی پاکستان کی سیاست سے اپنے آپ کو آلودہ نہ کریں ورنہ وہ تباہ و برباد ہو جائیں گے۔ ہمیں چاہیئے تو یہ تھا کہ ہم پاکستان میں اپنے طریقہ کار کو بدل دیتے۔ غریب اور متوسط طبقوں کے مہاجروں کو مزدوروں اور کسانوں (ہاریوں) کی جماعتوں سے ربط و ضبط بڑھانا چاہیئے تھا۔ دولت مند اور زمیندار مہاجروں کو سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کے فحل عاطفت میں بنانا یعنی چاہئے تھی۔ ایسا کرنے کے بجائے خود عرض اور جاہ پسند مہاجر لیڈروں نے خائماں برباد اور غریب مہاجروں کو اپنا آلاکار بنا کر اسمبلی کی ممبریوں اور حکومت کے اعلیٰ مراتب حاصل کرنے کا ایک ذریعہ بنا لیا۔ مہاجر اور مقامی میں دائمی نفرت کا بیج بویا۔ اسی طرح مقامی سرمایہ داروں اور جاگیرداروں نے مقامی مزدوروں، کسانوں اور دوسرے غریب طبقوں کو مہاجروں کے خلاف لاکھڑا کیا۔ اور

مہاجر و مقامی کو ایک دل بنانے کے بجائے ان کے درمیان باہمی اختلاف و مفارقت کی ایک وسیع و عظیم خلیج پیدا کر دی۔ مہاجر کو نہ پاکستان میں چین ہے اور نہ ہندوستان میں ”درد، جس پہلو سے لوٹو۔ درد ہے“

شعبہ ملت لیاقت علی خان صاحب نے ایک بار اپنی تقریر میں فرمایا تھا، کہ اگر پاکستان تباہ ہو گیا، تو مہاجر کا کہیں ٹھکانا نہیں رہے گا۔ ہندوستان جا نہیں سکتا ہے۔ پاکستان میں زندگی گزارنی دشوار ہو جائے گی۔ بجز اس کے اور کوئی چارہ نہیں رہے گا۔ کہ اگر اچھے کے قریب سمندر میں غرق ہو کر جان دے دے۔

”مہاجرین کو ٹھہر لیڈر اور وزیر نے مقاصد برآری کے لئے استعمال کرنا شروع کیا۔ مختلف مہاجر انجینئرس کیم عدم سہرہ وجود پر لائی گئیں۔ ان کے عہدہ داروں نے مہاجرین کے نام پر سب کچھ حاصل کیا۔ حشرات الارض کی طرح ان کے لیڈر نکل آئے۔ ناظم آباد میں ایک ایک نام تہاد مہاجر لیڈر پانچ پانچ کو اربڑوں پر قبضہ کئے بیٹھا ہے۔ لالو کھیت میں آباد کاری کے بعض افسروں کی تجارت ہماری ہے“

”اسی باز آری سیاست میں تم نے کسی قوموں کی قسمتیں خریدی تھیں۔ اور آج خود مارکیٹ

کی جنس بن چکے ہو۔ کہ ہر لہ گیر تمہاری بولی دے کر لے سکتا ہے“

۱۔ سردار عبدالرب نشتر نے ایک تقریر میں فرمایا تھا۔

”آج حالت یہ ہے، کہ مہاجرین کو غیر کہا جاتا ہے۔ اور مہاجرین پریشان ہیں۔ کہ وہ کیا کریں۔

آج آپ رو رہے ہیں۔ کہ اگر اچھی سے اٹھا کر ڈرگ روڈ میں پھینک دیا گیا۔ اور آپ کو خطرہ ہے

کہ اب لیر سے اٹھا کر آپ کو لاندی میں پھینک دیا جائے گا۔ اگر مہاجرین نے اسی طرح جلسے کرنے جلوس نکالنے اور تجویزین پاس کرنے پر اکتفا کیا۔ تو آپ کو ایک روز اگر اچھی سے اٹھا کر دریائے سندھ میں

غرق کر دیا جائے گا۔

میں اپنے ذاتی تجربہ کی بنا پر کہہ سکتا ہوں کہ ان طریقوں سے نہ تو آپ کی بستیوں میں روشنی اور پانی کا انتظام ہو سکے گا اور نہ آپ کو قبرستان کے لئے زمین ملے گی۔

آپ نے مہاجروں سے کہا کہ وہ کسی شخص کا سیاسی آلہ کار بننے سے بچیں۔ کیونکہ مہاجروں کی حالت خراب ہے۔ اور ہر شخص انہیں اپنے ذاتی مفاد کے لئے آلہ کار بنانے کی کوشش کر رہا ہے۔ آپ نے مہاجروں کو متحد ہو جانے کا مشورہ دیا اور کہا کہ جب تک آپ ایک آواز ہو کر اپنے مطالبات پیش نہیں کریں گے، اس وقت تک اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوں گے۔

۷، جب ڈاکٹر خان صاحب وزیر اعلیٰ مغربی پاکستان۔ نواب شاہ بیہونچے۔ تو کئی سو مہاجروں کے ایک عجم نے ڈاکٹر خان صاحب زندہ باد کے نعروں سے ان کا خیر مقدم کیا۔ ڈاکٹر خان صاحب نے ان لوگوں سے کہا کہ تمہیں کسی ہستی کے لئے نعرے نہیں لگانے چاہئیں۔ کیونکہ کسی نے ابھی تک تمہاری کوئی ایسی خدمت نہیں کی ہے جس کی تمہیں ضرورت تھی۔

اغوا شدہ عورتیں

تقسیم ملک کے وقت پاکستان اور بھارت میں عورتوں اور بچوں پر بے انتہا مظالم ڈھائے گئے تھے، لیکن دونوں ملکوں نے ۱۹۴۷ء کے آخر میں اغوا شدہ عورتوں اور بچوں کی بازیابی کے لئے جدوجہد شروع کر دی تھی مسلمان اغوا شدہ عورتوں اور لڑکیوں کا تعلق مشرقی پنجاب اور مشرقی پنجاب کی ریاستوں سے ہے، اور غیر مسلم اغوا شدہ عورتوں اور بچوں کا تعلق صرف مغربی پنجاب سے ہے۔ مشرقی پنجاب اور ملحقہ ریاستوں میں سکھوں اور ہندوؤں نے مسلمان عورتوں پر اس قدر اخلاق سوز اور ننگ انسانیت مظالم کئے ہیں کہ تاریخ عالم اس سے بڑی کوئی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔

۱۸ اگست ۱۹۴۷ء کے بعد مشرقی پنجاب کی خاک مسلمانوں کے خون سے رنگین ہوتی گئی مسلمانوں کی نعشیں کس مپرسی کے عالم میں پڑی ہوئی سڑنے لگیں۔ اور کتوں گیدڑوں، چھیوں اور کوؤں کی خوراک بن گئیں، قتل عام کی مہم ایسی تند اور صہ گیر تھی کہ مردوں، عورتوں، بچوں بوڑھوں، بیماروں، ابا، بچوں، اور درویشوں، سب کو بلا امتیاز تہ تیغ کیا، جوان عورتوں کی آبدوزی ایسے ایسے بہیمانہ طریقوں سے کی گئی کہ بچاری کے بعد دیگے درجنوں مردوں کا تحتہ مشق بننے کے باعث نیم جان ہو گئیں یا مر گئیں، معصوم بچوں کو ان کی ماؤں کے سامنے نیزدوں میں پرو دیا کہ پاکستان کے جھنڈے بنائے گئے، اور بچوں کو یکجا کر کے بھڑکانی ہوئی آگ میں پھینک دیا گیا.....

..... کچھ قصوں میں گھس کر مسلمان مردوں اور عورتوں کو ذبح کر دیتے

اور جوان لڑکیوں کو گھسیٹ کر اپنے ساتھ لے جاتے تھے۔
 اسلام کی وہ بہادر خواتین ہماری تاریخ کے لئے مایہ ناز ہیں۔ جنہوں نے جوان
 مردوں کی طرح وحشی سکھوں سے لڑ کر جاہلانے شہادت نوش کئے۔ جو اپنی عزت و
 آبرو کو بچانے کی خاطر دریاؤں میں کود پڑیں۔ اور ان کی لہروں میں ہمیشہ کے لئے غائب
 ہو گئیں۔ جنہوں نے محصور ہو جانے کی صورت میں گھر کی دوسری تیسری منزل پر چڑھ کر
 جھلانگیں لگا دیں۔ تاکہ دشمن جیتے جی ان کے پاک جسموں کو ہاتھ نہ لگانے پائیں۔ جنہوں
 نے کڑوؤں میں کود کر اپنی زندگیوں کا خاتمہ کرنے کی ٹھان لی۔ لیکن دشمن کے ہاتھ قید ہونا
 گوارا نہ کیا۔

۱۹۴۷ء کے ہنگامہ قیامت میں امرتسر کے اسٹیشن پر ایک سکھ نے ایک مسلمان
 سے پانی کے ایک گلاس کی فحری قیمت تین سو روپیہ وصول کی تھی۔ کیونکہ اس کا کچھ پیاس
 سے مر رہا تھا۔ اور پناہ گزینوں کی ٹرین سے کوئی کوئی مسلمان بچے اتر کر خود پانی نہیں
 لے سکتا تھا۔

تقسیم ہند کے بعد وہی میں جو مساد ہوا تھا۔ تو پہاڑ گنج کے علاقہ میں وحشی درندوں نے
 مسلمان عورتوں کا برہنہ جلوس نکالا تھا۔

مشرقی پنجاب میں مسلمان عورتوں پر مظالم کی داستانیں جب مغربی پنجاب کے مسلمانوں
 کے کانوں تک پہنچیں۔ تو وہ بھی انتقامی جذبات سے مغلوب ہو کر شیطانی افعال کے مرتکب ہوئے
 کل پاکستان مسلم لیگ کے سالانہ جلسہ میں۔ جو کہ ۱۲ اکتوبر ۱۹۵۲ء کو ڈھاکہ میں منعقد ہوا تھا۔
 جناب سردار عبدالرب (وزیر صنعت و صنعت) نے یہی تقریر میں فرمایا تھا۔ کہ پاکستان عظیم قربانیوں
 سے عالم وجود میں آیا ہے۔ نوے ہزار مسلمان عورتوں کو غیر مسلم ذبردستی اپنے ساتھ لے گئے ہیں
 اغوا شدہ عورتوں کے متعلق ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے۔ جناب خواجہ شہاب الدین
 صاحب نے پاکستان پارلیمنٹ میں بتایا تھا۔ کہ اغوا شدہ عورتوں اور بچوں کی تعداد بتانا ناممکن

ہے لیکن جہاں تک معلوم ہوا ہے۔ اغوا شدہ عورتوں اور بچوں کی تعداد ۴۶ ہزار سے کم نہیں ہے۔
۹ اگست ۱۹۵۰ء کے روزنامہ انگریزی ڈان میں مدیر محترم نے اغوا شدہ عورتوں پر ایک
مقالہ سپرد قلم فرمایا ہے۔ جس میں بتایا ہے۔

”ساتھ ہزار مسلمان اغوا شدہ عورتوں کی فہرست پاکستان گورنمنٹ نے
بھارت گورنمنٹ کو بھیجی تھی.....
اور بھارت گورنمنٹ نے نو ہزار (۹۰۰۰) ہندو اغوا شدہ عورتوں کی فہرست
پاکستان گورنمنٹ کو بھیجی تھی.....
صرف ایک شہر امرتسر میں ۵ ہزار مسلمان عورتیں اغوا کی گئیں“

مغربی پاکستان میں اغوا شدہ عورتوں کی بازیابی کی کمیٹی کے صدر شیخ صادق حسن نے کہا کہ
پنجاب سے تقریباً نام غیر مسلم مغویہ عورتوں کو ڈھونڈ کر بھارت واپس بھیج دیا ہے۔ بہت ہی کم ایسے
مغویہ افراد ہیں جو نشان وہی کی عدم فراہمی کے باعث ابھی بازیاب نہیں ہو سکے ہیں۔ انہوں
نے کہا۔ صوبہ سرحد اور آزاد کشمیر میں البتہ کچھ مغویہ عورتیں ہیں۔

(۱) حکومت پاکستان نے تمام مغربی پاکستان کو انتہائی کوششوں سے چھان مارا
ہے۔ اور کثیر تعداد میں ہندو اور سکھ عورتیں جن کا پتہ مل سکا۔ بھارتی حکومت کو پہنچا
دی گئی ہیں۔ اس کے برخلاف بھارت میں ابھی تک ۵۰۰۰۰ (پچاس ہزار) اغوا شدہ
مسلمان عورتیں موجود ہیں جو کہ خاموش مایوسی میں اپنے دن گزار رہی ہیں.... (ڈان ہٹھی)
(۲) ابھی تک ۵۰ ہزار (پچاس ہزار) مسلمان اغوا شدہ عورتیں بھارت میں موجود
ہیں۔ بھارت ان کی بازیابی میں تامل سے کام لے رہا ہے۔

(روزنامہ ڈان۔ ۲۷ اکتوبر ۱۹۵۳ء۔ اغوا شدہ عورتیں)

(۳) اب بھی ہندوستان میں تقریباً ۳۵ ہزار (چالیس ہزار) مسلمان اغوا شدہ عورتیں موجود ہیں (روزنامہ انجام۔ کراچی۔ سہ اگست ۱۹۵۶ء)

”دہلی میں پاکستان اور بھارت کے افسروں کی ایک کانفرنس ہوئی تھی۔ ایک بھارتی افسر نے کہا کہ مسلم خواتین کو برآمد کرنے کے بعد تحقیقات کرنے کی عرض سے بھارتی نگرانی میں رکھا جائے گا۔ صرف ان خواتین کو پاکستان کے حوالے کیا جائے گا جو پاکستان جانے کی خواہشمند ہوں اس کا فیصلہ بھی ہندوستانی افسر کریں گے“

ریاست حیدرآباد (دکن) میں کانگریسی ہندوؤں نے مسلمان عورتوں پر جو لرزہ خیز مظالم کئے۔ ان کا مختصر سا حال پنڈت سندھ لال جی سے سینے جو کہ مہاتما گاندھی کے مشہور چیلوں میں سے تھے۔ اور بھارت کے ممتاز رہنما پر۔

”جب بھارتی فوج نے حیدرآباد پر حملہ کیا۔ تو اس وقت کانگریس کے گڈا عناصر نے حیدرآباد ریاست کے ہر اس گاؤں پر حملہ کیا جس میں مسلمان آباد تھے۔ اول بالغ مسلمانوں کو قتل کر دیا۔ اس کے بعد مسلمان عورتوں کی عصمت درمی کی مسلمانوں کے تمام اثاثا بیت۔ از قسم۔ روپیہ، زیور، خانگی سامان، غلہ اور جانور وغیرہ لوٹا۔ میں نے خود اپنی آنکھ سے دیکھا کہ مسلمانوں کے مکانوں کی چھتیں آگ لگی تھیں۔ میں نے دیکھا کہ مواعضعات کے تمام کنوئیں لاشوں سے پتے پڑے تھے۔ میں ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں میں گھومتا پھر اچھے سو اے تباہی و بربادی کے کچھ افسر نہیں آیا۔ شام کی عبادت میں میں نے کہا کہ اے میرے خدا! کیا تو نے مجھے یہاں صرف لاشوں کو گنتے کے لئے بھیجا ہے“

ج۔ عونہ خواتین کی باذیالی کمیٹی کے صدر شیخ صادق حسن نے کہا کہ ابھی ساٹھ ہزار عورتیں اور لڑکیاں بھارت میں غیر مسلموں کے قبضہ میں ہیں — (۱۴ دسمبر ۱۹۵۵ء نئی روشنی کراچی)

۱۔ انجام کراچی۔ سہ اگست ۱۹۵۶ء

۲۔ دن کراچی۔ ۳ جولائی ۱۹۵۶ء

”حیدرآباد میں مظالم“

بھارت کی حکومت نے جب حیدرآباد دکن، پر حملہ کیا، تو اس کے روح رواں میجر جنرل چودھری تھے۔ بھارت میں یہ فاتح دکن کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں۔ حیدرآباد کے مسلمانوں کی تباہی اور مسلمان عورتوں کی آبروریزی کے یہ ہی ذمہ دار ہیں۔ فروری ۱۹۵۷ء میں حیوانات کی نمائش میں شرکت کی عرض سے یہ لاہور آئے تھے۔ حکومت پنجاب نے ان کا خیر مقدم بھی کیا۔ اور سرکاری مہمان نوازی کے فرائض بھی ادا کئے۔ میاں شیخ صاحب نے پنجاب اسمبلی میں ایک تحریک اس مفہوم کی پیش کی تھی جو کہ مسترد کر دی گئی تھی کہ ”حکومت پنجاب نے میجر جنرل چودھری کو سرکاری مہمان بنا کر ایک ایسا کام کیا ہے، جو کہ قومی فیرت کے خلاف ہے“

پاکستان ایک اسلامی جمہوریہ ہے اور اس جمہوریہ کے آٹھ کروڑ مسلمان ان اعوان سیدہ مسلمان عورتوں کو بالکل فراموش کر چکے ہیں۔ ان میں نہ تو کوئی جذبہ غیرت ہے، اور نہ ان کے دل ان بے بس و بے کس عورتوں کے لئے بیتاب ہیں۔ تاریخ اسلام میں ایسے بہت سے واقعات مشہور ہیں کہ مسلمان مطلق العنان ہادشاہوں نے ایک عورت کی فریاد پر غیر مسلم سلطنتوں پر صرف اس لئے دھاوے بول دیئے تھے کہ وہاں کی بے کس مسلمان عورت نے ان فرما نہرواؤں کو اعانت کے لئے پکارا تھا۔

یہاں چند مشہور واقعات درج کئے جا رہے ہیں۔

(۹)۔ تاریخ اسلام کا یہ ایک مشہور واقعہ ہے کہ لشکا میں جسے عرب (سیلان) کہتے تھے، ایک جماعت عرب تاجروں کی معاہل و عیال کے رہا کرتی تھی۔ اتفاقاً ایک مسلمان تاجر وفات پا گیا لشکا کے راجہ نے متوفی کی بیوہ اور لڑکے، لڑکیوں کو بڑے آرام سے ایک جہاز پر سوار کر کے خلیفہ ولید بن عبد الملک کے پاس روانہ کر دیا۔ حجاج ابن یوسف سفی حاکم اعلیٰ تھا جب یہ جہاز سندھ کی مشہور بندرگاہ دبیل (دبیل) کے قریب پہونچا۔ تو سندھی قزاقوں نے لوٹ لیا۔ ان قیدیوں میں سے ایک عورت بے اختیار پکار اٹھی کہ ”فریاد“۔ اے حجاج“ جب یہ خبر حجاج کو پہونچی تو وہ بیتاب ہو گیا، اور انتہائی جوش میں کہہ اٹھا کہ ہاں میں آیا“ اس واقعہ سے حجاج کے دل پر چوٹ لگی۔ اور اس نے قیدیوں کو

لھانے اور سندھ کو فتح کرنے کا مقصد ارادہ کر لیا۔ حجاج نے اپنے چچا زاد بھائی محمد بن قاسم کو سندھ کی مہم پر روانہ کر دیا۔ محمد بن قاسم نے راجہ واپہر کو شکست دی۔ ان قیدی عورتوں کو رہا کر لیا۔ اور عرب بھیج دیا۔

(ب)۔ حکم بن ہشام۔ فرمانروائے اندلس۔ (۹۴ھ - ۸۲۱ھ)۔

۹۴ھ (۸۱۱ء) میں اتفاقی طور پر ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ اور اس سے حکم کی توجہ اور مبذول ہو گئی۔ ایک اندلسی شاعر عباس نامی نے اس کے سامنے ایک قصیدہ پیش کیا کہ اس نے ایک عورت کی فریاد سنی جو امیر کا نام لے کر دہائی دے رہی تھی۔ حکم نے واقعہ کی تفصیل پوچھی۔ تو معلوم ہوا کہ وہ ایک قافلہ کے ہمراہ تھی جس پر دشمنوں کا ایک دستہ حملہ آور ہو گیا تھا۔ سب لوگ قتل کئے گئے۔ اور وہ زندہ گرفتار کر لی گئی۔ اس وقت اس عورت نے یہ فریاد کی۔ حکم تیری مائی بچہ۔ تو نے ہمیں بھلا دیا۔ ہم بڑھ و یتیم ہو گئے۔ حکم یہ سن کر بہت متاثر ہوا۔ اور جہاد کا اعلان کر کے فوج کو کوچ کا حکم دیا۔ وادی الحجارة کے پاس وہ واقعہ پیش آیا تھا۔ چنانچہ اسی سمت روانہ ہو کر عیسوی حکومت کے حدود میں داخل ہوا۔ متعدد قلعے فتح کئے۔ بہت سے شہروں کو لوٹ لیا۔ بہت سے لوگ قتل کئے گئے۔ اور بہت سے گرفتار کئے گئے جن میں عورتیں بھی تھیں۔

اس کے بعد قیدیوں کا تبادلہ کر لیا گیا۔ وہ فریاد کرنے والی عورت تبادلہ میں واپس آئی۔ واپس کے بعد حکم نے سرحد اول اور خصوصاً اس عورت سے پوچھا کہ تم لوگوں نے حکم کو فریاد کے لئے پکارا تھا؟ لوگوں نے اثبات میں جواب دیا۔ اور اس کے حق میں دعائیں کیں۔ اس کے بعد حکم قرطبہ واپس چلا گیا۔

(ج) ماموں نے اپنے بھائی معتمد کو ولی عہد مقرر کیا۔ معتمد بالہ علم و ادب سے بیگانہ تھا۔ لیکن ولیری و شجاعت میں بیگانہ روزگار تھا۔ مورخین اس کو "سپاہی خلیفہ" کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔ معتمد جن دنوں یابک خزمی سے برسرِ پیکار تھا۔ قیصر روم نے سرحدی شہروں پر شرمناک مظالم کئے۔ مسلمان مرد و عورتوں کو گرفتار کر کے لے گیا۔ ناک کان کاٹ والے۔ اور آنکھوں میں گرم سٹلائیں

پھر وادیں۔

کہتے ہیں کہ ان گرفتار شدہ عورتوں میں سے ایک نے فریاد کی۔ اے مقتضم ہماری مدد کر
مقتضم کو جب یہ بات معلوم ہوئی۔ تو غصہ سے بہرہ سرخ ہو گیا۔ اور تخت پر دیوانہ وار چلایا۔ "میں
ابھی آیا۔ ابھی آیا۔ چنانچہ اسی وقت فوج کو روانگی کا حکم دے دیا۔

جمادی الثانی ۱۲۲۲ھ میں مقتضم ایک لشکر جو ار کے ساتھ عموریہ کی مہم پر روانہ ہوا۔ یہ مقام
انگورہ سے سات میل کے فاصلہ پر تھا۔ قیصر بھی یہ خبر سن کر ایک لاکھ فوج کے ساتھ مقابلہ کو نکلا۔ اسلامی
لشکر نے محاصرہ کیا۔ منجیفون سے پتھر برسائے ایک جگہ شگاف ہوا اور مسلمان اندر داخل ہوئے
اور فتح کا نعرو بلند کیا بے شمار مال غنیمت ہاتھ آیا۔ مگر مقتضم نے عالی طرفی سے کام لے کر قتل عام سے
فوج کو باز رکھا اور معمولی لوٹ مار بھی نہ ہونے دی۔ خلیفہ نے حکم دیا کہ اس عورت کے پاس مجھے لے
چلو۔ جس نے میرا نام پکار کر فریاد کی تھی۔ اس عورت کی جائے قیام پر خلیفہ خود گئے۔

(۱۵)۔ محمد ابن ابی عامر۔ اندلس کا مشہور فرمانروا تھا۔ مورخین اسے منصور بھی کہتے ہیں۔
نیرہ کی عیسائی ریاست میں ایک بار منصور کا سفیر گیا۔ اور آزادی کے ساتھ مختلف مقامات کی سیر کی
ایک گرجے میں ایک مسلمان بوڑھی سی لی۔ جو کہ وہاں بطور لونڈی کے رکھی گئی تھی۔ سفیر نے واپس
آکر منصور کو یہ ماجرا سنایا۔ منصور نے قرار ہو گیا۔ فوراً اٹھ کھڑا ہوا۔ اور فوج کو حملہ کا حکم دے دیا۔
جب فوج نیرہ کے قریب پہنچی۔ تو وہاں کے عیسائی بادشاہ نے سفیر بھیج کر درخواست کی۔ کہ عالیجا
بندہ سے کیا قصور سرزد ہوئے ہیں۔ میں تو آپ کا باجگزار ہوں۔ منصور نے کڑک کر کہا۔ کہ تم نے ہم سے
تسمیہ کہا تھا۔ کہ تمہارے یہاں کوئی مسلمان قیدی نہیں ہے۔ حالانکہ ایک گرجے میں ایک مسلمان قیدی
عورت موجود ہے۔

عیسائی بادشاہ نے اپنی لاعلمی کا اظہار کیا۔ اس عورت کو پیش کر کے معافی چاہی۔ بڑھیکا کو کافی
زرد جو اہر بھی دیئے اور اس گرجے کو منہدم کرادیا۔

یہاں اپنے عزیز گرام فرما جناب محمد شریف صاحب ایم۔ اے۔ اسٹورنٹ ہائی اسکول لاٹکانہ کا
انتہائی ممنون ہوں کہ انہوں نے اندلس کے یہ تاریخی واقعات ہم پر فرمائے۔

یہ تھا صحیح جذبہ غیرت کہ ایک عورت کی فریاد پر سلطنت کا ہر فرد بیتاب تھا۔ اور جب تک ان قیدی عورتوں کو آزاد نہیں کر لیا۔ تب تک خواب و خور اور عیش و آرام اپنے اوپر حرام کر لیا تھا۔ معصوم لڑکیوں اور پاکباز عورتوں کی عصمت وری کا مذموم جرم خواہ بندوں اور سکھوں سے سرزد ہو۔ خواہ مسلمانوں سے۔ عالم انسانیت میں یہ بدترین اور ناقابل معافی گناہ ہے۔

”مسلمانوں کی تاریخ حاضر میں سب سے بڑا المناک حادثہ جس پر ہر مسلمان فرط اضطراب سے بھج اٹھا یہ تھا کہ تقسیم ہند کے وقت مشرقی پنجاب اور ملتان ریاستوں میں مسلمان عورتیں اور لڑکیاں غیر مسلموں نے جبراً اپنے قبضہ میں کر لیں۔ اور ان کو زندگی بھر کے لئے گناہ اور معصیت کی زندگی پر مجبور کر دیا تھا۔ اس سے قبل اگر کبھی اکا۔ و کا عورت بھی گمراہ ہو کر کسی غیر مسلم کا گھر جا ساتی تھی۔ تو پورا مسلم ہندوستان چلا اٹھا تھا۔ ہمیں یاد ہے کہ جب اپنے خاوند سے نجات حاصل کرنے کے لئے ایک عورت آریہ سماج کی شرن میں چل گئی تھی۔ تو پورے ہندوستان میں آگ سی لگ گئی تھی۔ مسلمان محسوس کرتے تھے کہ اس بد نصیب عورت کی ایک ایک بات پوری ملت اسلامیہ کی توہین کے مترادف ہے۔ لیکن پاکستان جسے نہ امی قوم بے غیرتی و بے حیثیت کے ایک ایسے اٹھارہ سمندر میں غرق ہو گئی۔ کہ پچاس۔ ساٹھ ہزار مسلمان عورتوں کی آبرو پر بھی وہ صبر کر کے رہ گئی۔ یہ صبر بے غیرتی کا صبر تھا۔ عانی طرفی کا صبر نہیں تھا۔ مگر اس نے عبرت حاصل کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔“

یوپی کا مہاجر

صوبہ یوپی۔ انگریزی دور حکومت میں صوبہ متحدہ آگرہ و اودھ کے نام سے مشہور تھا۔ اور اب اتر پردیش کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ یہاں کے مسلمانوں نے ہمیشہ تمام دنیا کے مسلمانوں سے اظہارِ ہمدردی کیا ہے۔ اگر ترکی، مراکش، طرابلس، مصر، عرب، فلسطین، ایران یا کسی اور اسلامی ملک کے کسی مسلمان کے پاؤں میں ایک کانٹا بھی چبھ جاتا تھا، تو اس صوبہ کا ہر مسلمان اس کانٹے کی غلش اپنے دل میں محسوس کرتا تھا۔ جنگ بلقان و طرابلس میں اس صوبہ کے مسلمانوں کی بے قراری و بے چینی کا صرف وہی لوگ صحیحہ اندازہ کر سکتے ہیں جنہوں نے وہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ تحریک خلافت کے زمانہ میں تمام ہندوستان کے مسلمانوں میں سب سے زیادہ قربانی اسی صوبہ کے مسلمانوں نے پیش کی ہے۔

خجھر چلے کسی پہ۔ تڑپتے ہیں ہم امیر سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے
۱۸۵۷ء کے عذر میں اسی صوبہ کے مسلمان زیادہ تر تختہ دار پر چڑھانے گئے ہیں۔ اور اسی صوبہ کے مسلمانوں کی جاؤں میں ضبط کی گئی ہیں۔ عالمگیر جنگ اول میں حضرت شیخ الہند مولانا محمد حسین اسی صوبہ سے تعلق رکھتے تھے جنہیں انگریزوں نے مالٹا میں نظر بند کر دیا تھا۔ رئیس الاحرار مولانا حسرت موہانی اسی صوبہ کے رہنے والے تھے جو کہ ایثار و قربانی میں عدیم النظم ہستی تھے۔ علی برادران۔ (مولانا محمد علی جوہر اور مولانا شوکت علی) اسی صوبہ کے باشندے تھے جن کی قربانیاں تاریخ ہند کے صفحات پر ثبت دوام حاصل کر چکی ہیں۔ اسی صوبہ کے ہزاروں اور لاکھوں مسلمانوں کے نام پیش کئے جاسکتے ہیں جنہوں نے صلہ و ستائش کی تمناؤں سے بالاتر ہو کر مسلمانانِ عالم پر اپنے جان و مال کو قربان کر دیا ہے۔

حضرت سید احمد (رائے بولیوی) نے خدا کی زمین پر حکومت الہیہ قائم کرنے کے

لئے جام شہادت نوش فرمایا۔ اور خاک پاک بالا کوٹ میں ابدی نیند سو رہے ہیں۔ یہ عظیم المرتبت اور جلیل القدر ہستی اسی صوبہ سے تعلق رکھتی ہے۔

قائد ملت نواسزادہ لیاقت علی خان اولین وزیر اعظم جمہوریہ پاکستان اسی اجڑے ہوئے دیار کے رہنے والے تھے جنہوں نے اگست ۱۹۵۱ء میں اپنی آخری تقریروں میں فرمایا تھا:-
 ”اگر پاکستان کی حفاظت کے لئے — پاکستان کی بقا کے لئے — پاکستان کی عزت کے لئے — قوم کو خون بہانا پڑا۔ تو لیاقت کا خون بھی اس میں شامل ہو گا؟“
 (۲) ”میرے پاس ایک جان باقی ہے۔ سودہ بھی پاکستان کی نذر کر چکا ہوں۔ اور اگر میرے خون کی ضرورت ہوئی تو وہ بھی حاضر ہے۔“

قائد ملت صوبائی شخصیت سے بالاتر۔ جمہوری اصولوں کے علم بردار۔ قائد اعظم کے نقش قدم پر چلنے والے۔ مہاجروں کے ہمدرد اور مہاجرین کے لئے ہوئے قائد کے سالار کارواں تھے جب تک زندہ رہے۔ ملک و قوم کی خدمت کرتے رہے۔

سردار امیر اعظم خان۔ وزیر مہاجرین پاکستان، نے ریڈیو پاکستان سے تقریر کرتے ہوئے کہا تھا:-

میں نے قائد ملت لیاقت علی خان صاحب سے کہا۔ کہ میں نے آپ کی جائداد کے تبادلہ کا پورا انتظام کر لیا ہے۔ آپ نے کہا کہ اگر میں نے اپنی جائداد کا تبادلہ کر لیا۔ تو سب سے بڑا گناہ گار ہوں گا خدا مجھے بخشے گا نہیں۔ کیونکہ مجھ سے بڑھ کر صاحب ثروت اپنا سب کچھ قربان کر کے پاکستان آئے ان کی جائداد کا کیا ہو گا۔ میں خدا کے سامنے منہ دکھانے کے قابل نہ رہوں گا۔“

کھوکھرا پار کے راستہ سے جس قدر مہاجر پاکستان میں داخل ہوئے۔ ان میں سے ۸۰ فیصدی یو۔ پی کے رہنے والے ہیں۔ ان میں سے کچھ تو متوسط طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور کچھ مزدور و پیشہ ہیں۔ ان کی تباہ حالی اور بے خانمان زندگی کا نقشہ، لا لاکھیت، ڈرگ روڈ کالونی سعید آباد و سکھر اور لاڑکانہ میں جا کر دیکھ لیجئے۔

میرجی۔ اس طرح سے آتے ہیں • جیسے کنجر کہیں کو جاتے ہیں۔

مشرقی بنگال عوامی لیگ کے صدر مولانا عبدالحامد مٹھاشانی نے فرمایا۔ کہ یوپی اور بہار کے مہاجرین نے پاکستان کے لئے بے پناہ قربانیاں دی ہیں اور یہ جانتے ہوئے کہ یوپی اور بہار پاکستان میں شامل نہیں ہوں گے۔ انہوں نے اس مملکت کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کر دیا۔ ہم ان کی ان قربانیوں کو کبھی فراموش نہیں کر سکتے ہیں؟

یوپی سے کچھ بلند پایہ خاندان بھی پاکستان میں آ گئے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو وہاں بھی بادہ عیش و راحت سے مست و سرشار تھے۔ ایک طرف ان پر انگریز کے لطف و کرم کی یادیں بوری تھیں اور دوسری طرف مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے اپنی آتشیں نواسی کی واد بھی حاصل کر رہے تھے۔ ان کی صحیح تصویر یہ ہے۔

نکر لیڈر کو بہت ہے مگر آرام کے ساتھ قوم کے غم میں ڈنکا تکتا ہے حکام کے ساتھ (اکبر) یہ خوش قسمت اور زمانہ پرست لوگ غریب مسلمانوں کی قربانی کے طفیل سے پاکستان میں بھی جاہ و دولت کے اعلیٰ مقامات پر فائز ہیں۔

جو غریب مسلمان بھارت میں باقی رہ گئے ہیں۔ ان کا حال اور مستقبل دونوں تاریک ہیں

کچھ خاک میں ملیں گے۔ تو کچھ ہوں گے جو دیگر

یہ واقعہ صحیح ہے۔ مگر دل خراش ہے (اکبر آل آبادی)

اور جو مہاجرین کہ پاکستان کی گلیوں اور شاہراہوں میں خاک چھانتے پھر رہے ہیں وہ تپ و تپ، اسل اور امراض متعدی کے شکار بن کر پیام اجل کا انتظار کر رہے ہیں۔ ان کے حال اور مستقبل دونوں پر گھٹا ٹوپ اندھیرا چھایا ہوا ہے۔

لکھنؤ کے مشہور اخبار صدق نے یوپی کے قدیم ترین قوم پرست روزنامہ حقیقت کا ایک ادارہ اپنی اشاعت میں نقل کیا ہے ۱۹۴۶ء کے بعد یوپی میں رہنے والے مسلمانوں

پر کیا گزری ؟ اس اداریہ میں مطالعہ کیجئے :-

حیدر آباد کے گزشتہ اجلاس میں فرقہ واریت کے خلاف تقریر کرتے ہوئے ہمارے صوبہ کی سیکور حکومت کے وزیر اعلیٰ گوند بلب پنت نے فرمایا : ہندوستانیوں کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ پاکستان کی نقل کرتے ہوئے اپنے ملک میں فرقہ وارانہ ماحول پیدا کریں :- پاکستان میں تو خیر کٹرے ہی پڑے ہیں ، لیکن پنت جی سے ہمیں صرف یہ دریافت کرنا ہے کہ ہندوستان میں فرقہ وارانہ ماحول کیا صرف اشتراکیت پسندوں کے ہنسنے سے پیدا ہوا ہے ؟ یا اس میں آپ کی حکومت کا بھی ہاتھ ہے ؟ کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ ہندوستان بھر میں سب سے زیادہ فرقہ واریت آپ ہی کے صوبہ میں کی گئی ۔ ہندی کے فروغ دینے کے بہانہ سے اردو کو مٹانے کا عزم سب سے پہلے آپ ہی کی سیکور حکومت نے دلا دیا ؟ حکومت نے شروع کیا ۔ مسلمانوں کو سرکاری ملازمت میں بھید عہدوں سے محروم رکھنے کی پالیسی پر کیا یوپی کے سوا اور کسی صوبہ میں پوری سختی کے ساتھ عمل کیا گیا ۔ کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ ۱۹۴۷ء کے بعد سے فرقہ وارانہ فسادات کی تعداد میں آپ کے صوبہ یوپی کا ریکارڈ تمام دیگر صوبوں سے بڑھا ہوا ہے ۔ پھر کیا آپ اس سے لاعلم ہیں ۔ کہ کھوکھرا پار کے راستے سے جو ہزاروں مسلم مہاجرین ترک وطن کر کے مغربی پاکستان چلے گئے ۔ اور اب بھی چلے جا رہے ہیں ۔ اس میں اتنی فیصدی آپ ہی کے صوبہ کے مسلمان ہوتے ہیں ۔ کیا یہ سب کچھ پاکستان کی تقلید میں ہو رہا ہے ؟

بھارت کی حکومت نے ۱۹۵۱ء کی مردم شماری کے اعداد و شمار شائع کئے ہیں ۔ اس کے مطابق بھارت میں مسلمانوں کی تعداد ۳ کروڑ ۴۷ لاکھ ۷۷ ہزار ۸۲۱ ہے ۔ تمام بھارت میں مسلمانوں کی سب سے زیادہ تعداد یوپی میں ہے ۔

۱۵ د ۶۴ و ۶۶

بہار

۵۹ د ۶۷ و ۶۸

مغربی بنگال

۲۶ د ۸۱ و ۸۲

حیدر آباد

یوہنی میں اب بھی مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ ہے۔ پہلی بھیت۔ برٹنی۔ پرا یون
مراد آباد۔ علی گڑھ، مظفر گڑھ دھرتی، میں وسیع پیمانہ پر فرقہ وارانہ فسادات ہو چکے ہیں۔ لکھنؤ میں
میں اردو کانفرنس کے رضا کار مسٹر جعفر پر چاقو سے حملہ کیا گیا۔ اور مسٹر حیات اللہ انصاری ایڈیٹر
قومی آواز دھرتی کو صرف اس جرم میں زود کو قتل کیا۔ کہ یہ لوگ اردو کو یوہنی میں علاقائی
زبان تسلیم کرانے کی عہد و جہد سے وابستہ ہیں۔

لیاقت خیر و معاہدہ کے مطابق بھارت کی حکومت اس بات پر راضی ہو گئی تھی۔ کہ وہ ان
تمام پناہ گزینوں کو جو کہ یکم فروری ۱۹۵۰ء سے ۳۱ مئی ۱۹۵۰ء تک کھوکھرا پار کے راستہ
سے پاکستان میں داخل ہوئے تھے۔ واپس لے لے گی۔ جن کی تعداد تقریباً ۸۱۹/۳۳۲
ہے۔ لیکن بھارت کی حکومت نے اب تک صرف ۸۴/۵۲۶ پناہ گزینوں کو واپس
لیا ہے۔ ان پناہ گزینوں میں اسی فیصدی یوہنی کے باشندے ہیں۔

جب ان پناہ گزینوں کو ٹرین کھوکھرا پار سے لے کر بھارت کی سمت روانہ ہوئی تو
یہ لوگ اس وقت بھی پاکستان کو نہ بھولے اور براہ پر۔ "پاکستان زندہ باد۔
کے نعرے لگاتے رہے۔

یوہنی کا مسلمان دنیا کے کسی خطہ میں ہو۔ لیکن وہ پاکستان کا ایک جاننا
سچا ہی ہے۔"

داغ۔ ہر جہاں گر دے۔ ہر جانی ہے
آپ کے سر کی قسم۔ آپ کا شیدا ہی ہے

کاش پاکستان کی حکومت اس کی قدر کرتی۔ اور ان کے جذبات کے مطابق ان سے کام لیتی۔

ہندو تارکان وطن کے لئے تمام مغربی پاکستان ایک تسلیم شدہ علاقہ ہے جو مسلمان مہاجرین تسلیم شدہ علاقوں سے آئے ہیں۔ انہیں مغربی پاکستان میں زمینوں کا مستقل الاٹمنٹ دیا گیا ہے۔ لیکن جو مسلمان مہاجرین غیر تسلیم شدہ علاقوں - دیوبند، بہار، سسی پور وغیرہ سے آئے ہیں، انہیں زمینوں کا الاٹمنٹ عارضی طور پر کیا گیا ہے۔ گویا پاکستان میں اقلیتوں صوبوں کے مہاجرین اور خاص طور پر دیوبند کے مہاجرین کے ساتھ بے انصافی نہیں ہے۔ حالانکہ اپریل ۱۹۵۶ء میں متفقہ اور غیر متفقہ علاقہ کا امتیاز ختم کر دیا گیا ہے لیکن بے انصافی کا سلسلہ ابھی تک بدستور ہے۔ مستقبل کے لئے یہ ایک بہت ہی زبردست بات ہے۔ کہ تسلیم شدہ اور غیر تسلیم شدہ رقبوں کے امتیاز کو قائم رکھا جائے۔ یہ ایک ایسی بات ہے جسے قائم رکھنا نہیں چاہیے تھا۔ بلکہ چار برس پہلے جب کرنی واپی کی حکومت نے مغربی بنگال کو چھوڑ کر تحلیل شدہ جہادوں کا قانون تمام بھارت میں جاری کر دیا تھا۔ اس معاہدہ کو ختم کر دینا چاہیے تھا۔

مسٹر احمد جعفر نے مہاجر کنونینشن کے خطبہ استقبالیہ میں فرمایا تھا۔

”سب سے اہم مسئلہ اس منحوس اور غیر اسلامی تقسیم کا ہے۔ جسے طے شدہ اور غیر طے شدہ علاقہ کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ اور جس کی آڑ لے کر مہاجروں کو دو ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔ مجھے یہ کہنے میں کوئی ہاک نہیں ہے۔ کہ وہ لوگ پاکستان کے دشمن ہیں جو مہاجرین کی بدعنوانی اور دکھ درد سے کھیل رہے ہیں۔ اور اس تباہ کن فرق کو جلد سے جلد مٹانے کی راہیں ڈھونڈنا پیدا کر رہے ہیں۔“

بھارت میں مسلمانوں کو سہریہ تبدیلی مذہب کا مسئلہ آج کل سب سے زیادہ روحانی تھک

کا باعث بنا ہوا ہے۔ پاکستان کی حکومت نے اپنی بے بسی و لاچارمی کا رونا دیا ہے۔
بس ان بے کس اور مظلوم بھارتی مسلمانوں کے دین و ایمان کا خدا ہی حافظ و ناصر ہے۔
مسٹر ظفر اللہ خان وزیر خارجہ پاکستان نے بتلایا ہے:-

• ہندوستان میں اب تک ۹۳ فسادات ہو چکے ہیں۔ جبری تبدیلی مذہب کے
بارہ میں صحیح اعداد و شمار فراہم کرنا مشکل ہے۔ لیکن حال ہی میں ایک موقع پر ایک ہزار
۵ سو اشخاص کے جبری تبدیلی مذہب کی خبر ملی تھی۔

• پاکستان کے وزیر خارجہ نے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے پاکستان
پارلیمنٹ میں شکایت کی کہ پاکستان کے ہائی کمشنر متعینہ ہند مسٹر غضنفر علی خان کو اس
ملک میں ہونے والے فسادات اور دوسرے واقعات کے بارہ میں مواد جمع کرنے
کی اجازت نہیں ہے؛

ارتداد اور ہجرت کے علاوہ مسلمانان بھارت کی آئندہ نسلوں کو بھارتی کلچر کا جو
زہر آہستہ آہستہ پلایا جا رہا ہے وہ انتہائی خطرناک ہے۔

تقسیم کے بعد پانچ سال کا عبوری دور گزر چکا۔ طوفانِ قدرے تھما ہے۔ لیکن ایک
طوفان اور ہے جو کلچرل سیلاب کی سطح کے نیچے پرورش پا رہا ہے۔ یہ طوفان
خاموش ہے۔ لیکن اس طوفان سے جو جسم و جان اور مال و جائداد سے آگ اور
خون کی ہولی کھیتا ہے۔ زیادہ خطرناک ہے۔ یہ طوفان دل و دماغ کی دنیا پر ہل بولتا
ہے۔ اور قوموں کے مزاج کو بدل ڈالتا ہے۔

یو۔ پی میں مسلمانوں پر کس کس طریقہ سے مظالم کئے جا رہے ہیں۔ اس کے متعلق
اخبار الحمیتہ (دہلی)، کا یہ نوٹ پڑھیے:-

”ہماری سمجھ میں آج تک نہیں آیا کہ ہم حکومت یوپی کو جو ہندوستان بھر میں علم آزادی
کیلئے شہور ہو چکی ہے کن الفاظ میں یاد کریں۔ اور کس طرح سے اس کے شائد کارناموں کو نظر

عام پر لائیں۔ وہ بلاشبہ اپنے کرتوتوں پر خوش ہوئے، مگر اچھی طرح سمجھ لے کہ دنیا اندھی
 نہیں ہے۔ سب جانتے ہیں کہ مسلمانوں کے بارہ میں یو۔ پی۔ گورنمنٹ کا مشن کیا رہا
 ہے۔ اور اب تک وہ کس راہ پر چل رہی ہے؟



مجرانہ قیادت

قائد اعظم نے فرمایا تھا۔ "اتحاد، تنظیم، اور یقین محکم کے زریں اصول پر کاربند رہو۔" جماعتی طاقت کے لئے یہ تینوں اصول نہایت ضروری ہیں۔ نماز کی بھی اس وقت تک تکمیل نہیں ہو سکتی۔ جب تک اتحاد اور تنظیم سے کام نہ لیا جائے۔ قرآن پاک میں مسلمانوں کو اتحاد و تنظیم کی اس طرح تلقین کی گئی ہے۔ "تم سب اللہ کی رسی کو اکٹھے ہو کر کھٹے رہو۔ اور اپنی تنظیم کو منتشر نہ ہونے دو۔"

دنیا کی کوئی قوم ہو، وہ صرف اس وقت تک زندہ کہلائی جاتی ہے جب تک اس قوم کے اصول زندہ ہیں۔ جن کی بنا پر وہ قوم عالم وجود میں آئی تھی۔ اگر اس کے اصول ختم ہو گئے ہیں۔ تو وہ قوم مروجی ہے۔ خواہ وہ ظاہر میں کتنی ہی شان و شوکت رکھتی ہو۔

پاکستان میں برسرِ ذمہ، خواہ وہ کسی جماعت کا لیڈر ہو۔ یا کوئی رکن سلطنت — اپنی تحریر و تقریر میں قائد اعظم کے ارشادات — اتحاد، تنظیم اور یقین محکم — کا اعادہ اپنا فرض سمجھتا ہے۔

سوال یہ ہے کہ کیا پاکستانی۔ بانی پاکستان کے ان زریں اصولوں پر سچے دل سے عمل کر رہے ہیں؟ کیا پاکستان کی تمام صفوں میں ایسا ہی اتحاد ہے جیسا کہ ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار میں ہو سکتا ہے؟ کیا ہم اپنی قوت بازو اور فلوادی عزائم پر پورا پورا اعتماد رکھتے ہیں؟ اس مسئلہ پر مسٹر محمد علی دہلوی، وزیر اعظم پاکستان کے تاثرات زیادہ وزن رکھتے ہیں۔ بانی پاکستان کی پانچویں برسی پر مسٹر محمد علی نے کہا تھا۔

قائد اعظم نے تین زریں اصول ہم کو بتائے تھے۔ تنظیم، اتحاد، اور یقین محکم۔ میرے خیال میں ان تینوں اصولوں میں سے اتحاد کا اصول سب سے اہم ہے۔ اس حقیقت

سے نہ آپ انکار کر سکتے ہیں۔ اور نہ میں کہ قائد اعظم کی وفات کے بعد قوم کے اتحاد کو نقصان ضرور پہنچا ہے۔“

ہم اس وقت کس دور سے گزر رہے ہیں؟ اس بات کے جاننے کے لئے گورنر جنرل اور مقرر روزنامہ ڈان کا تبصرہ پڑھنے کی چیزیں ہیں۔ اور یہ ہی کافی سے زیادہ ہیں۔

انگریزی روزنامہ ڈان، کراچی کے ایک مقالہ افتتاحیہ کا عنوان ہے۔ مہجرانہ قیادت۔ یہ اخبار حکومت پاکستان کا ایک نیم سرکاری اخبار ہے۔ اس مقالہ میں مدیر محترم کی تبلیغ ذاتی ان کے درد دل کی صحیح کیفیت کا پتہ دیتی ہے میں نے اس موضوع پر خامہ فرسائی کے بجائے یہ ہی مناسب سمجھا کہ اس مقالہ کا خلاصہ پیش کر دیا جائے۔

میں اگر کچھ بھی کہوں گا۔ تو شکایت ہوگی

محترم غلام محمد صاحب گورنر جنرل پاکستان نے مشرقی پاکستان کے دورہ کے سلسلہ میں قوم کے نام ایک پیغام میں کہا ہے۔ سب سے پہلے پاکستان کا مفاد عزیز رکھا جائے۔ ہم ایک ہی خاندان کے رکن ہیں۔ اگر پاکستان مرتا ہے۔ تو کون زندہ رہے گا۔ اور پاکستان زندہ ہے تو کون مرے گا۔ پاکستان ایک ناقابل تقسیم وحدت اور ہم سب کی مشترکہ مہراث ہے۔ خواہم مشرق میں رہتے ہوں یا مغرب میں۔ پاکستان کے لئے اس وقت سب سے زیادہ ضروری چیز قومی اتحاد کی ہے۔“

اس پیغام پر تبصرہ کرتے ہوئے مدیر ڈان تحریر کرتے ہیں۔ اس پیغام سے مرصن کا تو پتہ چل جاتا ہے۔ لیکن اب تک کسی نے اس بیماری کا صحیح علاج نہیں بتلایا۔ اور نہ اب تک ان حقائق کو بے نقاب کرنے کی کوشش کی گئی۔ اس حقیقت کے اظہار کی گورنر جنرل کو اس وقت کیا ضرورت پیش آگئی ہے؟

اس کے تین اسباب ہیں۔ پہلی یہی بات یہ ہے۔ ابھی جبکہ ہماری قومی وراثت ہی مضبوط بنیادوں پر قائم نہیں ہوئی۔ دعویداران وراثت نے لڑنا شروع کر دیا ہے۔ دوسری یہی بات

یہ ہے کہ اس مہلک مرض میں ہمارے ملک کے جمہور مبتلا نہیں ہیں۔ بلکہ صرف وہ مسطحی بھرا نرا مبتلا ہیں جو کہ لیڈر قائد کہلاتے ہیں۔ تیسری کچی بات یہ ہے کہ وہ جماعت جو مسلم لیگ کہلاتی ہے اور جس کا جائزہ دعویٰ ہے کہ اس نے پاکستان کی جنگ میں فتح حاصل کی ہے۔ اور جس نے ملت کی خاطر ماضی میں شاندار خدمات انجام دی ہیں۔ اور پاکستان کے عالم وجود میں آنے سے اب تک مرکز اور صوبوں میں جس کی وزارتیں برسرِ اقتدار ہیں۔ آج وہ جماعت نا اتفاقی۔ بے حنا بطگی اور تخریبی رجحانات کا اگھاڑا بن گئی ہے۔

زیادہ واضح اور صاف الفاظ میں اس طرح کہا جاسکتا ہے کہ پاکستان کے عوام کے رہنما پاکستان کے عوام کے مفاد کو تقریباً پس پشت ڈالنے والے ہیں۔ اور انہوں نے قائد اعظم کے ارشادات کو۔ اتحاد، یقین محکم اور تنظیم۔ ہی میں پاکستان کی ترقی کا راز مضمر ہے۔ بھلا دیا ہے یہی لوگ ہیں جو کہ جہاد و اقتدار کے لئے برسرِ پیکار ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی عبادت میں ذاتی اغراض، بدگمانی، نا اتفاقی اور نفرت کے جذبات کو مشتعل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ان میں سے چند تو اس حد تک بڑھ گئے ہیں کہ اخباروں اور ٹیلیٹ فارم سے ایک ایسی مہم جاری کر رکھی ہے کہ جس سے قومی اتحاد کے شیرازہ کے منتشر ہونے کا خطرہ پیدا ہو سکتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ مرکزی وزارت میں نفاق و افتراق پیدا ہو گیا ہے لیگ میں مختلف گروہ۔ اعلیٰ کمان کو مختلف سمتوں میں کھینچ رہے ہیں۔ اور صوبوں کے چند ارباب اقتدار اور سیاسی رہنماؤں کے افعال سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ واحد قومی طاقت یعنی مرکزی قیادت کی نافرمانی پر تلے ہوئے ہیں جن لوگوں کے شانوں پر قوم و سلطنت کی ذمہ داری و رہنمائی کا بار گر ان رکھا ہوا ہے۔ انہیں ان حقائق عریاں پر غور کرنا چاہیئے۔ اور حکومت کے حاکم اعلیٰ سے لے کر ایک چھوٹے صوبہ کے ادنیٰ وزیر تک کو اول اپنا دل ٹٹونا چاہیئے۔ اور اسی طرح مسلم لیگ کے رہنماؤں کو اول اپنے افعال کا جائزہ لینا چاہیئے۔ اور یہ محسوس کرنا چاہیئے کہ یہ زہر صرف انہی تک محدود ہے۔ اور پاکستان کے تمام جمہور کے قلوب

بالکل پاک و صاف ہیں۔ ان رہنماؤں کو یہ بھی جانا چاہیئے کہ اگر وہ اپنے زہر کے علاج میں کامیاب نہ ہو سکے۔ تو حقیقت میں وہ قوم کو نے ڈوبیں گے اور پاکستان کو تباہ کر ڈالیں گے۔ ان لوگوں کو اس دھوکے میں نہیں رہنا چاہیئے کہ پاکستان کے عوام اس بات سے واقف نہیں ہیں کہ دستوری سفارشات کس پر وہ میں کیا ہو رہا ہے ؟۔
(۱۴ فروری ۱۹۵۳ء۔ اقتباس،

محترم ایڈیٹر ڈان نے مندرجہ بالا مضمون اس وقت لکھا جب الحاج خواجہ ناظم الدین وزیر اعظم تھے۔ لیکن پانچ ماہ کے بعد جب کہ مسٹر محمد علی (بنگالی) وزیر اعظم ہیں (ڈان کے جذبات کا مطالعہ) ڈان کا ادارہ مورخہ ۱۴ جون ۱۹۵۳ء۔

گورنمنٹ نے ملک کی ہیئت حاکمہ میں اچانک اور ڈرامائی انداز میں جو رد و بدل کیا تھا۔ اس کے دو ماہ بعد تک بھی عوام کے سیاسی خیالات میں ایک عدم توازن کی کیفیت ہے۔

آج پاکستان کا وقار و منزلت کے انتہائی نقطہ نظر پر ہے۔ ہمارے کئی دوست جو دنیا کے مختلف ملکوں میں بستے ہیں، ہم سے گہری ہمدردی رکھتے ہیں۔ بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہم پر رحم کھا رہے ہیں۔ ان کا زاویہ نگاہ کچھ اس طرح کا ہے۔۔۔ بدقسمت پاکستانیوں کو بڑی بڑی مشکلات کا سامنا ہے۔ وہ اپنے نوزائیدہ ملک کو چلانے میں دقت محسوس کر رہے ہیں۔ ان کی صفوں میں انتشار پیدا ہو چکا ہے۔ ہم ان کی اندرونی مشکلات میں کوئی مدد نہیں کر سکتے۔ لیکن بیس ان کے لئے حالات کو اور سنگین نہیں بنانا چاہئے۔“

یہ ہے وہ حالت جو ہم نے اس ملک کی کر رکھی ہے۔ جو دنیا کی پانچویں عظیم ترین اور اسلامی دنیا کی سب سے بڑی مملکت ہے اور جس کی بنیادیں، اتحاد و تنظیم اور یقین محکم پر اٹھائی گئی تھیں۔ آج پانچ سالوں کے مختصر عرصہ میں ہم نے کتنی بڑی بزمیت اٹھائی ہے۔ حالانکہ جنگ آزادی میں کھائے ہوئے بیشمار رزم بھی تک منڈل نہیں ہوئے ہیں۔“

صوبائی عصبیت

قائد اعظم کے ارشادات پر

”اے میرے عزیز ہم وطنو! اب تم ایک قوم ہو۔ ایک آزاد جمہوریت کے مالک۔ تمہاری جمہوریت نہ کسی پنجابی کی ذاتی ملکیت ہے۔ نہ سندھی کی۔ نہ پٹھان کی اور نہ بنگالی۔ صرف تمہاری ہے۔ لہذا تم اگر خود کو مستحکم اور غیر فانی بنانا چاہتے ہو۔ تو خدا کے واسطے صوبائی تعصب چھوڑ دو۔“

(۷) بڑی ضرورت اس بات کی ہے۔ کہ آپ اپنے کو پنجابی۔ سندھی۔ بلوچی وغیرہ کہنا درجھنا چھوڑ دیں۔

تقسیم ہند سے قبل مخالفین پاکستان مسلمانوں سے کہا کرتے تھے۔ کہ تم کہتے ہو۔ کہ تم ایک ملت ہو۔ لیکن تم ایک ملت کس طرح کہے جاسکتے ہو۔ بنگالی مسلمان۔ مدراسی مسلمان۔ بمبئی کے مسلمان۔ پنجابی مسلمان۔ سندھی مسلمان اور پٹھان مسلمان میں کوئی بات مشترک نہیں ہے۔ تم لوگ زبان تہذیب۔ لباس وغیرہ وغیرہ میں اس قدر ایک دوسرے سے مختلف ہو۔ کہ کوئی تمہیں ایک ملت نہیں سمجھ سکتا ہے۔ قائد اعظم کی قیادت میں ہم نے شمع پاکستان کے اعتراضات کو بالکل غلط ثابت کر دکھایا اور انہیں بتا دیا۔ کہ اسلام کا شمع ہمارے درمیان ایسا مضبوط ہے جس کے سامنے مقامی رسم و رواج اور ثقافت بالکل بے معنی ہے۔ یہ ایک سچائی تھی۔ اور سچائی ہمیشہ قائم رہنے والی چیز ہے۔ لیکن آج کل پاکستان پاکستان کے رہنماؤں نے تنگ نظری کا قابل نفرت مظاہرہ کیا ہے۔

پاکستان میں دو تین بیماریاں نئی پیدا ہو چکی ہیں۔ جن میں سے ایک ہملک بیماری صوبائی عصبیت ہے۔ جو بڑی سرعت سے بڑھ رہی ہے اور کوئی صوبہ ایسا نہیں جو اس سے خالی ہو کہیں کم اور

کہیں زیادہ۔ یہ حالت ہو گئی ہے۔ قومی نقطہ نگاہ سے سوچنا۔ اور دیکھنا چھوڑ دیا ہے
 ہر صوبہ کو اپنا گدھا۔ دوسرے کے گھوڑے سے اچھا نظر آتا ہے۔ حمام میں شبنم گئے ہیں
 قائد اعظم کی عقابانی نگاہوں نے مسلمانانِ پاکستان کی تنگ خیالیوں اور صوبہ پرستی کے
 رجحان کو ابھی طرح سمجھایا تھا۔ انہوں نے صوبائی عصبیت کی لعنتوں سے قوم کو آگاہ کیا
 ”بارہا نالید۔ و۔ گفت۔ اے قوم مایید ادا شو“

انہوں نے متعدد بار قوم سے کہا کہ ”جب تک صوبائی عصبیت ختم نہیں ہوتی۔ اس
 وقت تک پاکستان کی قومیت کا صحیح احساس پیدا نہیں ہو سکتا“

آج کل پاکستان میں صوبائی عصبیت اور تنگ نظری اس قدر شدت اختیار کر
 گئی ہے کہ معقولیت اور توازن کا دامن ہاتھ سے چھٹ گیا ہے۔ اور انفع و
 نقصان کی تمیز مٹتی جا رہی ہے۔
 پچھلے ہفتہ انجمن اتحاد و یختوں نے وزیر اعلیٰ سرحد و وزیر خوراک۔ انجن
 مسلمانانِ پنجاب نے وزیر اعلیٰ پنجاب۔ اور سندھی مجلس نے وزیر اعلیٰ
 سندھ۔ کے اعزاز میں دعوتیں دیں۔ سندھی مجلس کی دعوت
 طعام میں جو تقریریں ہوئیں۔ وہ انتہائی شراغیز اور شعل کرنے والی تھیں مقررین
 نے بار بار یہ مطالبہ کیا کہ تمام غیر سندھی ملازمین کو ملازمتوں سے نکال دیا جائے
 ان کی جگہ سندھیوں کا تقرر ہو۔ اور صوبہ میں جو غیر سندھی آباد ہیں۔ ان کو کسی قسم کی
 مراعات نہ دی جائیں۔ ہماری اطلاع یہ ہے کہ اس جلسہ میں صوبہ سندھ کے
 وہ تمام رہنما اور لیڈر بھی موجود تھے جو اپنے آپ کو عوامی رہنما کہتے ہیں
 وزیر اعظم پاکستان مشر محمد علی بنگالی کا یہ کہنا۔ کہ
 صوبائی عصبیت کے خلاف ان کے اتباہ کا خاطر خواہ اثر ہوا ہے

صوبائی تعصب کی ایک بدترین مثال یہ ہے۔

دارالطنت کراچی میں جو حقیقت میں مہاجروں کا شہر ہے۔ ابھی کل کی بات ہے کہ ایک شہر پر کالج کے پرنسپل نے ایک مہاجر طالب علم کو کالج میں داخلہ سے صرف اس بنا پر انکار کر دیا کہ مہاجر طالب علموں کے لئے اب جگہ باقی نہیں رہی ہے حالانکہ وہ طالب علم میٹرک کے امتحان میں اول درجہ میں پاس ہوا تھا۔ اور اعلیٰ حیثیت حاصل کی تھی۔“

قائد اعظم محمد علی جناح اور قائد ملت لیاقت علی خان کی زندگی میں کسی صوبہ کے وزیر اعلیٰ یا وزیر کو یہ جرات نہیں ہوئی کہ وہ صوبائی بنیاد پر اپنے صوبہ کے لئے مطالبات پیش کرے۔۔۔۔۔ آج قائد ملت کی شہادت کو پورے چالیس روز بھی نہیں ہوئے کہ بعض وزراء نے صوبائی تحصیل کاراگ الاپنا شروع کر دی ہے۔۔۔۔۔ سندھ کے وزیر اعلیٰ نے یہ مطالبہ کیا ہے کہ کسی سندھی کو گورنر بنایا جائے۔ نیز سندھ کے کسی ڈپٹی میئر کو سفیر بنا کر بھیجا جائے۔

قائد اعظم کی برسی پر محترمہ فاطمہ جناح نے فرمایا تھا۔۔

۱۱، ہمارے ملک میں صوبہ واریت، فرقہ بندی، اور دوسرے ضمنی امتیازات کو ابھارا گیا ہے۔ تاکہ ملک کی ترقی کی راہ میں حائل جو جائیں گزشتہ پانچ سال میں حکومت اور عوام کے تعلقات خوشگوار نہیں رہے۔

(۷) خاتونِ پاکستان محترمہ فاطمہ جناح نے فرمایا: کہ عرصہ سے پاکستان میں صوبائی عصبیت کے غیر صحت مند اور خطرناک رجحانات نمایاں ہو رہے ہیں جو انتہائی طور پر قابل مذمت ہیں کیونکہ

یہ پاکستان کے بنیادی تصور کی جڑیں کاٹتے ہیں۔

قائد اعظم کے جن ولادت پر صوبہ پرستی کی احنت کا ذکر کرتے ہوئے مسٹر غلام محمد گورنر جنرل پاکستان نے فرمایا تھا۔

"یہ ایک دردناک حقیقت ہے کہ قائد اعظم نے آج سے چار سال پہلے ہم کو جو تنبیہ کی تھی، وہ آج بھی معنی نہیں رہے۔ انہوں نے اعتراف کیا کہ یہ زہر اب تک جسم سیاست میں موجود ہے۔ اور ہم اس خطرے سے بالکل غافل ہیں کہ یہ زہر ایک دن پورے نظام کو مفلوج کر دے گا۔ بلکہ اس کی وجہ سے پاکستان کی ہستی تک خطرہ میں ہے۔"

یوم پاکستان کے موقع پر قوم کے نام ایک پیغام نشر کرتے ہوئے گورنر جنرل مسٹر غلام محمد نے صوبائی عصبیت کے متعلق فرمایا تھا۔

فرقہ پرستی کے پہلو پہ پہلو صوبائی عصبیت بھی ہماری زندگی میں ایک سیاہ دیو کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور اس کو مغلوب کرنا بھی ہمارا اتنا ہی بڑا فرض ہے۔ بعض لوگ مشرقی اور مغربی پاکستان میں آسنیاں کے بھی موجود ہیں۔ جو پاکستان کے استحکام پر اپنے صوبائی مفاد کو ترجیح دیتے ہیں۔ یہ ہمارا دو وحدت اور سالمیت کے ہر تہمین دشمن ہیں۔ اور ان کی تنگ نظری قوم کے لئے نقصان دہ ثابت ہوگی۔ ان سے ہم سب کو احتراز کرنا چاہیئے۔"

مسٹر فضل الحق کا بیان ہے۔ مشرقی پاکستان ہی پاکستان کا واحد یونٹ ہے۔ جہاں ایک زبان ہے ایک نسل ہے۔ اور ان کا ایک ہی تمدن ہے۔

آباد کاری کے متعلق مشاہیر پاکستان کے خیالات

قائد اعظم کے ارشادات :-

- (۱) پاکستان خواہ دیوالیہ ہو جائے ایک ایک مہاجر کو آباد کیا جائے گا۔
 - (۲) جب تک ہم سب مہاجرین کو آباد نہیں کر لیں گے۔ تب تک ہم چین سے نہیں بیٹھیں گے
 - (۳) جب تک ہم مہاجرین کو آباد نہیں کر لیتے۔ ہم پر عیش و آرام حرام ہے۔
- شہید ملت لیاقت علی خان جب تک زندہ رہے ہر طریقے سے مہاجروں کی دلجوئی کرتے رہے۔ وہ مہاجروں کے بچے غمگن تھے۔ مہاجران سے دیوانہ وار محبت کرتے تھے وہ ہمیشہ اپنی تقریروں میں فرمایا کرتے تھے۔

”دفاع کے بعد مہاجروں کی آباد کاری کا مسئلہ سب سے زیادہ اہم ہے“

جناب لیاقت علی خان کی شہادت کے بعد مہاجرین کی آباد کاری کے متعلق ملک میں جو جوش و خروش پایا جاتا تھا۔ وہ رفتہ رفتہ سرد پڑ گیا۔ قائد اعظم محمد علی جناح کے انتقال کے بعد مہاجرین کے مسائل کو کس حد تک سلجھانے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس کا صحیح اندازہ ذمہ دار اور مشاہیر ملک کے مندرجہ ذیل بیانون اور تقریروں سے کیا جاسکتا ہے۔

جناح عوامی لیگ کے لیڈر حسین شہید سہروردی کی تقریر کا خلاصہ :-

مجھے افسوس ہے کہ حکومت اپنے مشغلوں میں گرفتار ہے۔ اور مہاجرین کے مسئلہ پر توجہ نہیں دے رہی ہے۔ یہ حکومت کراچی کو صاف ستھرا بنانا چاہتی ہے۔ ان گندے۔ بے گھر بے سہارا مہاجروں کو غیر ملکوں کی نظر سے چھپانا چاہتی ہے۔ تاکہ اس پر کوئی الزام نہ آئے۔ اس لئے انہیں کراچی سے نکال کر ایسی جگہ پھینکا جا رہا ہے۔ جو سانپوں اور کچھڑوں کا مائن ہے۔ اور جہاں پر ہر وقت بیت اثری رہتی ہے۔ ڈرگ روڈ میں مہاجرین کی آباد کاری کی اسکیم ۵ سال پرانی ہے۔ لاکھوں روپیہ

خرچ کر کے بھی حکومت مہاجرین کو محالوروں کی طرح رکھنا چاہتی ہے۔ اور اسے آباد کاری کا نام دیتی ہے۔
انجام کراچی۔ ۲۱ ستمبر ۱۹۵۳ء

سرदार عبدالرب نشتر

۱۱، ہماری حکومت چھ سال تک ان مشکلات کا حل معلوم نہ کر سکی۔ تو وہ بڑی انجان اور بھری حکومت ہے۔ مہاجرین کو ایک مقام سے دوسرے مقام پر منتقل کرنے سے یہ مسئلہ طے نہیں ہو گا۔ کیونکہ ہندو کے طعنے یا غیر ملکیوں کی آنکھوں سے بے گھر اور بے در مہاجرین کو چھپانے سے مہاجر آباد نہیں ہو سکتے ہیں۔

پاکستان میں ہندو اور سکھ اتنی حائد اور چھوڑ گئے تھے کہ تمام مہاجرین آباد ہو سکتے تھے لیکن ان حائد ادوں پر مقامی حضرات نے قبضہ کر لیا۔ اور لالچ میں آکر بڑے بڑے لوگوں اور زراہدوں کے پاؤں پھسل گئے۔ دخطبہ صدارت کا اقتباس، ۱۱ روز کراچی ۲۱ اکتوبر ۱۹۵۳ء

۱۲، آج یہ انوسرناک صورت حال اس ملک میں پیدا ہو گئی ہے کہ لوگ مہاجرین کو غیر سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ دوسروں کی زمین پر اپنی حکومت کرنا چاہتے ہیں۔ خاص طور پر کراچی میں بسنے والے مہاجرین کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ سندھیوں کے حقوق غصب کر رہے ہیں میں ان لوگوں سے کہتا ہوں کہ خدا ایسی فتنہ انگیز بائیں کر دے کہ وہ پوچھتا ہوں کہ کراچی میں مہاجرین جہن زمینوں یا مکانوں پر قابض ہیں۔ وہ سندھی مسلمانوں کی حائد ادیں ہیں۔ یا ہندوؤں کی۔

سب جانتے ہیں کہ کراچی کی ۶۶ فیصد آبادی ہندو تھی۔ اور بقیہ ۳۴ فیصد مسلمان۔ وہ بھی اونٹ گاڑی یا گدھا گاڑی جھلانے والے۔ اس طرح یہ پورا شہر ہندوؤں کی ملکیت تھا۔ چر مہاجر نے آج کس طرح سندھی بھائیوں کے حق پر قبضہ کر لیا ہے۔ مہاجر تو ان ہندوؤں کی حائد اد پر قابض ہیں جنہوں نے بھارت جاتوان مہاجرین کی حائد اد پر قبضہ کر لیا ہے۔

دلیہر۔ کراچی کے ایک عہدہ دار کی تقریر۔ ۲۲ نومبر ۱۹۵۳ء

(۳)۔ پاکستان دس کروڑ مسلمانوں کے لئے وجود میں آیا تھا۔ اور صرف اقلیتی صوبوں کے مسلمانوں کی قربانیوں سے حاصل ہوا تھا۔

(۴) تقسیم سے قبل سوائے اقلیتی صوبوں کے مسلمانوں کے اور کسی صوبہ نے پاکستان کی تحریک کی مسلسل حمایت نہیں کی

(۵) مہاجرین نے بے دریغ قربانیاں دے کر پاکستان کو آزاد کیا۔ صرف آج کے مہاجر اور کل کے اقلیتی صوبوں کے مسلمان ہی تھے جنہوں نے قیام پاکستان کے لئے مسلسل جدوجہد کی (۶) پاکستان کا کوئی صوبہ ایسا نہیں ہے جس نے قیام پاکستان کا مطالبہ مسلسل کیا ہو۔ ۵ اگست ۱۹۴۷ء تک سرحد اور پنجاب میں مسلم لیگ کی حکومتیں نہ تھیں۔ سندھ اور بنگال کی حکومتیں بھی آئے دن بدلتی رہتی تھیں۔ اس کے برعکس اقلیتی صوبوں۔ یو۔ پی۔ بہار۔ سی۔ پی۔ مدر اس

بسنی وغیرہ کا کیا عالم تھا۔ وہاں کے مسلمان قائد اعظم کی آواز پر لبیک کہہ کر ایک ہی جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئے۔ اور آخر دم تک ان کے ساتھ رہے۔ اس لئے انہوں نے کیا کیا مصائب نہیں اٹھا

کانگریسی حکومتوں نے ان پر کیا کیا ظلم نہ توڑے لیکن وہ دیوار آہن کی طرح ڈٹے رہے یہ ان ہی کی جرات، عزیمت اور ایثار تھا۔ جس نے پاکستان بنایا۔ ۵) پاکستان اکثریتی صوبوں نے نہیں

بنایا کیونکہ انہوں نے مسلم لیگ کا مستقل ساتھ نہیں دیا بلکہ اقلیتی صوبوں کے مسلمانوں نے بنایا، دس لاکھ مسلمان شہید ہوئے۔ ۵۰ ہزار خواتین کی عصمتیں لٹیں۔ انہی ہزار مہاجر آج بھی ہر طرح تکالیف میں مبتلا ہیں۔ اور پونے چار کروڑ مسلمان

آج بھی بھارت میں ہندوؤں کے غلام ہیں۔ ۳۳ نومبر ۱۹۴۷ء۔ وزیر مہاجرین و آباد کاری مسٹر شعیب قمری۔ حیدرآباد ۳۱ ستمبر ۱۹۴۷ء۔ (۱) میں نے لطیف آباد کی لٹی کا معائنہ کیا ہے۔ یہاں پندرہ ہزار مہاجرین کو آباد کیا جائیگا۔

لیکن یہ سمندر سے ایک قہر کے برابر کی حیثیت بھی نہیں رکھتا۔ حیدرآباد کے فٹ پاتھوں پر انہی ہزار مہاجرین پڑے ہوئے ہیں وہ کوئی بھی ایسا آدمی خواہ وہ حکومت سے تعلق رکھتا ہو یا نہ رکھتا ہو۔ اگر مہاجرین کی تکلیف دور کرنے کی کوشش نہ کرے یا

یا اس میں رکاوٹ ڈالے۔ تو وہ فاسق و فاجر ہے۔ اس لئے مہاجرین ہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے پاکستان کی حمایت میں اپنی جان، مال، گھر بار، عزت و آبرو، سب کچھ قربان کر دیا۔ ۲۹ نومبر ۱۹۴۷ء۔ علیہ السلامی ڈگر روڈ کانولی کراچی

مولانا عبدالقیوم کابوری کا بیان ہے۔ مہاجرین کے لئے حکومت سندھ نے کوئی تعمیری قدم نہیں اٹھایا ہے۔ بلکہ بیان بازی کے پرانے طریقوں سے کام لیا جا رہا ہے۔ سندھ سے ہندو تارکان وطن کی تعداد ۱۲ لاکھ ہے۔ لیکن حکومت کی بد انتظامی کی وجہ سے مہاجر بے گھر پڑے ہیں؛ وحید آباد سندھ - ۲ جولائی ۱۹۵۳ء

قاضی محمد اکبر۔ وزیر بحالیات سندھ: وحید آباد سندھ میں پچاس ہزار بے گھر مہاجرین کو آباد کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ مہاجرین جس حالت میں رہتے ہیں۔ وہ اس قابل نہیں کہ ان میں انسان رہ سکیں۔

مسٹر احمد جعفر کا خطبہ استقبالیہ — مہاجر کوئٹہ،

سب سے اہم مسئلہ اس محسوس اور غیر اسلامی تقسیم کا ہے جسے طے شدہ اور غیر طے شدہ علاقے کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ اور جس کی آڑ لے کر مہاجروں کو دو ٹوکوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔ مہاجرین کی آباد کاری کی راہ میں دوسری رکاوٹ یہ ہے کہ مرکزی حکومت کی طرف سے واضح پالیسی صوبہ جات کو نہیں دی جا رہی ہے۔ اس کے علاوہ مرکزی کنٹرول صوبہ جات کی آباد کاری کی پالیسی پر نہیں رہا ہے جس کے نتیجے میں ہر صوبہ من مانی طور پر آباد کاری کی کاغذی اسکیم چلاتا رہا ہے۔ کسے علم نہیں کہ صوبہ سرحد میں آباد کاری اور بحالی کا کوئی کام ہوا ہی نہیں ہے۔ سندھ میں آج بھی دو تین سال سے زرعی زمین پر آباد مہاجرین کو زمینوں سے بے دخل کیا جا رہا ہے۔ ہجرت کا مقام ہے کہ سندھ اور کراچی کے علاقہ میں زرعی اور شہری جائیدادوں کے صحیح ریکارڈنگ نہیں ہیں۔ ایسا سمجھ لیا گیا ہے کہ یہ سترہ لاکھ جاؤ دیں پاکستان کی دولت نہیں ہیں۔ انہیں جس طرح بھی ممکن ہو برباد کیا جائے۔ اسے مہاجر دشمنی نہیں بلکہ ملک و قوم سے غداری کے برابر سمجھنا چاہیئے تقسیم ہند کے بعد سے لاکھوں ایکڑ زمین جس پر کاشت ہوتی تھی۔ غیر مزدور و بے روزگار ہوئی ہے۔ اور کاغذات میں غیر آباد دکھائی جا رہی ہے۔ تاکہ مہاجرین کو آلاٹ نہ کی جاسکے۔ سندھ میں یہاں تک ہو رہا ہے کہ مہاجرین پر زمان کی پابندی لگا کر تین تین چار۔ چار سال کے سرکاری ملازمین کو الگ کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

واجنام کراچی۔ ۲۴ اکتوبر ۱۹۵۳ء

مسٹر محمد علی (بنگالی)، وزیر اعظم پاکستان:-

• برصغیر کے مسلم اقلیتی صوبوں کے لوگوں نے بڑی قربانیاں دی ہیں۔ مسلم اکثریت کے صوبوں نے کچھ نہیں کھویا بلکہ زیادہ سے زیادہ آزادی اور حاصل ہو گئی۔ اقلیتی صوبوں کے مسلمانوں نے یہ جانتے ہوئے کہ قیام پاکستان کے بعد وہ ایک غیر ملکی حکومت کے رحم و کرم پر رہ جائیں گے زبردست قربانیاں دے کر مطالبہ پاکستان کی تائید کی ہمیں اپنے سرندامت سے جھکا لینے چاہیں کہ ہم ان علاقوں سے آئے ہوئے مہاجرین کے ساتھ پورا انصاف نہیں کر سکے۔ ان لوگوں کا گھر بار چھوٹا۔ بہن بھائی اور عزیز مارے گئے۔ دراصل انہوں نے قربانی دی۔ اور جب تک ان کو آباد نہ کر دیں۔ ہم پر ایک بھاری ذمہ داری عاید رہے گی۔

مسٹر حسین امام:-

اقلیتی صوبوں کے مسلمانوں کے مطالبہ سے پاکستان وجود میں آیا۔ انہی مسلمانوں کو آج نااہل کہا جاتا ہے۔ انہی نااہل مسلمانوں نے ہر قسم کی قربانیاں دے کر چھ کروڑ مسلمانوں کو آزاد کرایا۔ تاریخ ہی اس بات کا فیصلہ کرے گی۔ کہ کون نااہل ہے اور کسے اپنا گھر بھرنے کی فکر ہے۔
(دکراچی۔ ۵ ستمبر ۱۹۵۳ء)

محترمہ فاطمہ جناح — مہاجرین نے حصول پاکستان کے سلسلہ میں جو کراں بہا قربانیاں پیش کی ہیں۔ انہیں ہم کبھی بھلا نہیں سکتے۔ اور نہ ہی ہم ان مصائب کو نظر انداز کر سکتے ہیں۔ جن سے وہ آج بھی دوچار ہیں — ہمیں یہ نہ بھولنا چاہیئے۔ کہ یہ ایک انسانی معاملہ ہے اور ہم اتنی کثیر مخلوق کو عرصہ دراز تک جان کنی کی حالت میں نہیں چھوڑ سکتے۔

دپیغام برائے مہاجر کنونشن۔ امر روز کراچی ۲۷ اکتوبر ۱۹۵۳ء

مسٹر منظر علی خان قزلباش۔ وزیر پنجاب۔

ایسی بہ کثرت مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔ کہ مہاجرین کو وہ الاٹ منٹ دیدیئے گئے ہیں۔ جو صرف کاغذ پر ہیں۔ مہینے گزرنے کے بعد بھی پریشان حال مہاجر کو قبضہ نہیں مل سکا ہے اگر کسی کو قبضہ مل بھی گیا ہے۔ تو خوف و خطرہ سے ہر وقت دل پریشان رہتا ہے۔ خدا جانے کس وقت الاٹ منٹ منسوخ کر دیا جائے۔ (ڈان ۶ جولائی ۱۹۵۳ء)

میر لائق علی سابق وزیر اعظم حیدر آباد۔ دکن۔ کیا آپ ان لاکھوں مسلمانوں کے خون کو بھول گئے۔ جو تقسیم ہند سے پہلے اور تقسیم ہند کے بعد آپ کے ملک پاکستان کی خاطر بہا گیا کیا آپ ان لاکھوں یتیموں اور بسیروں سے غافل ہو گئے۔ جو آج تک اسی کرب و اضطراب میں ہیں۔ آج پاکستان میں تقریباً ایک کروڑ مہاجر ہیں۔ جن میں سے بیشتر کی حالت انسانی معیار سے گری ہوئی ہے۔ پاکستان میں اخلاقی پستی کا یہ عالم ہے۔ کہ کم سے کم فائدہ کے لئے ملک و قوم کے مفاد کو قربان کیا جاتا ہے۔ آج پاکستان کو دنیا کی قوموں میں وہ جگہ حاصل نہیں ہے جو فائدہ اعظم کی وفات کے بعد تھی۔ آج دنیا حقارت کی نظر سے دیکھتی ہے۔ اور یہ کہتی ہے۔ کہ یہ عاقبت نا اندیش۔ خود غرض اور کوتاہ نظر لوگوں کی بستی ہے۔

کراچی ستمبر ۱۹۵۳ء یوم حیدر آباد کے موقع پر جلسہ عام میں،

ڈاکٹر اے۔ ایم۔ ملک۔ وزیر صحت پاکستان۔ ابتدا ہی سے مہاجرین کی قربانیوں تباہیوں۔ بیتے ہوئے آنسوؤں اور جدوجہد کو میں اپنے خون چکان دل سے بہت ہی توجہ کے ساتھ دیکھتا رہا ہوں۔ حکومت پاکستان اپنی انتہائی کوششوں کے باوجود مہاجرین کی آباد کاری کے مسئلہ کا سوال حصہ بھی حل نہیں کر سکی۔ مہاجر جانوروں کی طرح زندگی گزار رہے ہیں۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ کہ اس زبردست مسئلہ کو حل کرنے میں کتنا وقت صرف ہو گا۔ اس مسئلہ کی وسعت کے مقابل میں جو کچھ ہوا ہے۔ وہ سمندر میں قطرہ کے برابر ہے

مہاجر بستیوں میں پینے کے پانی کا معقول انتظام نہیں ہے۔ نہ صفائی کا بندوبست ہے
اسکول بھی نہ ہونے کے برابر ہیں۔ اور وہ بھی بہت دور طبی سہولتیں ناکافی ہیں۔
(روزنامہ ڈان کراچی ۲۸ اگست ۱۹۵۳ء)

سندھ کے وزیر صحت، پیر علی محمد اشرفی کا بیان :-
۱۱، مہاجرین کو اچھی خوراک نہیں ملتی۔ اس لئے ان میں وبائی امراض سے مدافعت کی سکت
باقی نہیں ہے۔
۱۲، خاص کر ان مہاجرین کی حالت قابل رحم ہے۔ جو ہمارے بڑے بڑے شہروں میں جمع
ہیں۔ انہیں نہ تو ہیئت بھر کو روٹی ملتی ہے اور نہ تن ڈھانکنے کو پورا کپڑا ملتا ہے۔ اس لئے یہ ہاؤں
کی زد میں ہیں۔ مجھے افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے۔ کہ ان مہاجرین کو تکلیف و موت سے بچانے
کے لئے کوئی قدم نہیں اٹھایا گیا ہے۔
(۲۱ جون ۱۹۵۳ء)

غیر کیا کہتے ہیں

سنو سنو۔ وہی جو تم کو غیر کہتے ہیں
نہیں۔ نہیں۔ تمہیں۔ کیوں۔ میرا اعتبار آئے

برطانوی لیبر لیڈر اور سابق وزیر صحت مسٹر ہیون نے جو کہ اچھی میں چار روز قیام کرنے کے بعد لندن روانہ ہو گئے ہیں۔ اپنے ایک بیان میں کہ اچھی میں مکانات کی قلت کا تذکرہ کیا۔ اور اس امر پر اظہارِ افسوس کیا کہ ایک طرف تو بڑی بڑی عالی شان عمارتیں تعمیر ہو رہی ہیں۔ اور دوسری طرف مہاجرین بے خانماں پڑے ہیں۔ درود نامہ انجام۔ کہ اچھی۔ ہمارا سچ ۱۹۵۳ء

پاکستان کے دورہ پر آنے والے امریکی طلباء کے وفد کے تاثرات۔
کراچی کے کمیپوں میں مہاجر غیر انسانی حالات میں زندگی گزار رہے ہیں۔
وزیر پاکستان کی شاندار کوٹھی اور مہاجروں کی غلیظ کوٹھڑیوں میں زبردست تضاد
پشاور۔ ۱۴ جولائی ۱۹۵۳ء۔ امریکی طلباء کے وفد نے جو کہ اچھی سے یہاں پہنچا۔ بتایا کہ
انہیں کہ اچھی میں چھپک کے داغوں سے بھرے ہوئے جھروں والے سوکھے ہوئے۔
بھوکے ننگے بچے دیکھ کر سخت مایوسی ہوئی ہے۔ وفاقی دارالحکومت میں انہوں نے اکثر بچوں کو
دیکھا جن کے زخموں پر بیٹی تک نظر نہیں آتی تھی۔ انہوں نے کہا کہ کہ اچھی میں خلافت کے اسٹے بڑے
بڑے انبار لگے رہتے ہیں۔ کہ اس کے متعلق یقین تک کہ نامشکل نظر آتا ہے۔ انہوں نے کہ اچھی میں
مہاجروں کے کمیپوں کے بارہ میں بتایا کہ ان میں مہاجرین بالکل غیر انسانی حالات میں زندگی کے
دن گزار رہے ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ کہ اچھی میں وزیر اعظم پاکستان کے شاندار بنگلے
میں شاندار دعوت کے موقع پر جو شان و شوکت دیکھنے میں آئی۔ اس میں مہاجروں کی خدمت

اور غلیظ حالت میں تکلیف دہ تصناد پایا جاتا ہے۔

امریکی طلباء کے وفد نے کراچی میں اپنی ایک دعوت کا ذکر بھی کیا۔ جو کہ کراچی میں ایک دینی مہتمم اور خوبصورت خاتون نے ان کے اعزازی میں دی تھی۔ انہوں نے کہا کہ اس دعوت کی شان اور کراچی کے مہاجروں کے غلیظ چھوٹیوں میں بڑا بدست فرق ہے۔ (روزنامہ روز، کراچی)

کراچی کے مہاجروں کی حالت واقعی قابلِ رحم ہے۔
ہنڈت نہرو کا دہلی میں بیان۔

ہنڈت نہروں نے پریس کانفرنس میں کہا کہ کراچی میں مہاجرین کی حالت قابلِ رحم ہے۔
کراچی کے آس پاس میں نے چار پانچ لاکھ بے گھر لوگوں کو دیکھا۔ ان کی حالت ایسی
ہی ہے کہ چار پانچ سال پہلے ہندوستان کے شرنا تھیوں کی تھی۔

دہلی۔ ۳ جولائی ۱۹۵۳ء۔ انجام کراچی یکم اگست ۱۹۵۳ء

غنوار ناصح

قائد اعظم نے فرمایا تھا۔

(۱) پاکستان کی سرکاری زبان اردو ہے۔ ایک سرکاری زبان کے بغیر مملکت نہ زندہ رہ سکتی ہے۔ اور نہ ترقی کر سکتی ہے۔

(۲) اردو میں اسلامی تہذیب و ثقافت کا بہترین سرمایہ ہندوستان کی دوسری سب زبانوں سے زیادہ پایا جاتا ہے۔

(۳) بڑی ضرورت اس بات کی ہے کہ آپ اپنے کو پنجابی، بنگالی، سندھی وغیرہ کہنا چھوڑ دیں مسٹر محمد علی بنگالی، وزیر اعظم پاکستان نے جتنی تقریریں کی ہیں، ان میں زیادہ تر مندرجہ ذیل خیالات کا اظہار کیا گیا ہے۔

(۱) میں دستور ساز اسمبلی میں بنگلہ کو بھی ایک سرکاری زبان بنانے کی تجویز کی حمایت کروں گا (۲) کنادول میں دوسری زبانیں ہیں۔

(۳) مشرقی پاکستان کی آبادی اکثریت میں ہے۔ اور جمہوری ممالک میں اکثریت کی خواہشات کا احترام کیا جاتا ہے۔

(۴) میں مجلس دستور ساز میں بنگال کا نمائندہ ہوں۔

(۵) یہ میری ذاتی رائے ہے۔

قائد اعظم محمد علی جناح نے ہندوستان کے دس کروڑ مسلمانوں کو ایک مرکز پر لانے کی کوشش کی۔ اور وہ اس میں کامیاب ہوئے۔ اور ایک نئی اسلامی جمہوریہ عالم وجود میں آگئی۔ آفتاب تازہ پیدا۔ بطن گیتی سے ہوا۔

لیکن پاکستان کے تیسرے وزیر اعظم مسٹر محمد علی بنگالی، نے اکثریت و اقلیت کا

سوال پیدا کر کے مسلمانوں کی صفوں میں انتشار پیدا کیا۔ ہندوستان کے مخلص رہنماؤں نے ۱۹۰۶ء میں ڈھاکہ میں مسلم لیگ کا سنگ بنیاد رکھا۔ لیکن ۱۹۵۷ء میں مشر محمد علی (بنگالی) صدر مسلم لیگ و وزیر اعظم پاکستان نے اپنی غیر ذمہ دارانہ اور غیر دانشمندانہ تقریروں سے مسلم لیگ کو ڈھاکہ میں نزع کی حالت میں بہو بچا دیا۔

مشر محمد علی کی ان تقریروں نے تنگ خیالی اور صوبہ پرست لیڈروں کی بہت افزائی کی ہے۔ زبان، نسل، قوم، مقامی تہذیب و تمدن کی حمایت میں آسمان سر پر اٹھایا ہے اور ان باتوں کی پرستش کی دعوت ہر خدا پرست انسان کو دی جا رہی ہے حالانکہ پاکستان عالم گیر اخوت اسلامی کی بنیاد پر بنایا گیا ہے۔ اور اسلامی نظام میں رنگ، نسل، قومیت و وطنیت، خاندانی تفوق اور علاقائی برتری کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے۔

جناب خان عبدالغفار خان — دسری گاندھی، فرماتے ہیں —

۱، پاکستان میں پانچ بھائی ہیں — بنگال، پنجاب، سندھ، بلوچستان اور پٹھان — ان میں سے چار صوبوں کا نام لیتے ہوئے وہاں کے باشندے پہچان لئے جاتے ہیں۔ لیکن پٹھانوں کے معاملہ میں ایسا نہیں ہے۔ ان کے صوبہ کا کوئی نام نہیں، اور یہ سمجھا ہی نہیں جاتا۔ کہ ان کا بھی کوئی صوبہ ہے۔ (پاکستان پارلیمنٹ میں تقریر)

۲، خان عبدالغفار خان نے ایک انٹرویو میں بتلایا — کہ چٹوڑستان کے مطالبہ کا زبان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ بلکہ اس کی بنیاد قومیت پر ہے۔

خان عبدالصمد خان اچکزئی — (جنہیں اکثر لوگ "بلوچی گاندھی" کے نام سے پکارتے ہیں۔ ایک تقریر میں فرماتے ہیں — کہ بلوچستان کے پشتونی علاقہ کو صوبہ سرحد کے ساتھ وابستہ کر دیا جائے۔ اور پشتونیوں کی ثقافت، روایات اور زبان کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس یونٹ کا ایک نام تجویز کر دیا جائے — صوبہ بلوچستان میں دو مختلف نسلوں کے لوگ آباد ہیں۔ جن کی دو مختلف ثقافتیں، روایات اور زبانیں ہیں

یعنی بلوچستان کو ساسی بنیاد پر پشتون اور بلوچ علاقوں میں تقسیم کر دینا چاہیئے۔
مولوی فضل الحق کا بیان :-

آپ نے اعلان کیا کہ بنگالی کو بلاتماخیر اردو کے برابر درجہ ملنا چاہیئے۔ انہوں نے دعویٰ کیا کہ مشرقی پاکستان ہی پاکستان کا پاکستان کا واحد یونٹ ہے۔ جہاں ایک زبان ہے۔ ایک نسل ہے۔ اور ان کا ایک ہی تمدن ہے۔ مشرقی بنگال جو اجڑاٹے پاکستان میں ایک عظیم المثال حیثیت رکھتا ہے۔ اس کی زبان، ثقافت اور قومیت ایک ہے مولانا نجاشانی کی تقریر :-

مہاجرین کو چاہیئے کہ وہ بھول جائیں کہ وہ مہاجر ہیں۔ اور آپ وہ جس سرزمین پر رہتے ہیں وہاں کے لوگوں کی امیدوں اور امنگوں کو اپنی امیدیں اور امنگیں سمجھیں۔ مجھے امید ہے کہ مہاجرین اس مطالبہ کی حمایت کریں گے کہ بنگالی کو پاکستان کی ایک سرکاری زبان بنایا جائے۔ جمہوریت کا تقاضا یہ ہے کہ اکثریت کی رائے کو تسلیم کیا جائے۔

کراچی اور سندھ کی مجالس کے ٹیلیویشن نمائندوں نے اخبارات میں ایک اپیل شائع کرائی ہے۔ اس کا خلاصہ :-

(۱) مسٹر محمد علی وزیر اعظم پاکستان کو ان کے اس بیان پر مبارکباد دی گئی ہے کہ انہوں نے مشرقی پاکستان میں اردو کے بجائے بنگالی کو پاکستان کی سرکاری زبان بنانے کی حمایت کی ہے۔

(۲) وزیر اعظم سے اپیل کی گئی ہے کہ وہ سندھی زبان کو بھی پاکستان کی سرکاری زبان بنانے کی حمایت کریں۔

اس اپیل پر سیاسی، ثقافتی، طالب علموں کی انجمن، ادبی جماعتوں اور اخبار نویسوں کے نمائندوں کے دستخط ثبت ہیں مسٹر بین محمد ایڈیٹر الوحید کا نام بھی اس میں شامل ہے

۱۷ مارچ ۱۹۵۷ء انجام کراچی ۱۶ مارچ ۱۹۵۷ء ۲۷ مارچ ۱۹۵۷ء ۲۷ مارچ ۱۹۵۷ء ۲۷ مارچ ۱۹۵۷ء

سندھ کے وزیر اعلیٰ پیر زادہ عبدالستار کے خیالات اور سندھ بجٹیشن،
(۱) آباد کاری کا مسئلہ بہت حد تک آسان ہو سکتا ہے۔ اگر نئے سندھی اپنے آپ
کو پرانے ہندھیوں سے الگ تصور نہ کریں۔ اور اپنی جداگانہ ہستی قائم رکھنے کا خیال
ترک کر دیں۔

(۲) کھوکھرا پار کے راستہ مہاجرین کی مسلسل آمد سے صوبہ میں مہاجرین کی آباد کاری
کی راہ میں شدید مشکلات پیدا ہو رہی ہیں۔ مہاجرین کا ایک گروہ آباد ہونے نہیں پاتا
کہ دوسرا پہنچ جاتا ہے۔ یہ صورت حال زیادہ عرصہ تک برداشت نہیں کی جا سکتی
اور جلد از جلد اس کا کوئی حل نکالنا بہت ضروری ہے۔

(۳) سندھ کے وزیر اعلیٰ نے ایک تقریر میں مہاجروں کو مشورہ دیا ہے کہ وہ اپنی مدد
آپ کرنا سیکھیں۔

(۴) سندھ کے وزیر اعلیٰ پیر زادہ عبدالستار نے سندھ اسمبلی میں کہا کہ سرکاری
ملازموں کو لازمی طور پر سندھی زبان کا امتحان پاس کرنا ہوگا۔ اگر کوئی ابتدائے
ملازمت سے ۳ سال کے اندر سندھی زبان کا امتحان پاس نہ کر سکے گا۔ تو وہ ملازمت
سے نکال دیا جائے گا۔

سندھ اسمبلی میں بجٹ پر بحث۔ — مسٹر شاہ نواز — صوبائی حکومت
مکو اصلی مہاجرین اور نقلی مہاجرین میں فرق کرنا چاہیئے۔ قیام پاکستان کے شروع کے
تین چار سال میں اصلی مہاجرین آئے۔ ان کی امداد کرنا اور انہیں آباد کرنا ہمارا فرض ہے
لیکن اب عام طور پر نقلی مہاجرین آرہے ہیں۔ انہیں روکنا ضروری ہے۔
از خود آنے والے مہاجر۔

وزیر مہاجرین مسٹر شعیب قریشی نے ایک سوال کے جواب میں بتایا۔
(۱) مغربی پاکستان میں مہاجر روزانہ آرہے ہیں۔ ان لوگوں کے لئے نہ تو کوئی خاص

استظام کیا جاتا ہے۔ اور نہ کیا جاسکتا ہے

(۲) تقسیم کے بعد از خود کراچی آنے والے مہاجرین کی تعداد پڑے لاکھ ہے۔

مشرقی پاکستان کی انجن مہاجرین کا مطالبہ۔

پاکستان پر مہاجرین کے وہی حقوق ہیں جو انصار کو حاصل ہیں۔ اس لئے بھارت سے آنے والے مہاجرین پر پاکستان کے دروازہ ہمیشہ کے لئے کھلے رکھے جائیں۔

(۱) مہاجر کو صرف اسلامی تصورات کی وجہ سے پاکستان سے محبت ہے۔ جب وہ سرزمین پاکستان میں قدم رکھتا ہے۔ تو صرف ایک مسلمان اور پاکستانی کی حیثیت سے۔ اس کا ذہن، بنگالی سندھی، پنجابی، بلوچی اور سرحدی خیالات سے بالکل خالی ہوتا ہے۔ صوبائی نقطہ نظر سے مہاجر اور انصار کے جذبات میں اتنا ہی بڑا بُعد ہے۔ جتنا کہ قطب شمالی اور قطب جنوبی میں۔

(۲) نسل، تمدن، ثقافت، قومیت اور وطنیت کے تصورات، مصنوعی اور غیر اسلامی ہیں۔ اگر ہندوستان کے اقلیتی صوبوں کے مسلمانوں کو یہ علم ہوتا کہ پاکستان میں۔ زبان، نسل، تمدن، ثقافت، قومیت اور وطنیت کی بنیاد پر امتیاز کیا جائے گا۔ تو کوئی مسلمان پاکستان کی حمایت میں دوڑ نہ دیتا۔

(۳) ان مسلمان شہدا کی توہین ہے جو کہ پاکستان کی خاطر لڑے اور قربان ہوئے۔

(۴) یہ تصورات پاکستان کی سالمیت کے لئے خطرہ ہیں۔ ان سے ملک میں انتشار پھیلتا ہے۔ اور دشمنان پاکستان کی ہمت افزائی ہوتی ہے۔

(۵) ان تصورات سے پاکستان کے بنیادی اصولوں کو نقصان پہنچتا ہے۔

۱۹۵۳ء کی مردم شماری کے مطابق مغربی پاکستان میں مہاجروں کی تعداد ۷۷ لاکھ تھی۔ اور اب ۱۹۵۷ء میں مہاجروں کی تعداد ایک کروڑ سے زیادہ ہے۔ مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان دونوں کو شامل کر کے مہاجرین کی تعداد ایک کروڑ تین لاکھ سے زیادہ ہے۔ اور مہاجرین کی آمد کا سلسلہ براہ جاری ہے۔

مشرق و وسطیٰ میں جو اسلامی سلطنتیں پھیلی ہوئی ہیں۔ ان میں سے اکثر ریاستوں سے بہ لحاظ تعداد و پاکستان میں مہاجرین کی تعداد زیادہ ہے۔

مغربی پاکستان کے صوبجات سرحد، بلوچستان۔ اور سندھ میں ہر ایک سے مہاجرین کی تعداد مجموعی طور پر زیادہ ہے۔

اگر صوبہ سرحد، بلوچستان اور سندھ کے باشندے صوبائی آبادی، زبان، نسل تمدن اور ثقافت کی بنا پر جداگانہ حقوق کے مستحق ہیں۔ تو پھر انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ مہاجروں کو بھی پاکستان میں ایک ایسا خطہ ملنا چاہیے جہاں وہ، زبان، تمدن و ثقافت کے نظریہ کے مطابق اطمینان سے زندگی بسر کر سکیں۔

خدا کا شکر ہے کہ مہاجرین کے دل و دماغ ان جداگانہ رجحانات اور غیر اسلامی زہر سے بالکل پاک ہیں۔ کوئی مہاجر انصاری بھائی سے علیحدہ رہنا نہیں چاہتا ہے۔ ہر مہاجر کی یہ خواہش ہے کہ وہ انصاری بھائی کے ساتھ ایک جان اور دو قالب بن کر زندگی گزارے۔

پاکستان کے ارباب اقتدار میں ناصح بننے کی وبا بری طرح پھیل گئی ہے۔

”ہر بوا ابو س نے حسن پرستی شعار کی“

پاکستان میں جس کسی کو ذرا سی بھی طاقت حاصل ہو جاتی ہے بس وہ بیانون اور تقریروں کا ایک طومار باندھ دیتا ہے۔ اور اس کا اقتدار مہاجروں کو نصیحت کرنے پر ہوتا ہے۔ ایسے لوگ اپنے آپ کو ارسطو اور سقراط کا ہاشین سمجھنے لگے ہیں۔ گویا تمام دنیا کی عقل مندیاں ان پر ختم ہو گئی ہیں۔ اور مہاجرین یو قونی میں بڑھتے چلے جا رہے ہیں۔

آتے ہیں عیادت کو۔ تو کرتے ہیں نصیحت

(دانی)

احباب سے غم خواہ۔ ہوا بھی نہیں جاتا

مہاجرین پر سب سے بڑی مصیبت یہ نازل ہوئی ہے کہ قریبی عزیز بھارت اور پاکستان ایک دوسرے سے جدا ہو گئے ہیں۔ لاتعداد شادی شدہ مسلمان عورتیں ہندوستان میں رہ گئیں جن کے شوہر پاکستان میں آ گئے۔ یا شوہر ہندوستان میں رہ گئے اور بیویاں پاکستان میں آ گئیں۔ اور نوبت حلاق تک پہنچ گئی۔ ماں باپ ہندوستان میں رہ گئے۔ اور بچے پاکستان میں آ گئے یا اس کے برعکس۔ لڑکے۔ لڑکیاں۔ بہن بھائی۔ بھتیجے بھانجے سب ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔ اور موت کے وقت تک ایک دوسرے کی صورت بھی نہیں دیکھ سکے گے۔ اس طرح خاندانوں کا شیرازہ بکھر جانا سب سے بڑی روحانی آفت ہے۔ اور مہاجروں پر یہ سب سے بڑا عذاب ہے۔

پاکستان کو مہاجروں نے اپنے خون سے سنبھالا ہے

پاکستان میں تمام اوصاف پسند اور حق پرست حضرات اس بات کے معترف ہیں کہ پاکستان، ہندوستان کے اقلیتی صوبوں کے مسلمانوں کی عظیم الشان قربانیوں سے عالم وجود میں آیا ہے۔ لیکن ان بزرگوں نے اس بات کو فراموش کر دیا ہے۔ کہ مہاجرین نے صرف پاکستان کو تعمیر ہی نہیں کیا۔ بلکہ پاکستان کی زندگی مہاجرین کی جدوجہد اور اہلیت سے قائم ہوئی ہے۔ اگر ہر علم و فن کے ماہر اور تجربہ کار مہاجر پاکستان کو زندہ رکھنے کی تمام تر ذمہ داریوں کو اپنے ہاتھ میں نہ لے لیتے تو پاکستان اب تک ایک مفلوج اور لنگڑا لولا ملک ہوتا۔ یہ مہاجرین ہی ہیں جنہوں نے اپنے جسم کا خون پاکستان کی رگوں میں پہنچایا ہے۔ یہ مہاجر ہی ہیں جنہوں نے پاکستان کے نازک پودے کو اپنے خون سے سنبھالا ہے۔ ایک مرتبہ وزیر اعظم لیاقت علی خان صاحب نے مسلم لیگ کونسل کے اجلاس میں مہاجروں کے متعلق فرمایا تھا۔

”یہ ہی وہ باہمت لوگ ہیں جنہوں نے پاکستان بنایا ہے۔“

۱۱، مغربی پاکستان — تقسیم کے وقت تقریباً تمام تجارت، بنکاری، اور صنعت و حرفت پر غیر مسلموں کا قبضہ تھا۔ اعلیٰ انتظامی عہدوں پر بھی انہی لوگوں کی کثرت تھی اور فنی عہدوں پر تقریباً اسی فیصدی تک انہی کا قبضہ تھا۔ چونکہ یہ سارے کے سارے لوگ ہندوستان روانہ ہو گئے تھے۔ اس لئے اقتصادی اور انتظامی زندگی کا شیرازہ بڑی حد تک منتشر ہو گیا تھا۔ بنک تجارتی مرکز اور فیکٹریاں اچانک بند ہو گئیں۔ عام تجارتی وسیلے محدود ہو گئے۔ غذائی اجناس کو کھیتوں سے منڈیوں اور فیکٹریوں تک پہنچانے کے لئے مالی ذرائع مفقود ہو گئے۔ کارخانے بند ہو گئے۔ انتظامی سررسوں میں زبردست خلا پیدا ہو گیا۔ ہسپتالوں کے ڈاکٹر اور دیگر کارندے چل دیئے۔

... تقسیم سے قبل جس قدر ڈاکٹروں اور ہسپتالوں کا دوسرا عملہ خدمت انجام دیتا تھا، تقسیم کے بعد اس کا تقریباً ۵۰ فیصدی حصہ ہندوستان چلا گیا۔ اس وجہ سے ڈاکٹروں اور طبی سامان کی شدید قلت محسوس ہوئی۔“

۱۲، مشرقی پاکستان — مشرقی پاکستان کے متعلق بہت سوں نے یہ پیشین گوئی کی تھی کہ مشرقی بنگال کے نظم و نسق میں چند ہی مہینوں میں تعطل پیدا ہو جائے گا۔ تجارت اور مالیات کا اجارہ ہندوؤں کو حاصل تھا۔ سرکاری ملازمتوں میں برسر کار ہندو عملہ نے مجموعی طور پر ہندوستان میں ملازمت پسندگی۔ جس سے ان خدمات میں یکا یک ایک وسیع اور خطرناک خلیج پیدا ہو گئی۔ صوبائی نقل و حمل اور مواصلات میں شدید بے نظمی پیدا ہو گئی۔ — ریلوے ڈاک اور تار کا پورا ہندو عملہ یا تو مستقر ترک کر کے ہندوستان منتقل ہو گیا یا اس نے کام کرنا بند کر دیا۔ ہندو تاجروں اور مالی سہولتیں فراہم کرنے والے سماجی کاروں کی منتقلی یا ترک کار و بار کے باعث تجارت میں تعطل پیدا ہو گیا۔“

۱۳، نائب وزیر مہاجرین ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی نے ۱۴ جون ۱۹۴۹ء کو ایک بیان میں کہا تھا۔

”بہت سے ہندو افسروں کے ہندوستان چلے جانے کے بعد ایک ایسی سندھ کی حکومت میں تجربہ کار افسروں کی کمی ہو گئی۔ اور یہ مشکل ابھی تک حل نہیں ہو سکی۔ چنانچہ ایسے موقع پر جب کہ زیادہ سے زیادہ ہوشیاری کی ضرورت تھی۔ سندھ کی حکومت کے ہندو بست میں تجربہ کار افسر نہ ہونے کی وجہ سے کمزوریاں پیدا ہو گئیں“

۴۷، تقسیم ہند کے بعد ایک وقت یہ خطرہ ضرور تھا، کہ کہیں پاکستان کی اقتصادی زندگی بالکل شل نہ ہو جائے کیونکہ بنکوں کا کاروبار اور نقل و حرکت کے تمام وسیلوں پر مغربی پاکستان میں غیر مسلموں کا قبضہ تھا۔ اور ان کے چلے جانے کے بعد فوراً ہی ان تمام کاموں کو چلانا آسان کام نہیں تھا۔ مگر پاکستان کی خوش قسمتی تھی کہ ملک کی اقتصادی حالت پر کوئی کاری ضرب لگنے نہیں پائی۔ چنانچہ ۴۷ اپریل ۱۹۴۷ء کو پاکستان سندھ کی مشترکہ مہاجرین کونسل کے جلسہ کی صدارت کرتے ہوئے قائد ملت لیاقت علی خان صاحب نے فرمایا تھا۔

”ہم مغربی پاکستان میں تجارت، صنعت و حرفت اور کاروبار پر مسلمانوں کا قبضہ دیکھ رہے ہیں۔ تو اس کی وجہ صرف ہمارے مہاجر ہیں“

مہاجر پاکستان پر بوجھ بن کر نہیں آئے زبردست جانی و مالی نقصان کے باوجود انہوں نے اپنی قابلیت اور جدوجہد سے پاکستان کی زندگی کو شل ہونے سے بچا لیا۔ سیروانا دینا شخص نے مہاجرین کی خدمات کو سراہا ہے لیکن سندھ کے وزیر تعلیم مسٹر غلام حیلہ شاہ نے پہلی پریس کانفرنس میں سندھ کی تعلیمی حالت پر روشنی ڈالتے ہوئے یہ غیر ذمہ دارانہ بات کہی ہے۔

”کہ سندھ سے ہندو پیچروں کے ترک وطن کی وجہ سے تعلیم کا معیار گر گیا ہے“ اس بیان کے سلسلہ میں یہ بات قابل ذکر ہے۔ کہ سندھ کی وزارت تعلیم کا سیکریٹری ہندو ہے۔ تمام وسیع الحیال اور صداقت پرست اخباروں نے اس بیان کی شدید

الفاظ میں مذمت کی ہے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ وہ مہاجر پُچروں کی بیش بہا خدمات کا کھلے دل سے اعتراف کرتے۔ لیکن انہوں نے بہت افزائی کے بجائے دلوں کو دکھایا ہے۔ اور توہین کی ہے۔

مہاجر نوجوانوں کا جوش و خروش۔

اگر ۱۹۴۷ء سے اب تک مہاجرین کو ابھارا جاتا، ان کی ہمتیں بڑھائی جائیں، اور انہیں پولیس اور فوجی ٹریننگ دی جاتی، تو پاکستان کی حالت آج کل بالکل مختلف ہوتی کشمیر کا مسئلہ پاکستان کے حسب منشا طے ہو چکا ہوتا، بھارت کو تعلیم اور نخت و غرور پر اب تک اوس پڑ چکی ہوتی، اور تمام دنیا کی نگاہوں میں پاکستان کا وقار بڑھ گیا ہوتا۔ ۱۹۴۸ء میں نوجوانوں کے جوش و خروش کی کیا حالت تھی، اس کی ایک جھلک بھی دیکھ لیجئے۔

۴ دسمبر ۱۹۴۸ء کو خواجہ شہاب الدین وزیر مہاجرین اور سندھ کے وزیر مہاجرین سید میراں شاہ سندھ کے دورہ پر روانہ ہوئے۔ اس سلسلہ میں رات کے نو بجے حیدر آباد کے انصار و مہاجرین کی طرف سے ایک بہت بڑا جلسہ کیا گیا، اس میں تقریباً ۵۰ ہزار کے قریب جمع تھا، جلسہ میں لوگوں نے تقریریں کیں، تقریروں میں بار بار اس بات کی طرف اشارہ تھا، کہ ہر پاکستانی کو پاکستان کے استحکام اور اس کی حفاظت کے لئے تیار ہو جانا چاہیے، کیونکہ اس نازک وقت میں ہم اپنی حفاظت کی طرف سے کسی قسم کی لاپرواہی اور غفلت نہیں برت سکتے، مقررین نے حکومت پاکستان کے اس اقدام کی بھی تعریف کی، کہ تمام ملک میں بہت جلد شہری بچاؤ کا کام شروع ہونے والا ہے، اور جگہ جگہ رائل کلب کھولے جا رہے ہیں، اس سے نوجوان بہت زیادہ تھے، کیونکہ ہر نوجوان کی یہ خواہش ہے، کہ اپنی خدمات پاکستان کی حفاظت کے لئے پیش کر دے۔

۱ مہاجرین کا مسئلہ از آغا محمد اشرف

لسانی وحدت

۱۹۵۴ء کے فیصلے

پاکستان کی پہلی دستور ساز اسمبلی نے دستور کا جو مسودہ تیار کیا تھا، اس کی منظوری کی نوبت نہ آ سکی۔ اور ۲۴ اکتوبر ۱۹۵۴ء کو یہ دستور ساز اسمبلی توڑ دی گئی تھی۔ مشر محمد علی بوگروی، وزیر اعظم تھے۔ اور مشر غلام محمد گورنر جنرل اس دستور اسمبلی نے قومی زبان کے متعلق جو فیصلے کئے تھے، ان پر اظہار خیال کیا گیا ہے۔

قائد اعظم کے ارشادات :-

(۱) پاکستان کی سرکاری زبان اردو ہے۔ ایک سرکاری زبان کے بغیر مملکت نہ زندہ رہ سکتی ہے اور نہ ترقی کر سکتی ہے۔

(۲) اردو میں اسلامی تہذیب و ثقافت کا بہترین سرمایہ ہے۔ دہندوستان کی دوسری سب زبانوں سے زیادہ پایا جاتا ہے، اردو ہی دوسرے اسلامی ممالک زبانوں سے قریب تر بھی ہے۔ اس لئے میں آپ کو صاف صاف بتا دینا چاہتا ہوں کہ پاکستان سرکاری زبان اردو اور صرف اردو ہوگی۔ جو شخص اس کے خلاف کوئی غلط فہمی پیدا کرنا چاہتا ہے۔ وہ پاکستان کا دشمن ہے۔

قائد اعظم کی مادری زبان گجراتی تھی۔ اور کاروباری زبان انگریزی۔ انہیں انگریزی زبان پر پوری قدرت حاصل تھی۔ جب وہ آل انڈیا مسلم لیگ کے عہدہ صدارت پر فائز ہوئے اور پاکستان کی تحریک شروع ہوئی، تو انہوں نے مسلم عوام سے رابطہ پیدا کرنے کے لئے اردو سیکھنے کی کوشش کی۔ شروع شروع میں جب انہوں نے عام جلسوں میں تقریریں کیں، تو

قائد اعظم مشر محمد علی جناح نے ۲۴ مارچ ۱۹۵۴ء کو ڈاکٹر حاکم جلسہ عام میں یہ اعلان کیا تھا۔

وہ اول ٹوٹی پھوٹی اردو میں چند جملے بولتے اور پھر انگریزی میں تقریر کرتے تھے۔ کچھ عرصہ کے بعد انہیں اردو بولنے کی کافی مشق ہو گئی تھی۔ قائد اعظم پر سانی عصبيت کا ذرہ برابر بھی شبہ نہیں کیا جا سکتا ہے۔ وہ تو اردو کو کل پاکستان کی سرکاری زبان بنانا چاہتے تھے اور تمام پاکستان میں سانی اتحاد کے حامی تھے۔

باہائے اردو جناب ڈاکٹر مولوی عبدالحق نے انکشاف کیا ہے کہ جب کل ہند مسلم لیگ نے پاکستان کی تحریک شروع کی تو پاکستان اور اردو کو لازم و ملزوم سمجھا جاتا تھا۔ اور کسی نے اس کے خلاف آواز بلند نہیں کی۔ قائد اعظم نے علالت کے باوجود اپنی جان کا خطرہ مول لے کر کراچی سے ڈھاکہ تک ہوائی سہا زمیں سفر کیا۔ اور یہ بانگ وہی اعلان کیا کہ اردو کے سوا اور کوئی زبان پاکستان کی سرکاری زبان نہیں بن سکتی ہے۔ قائد اعظم نے اتحاد کا نظریہ پیش کیا تھا۔ اتحاد۔ یقین محکم اور نظم و ضبط کا تصور۔ بغیر سانی اتحاد کے ناممکن ہے۔

تقریباً ۳۳ لاکھ سے زیادہ مہاجر جن کی مادری زبان اردو ہے مشرقی بنگال میں آباد ہیں۔ ڈھاکہ اور آسام کے اصلا ح میں عام طور پر اردو بولی جاتی ہے۔ مشرقی پاکستان اسمبلی کے انتخابات کے سلسلہ میں پوسٹر زیادہ تر اردو میں چھاپے گئے ہیں۔ پبلک مجلسوں میں تقریری زیادہ تر اردو میں کی گئی ہیں۔ یہ ثبوت ہے۔ اس بات کا کہ مشرقی پاکستان کے عوام اردو کو اچھی طرح سمجھتے ہیں۔ اردو چونکہ فارسی اور قرآنی حروف سے ملتی جلتی ہے۔ اس لئے مشرقی پاکستان کے مسلمان اردو کو بہت ہی جی کی بھاشا کہتے ہیں۔ اور انہیں اس زبان سے قلبی لگاؤ ہے۔ مذہبی نقطہ نگاہ سے مشرقی پاکستان کے مسلمان مغربی پاکستان کے مسلمانوں سے کچھ آگے ہیں۔ اور یہ مشہور بات ہے کہ مشرقی پاکستان کا ایک چور جب تک عشاء کی نماز نہیں پڑھ لیتا چوری کے لئے نہیں جاتا ہے۔

آزاد کشمیر کے لیڈر سردار ابراہیم خان نے جو مشرقی پاکستان کے دورہ سے واپس آئے ہیں بتایا کہ مشرقی پاکستان میں خاص طور پر ڈھاکہ اور سلہٹ کے باشندے اردو زبان

سے بہ خوبی واقف ہیں۔ اور یہاں کے رہنے والے ہماری اردو تقریروں کو اچھی طرح سمجھتے ہیں۔ اس کے علاوہ مشرقی پاکستان کے دیگر علاقوں کے باشندے بھی اردو سے نااہل نہیں ہیں۔

مسٹر محمد علی (بنگالی، وزیر اعظم پاکستان و صدر پاکستان مسلم لیگ نے ۲۴ جنوری ۱۹۵۷ء کو مشرقی پاکستان میں زبان کے مسئلہ پر اپنی ایک تقریر میں فرمایا۔ میں دستور ساز اسمبلی میں مشرقی پاکستان کے ایک رکن کی حیثیت سے بنگلہ کو بھی ایک سرکاری زبان قرار دینے کی تجویز کی حمایت کروں گا۔ کیونکہ اگر بنگلہ کو اردو کے برابر درجہ نہ دیا گیا، تو ہم اقتصادی اور تعلیمی اعتبار سے پس ماندہ رہیں گے۔ اس صوبہ کی آبادی اکثریت میں ہے۔ اور جمہوری ممالک میں اکثریت کی خواہشات کا احترام کیا جاتا ہے۔

مسٹر محمد علی پاکستان کے وزیر اعظم ہیں کل پاکستان مسلم لیگ کے صدر ہیں۔ اور پاکستان پارلیمنٹ میں بنگال کے ایک حلقہ سے نمائندہ بھی ہیں۔ زبان کے متعلق یہ ان کی ذاتی رائے ہے۔ مسٹر محمد علی نے بنگلہ کی حمایت میں جتنی تقریریں کی ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے۔

(۱) کناڈا میں دوسری زبانیں ہیں۔

(۲) یہ اکثریت کا مطالبہ ہے۔

(۳) اکثریت کے مطالبہ کی حمایت کرنا میرا فرض ہے۔

(۴) میں مجلس دستور ساز میں بنگال کا نمائندہ ہوں۔

(۵) یہ میری ذاتی رائے ہے۔

علا کر اپنی ۱۹ مارچ ۱۹۵۷ء - ۲۰۔ مغربی پاکستان کے چند اردو اخبار نویس ادب، احترام اور اظہار محبت کے طور پر مسٹر محمد علی (بنگالی، کو ہمارے محبوب و کسن وزیر اعظم کے القاب سے یاد کرتے تھے۔ بعضوں نے روبروت کا خطاب دینے کی کوشش کی۔ محترمہ زہرا النساء رحمہ اللہ مدینہ ماہنامہ معصومہ کے مدیرین القادریہ فرمایا ہے۔ خواجہ ناظم الدین کی وزارت کے بوطرف کردینے کے بعد مسٹر محمد علی بوگرو دی منظر عام پر آئے وزارت عظمیٰ کے اعلیٰ عہدہ پر فائز ہونے کے لئے ان میں سب سے بڑی قابلیت یہ تھی۔ کہ وہ بدعنوان سیاسی آلہ کار بن گئے اور مسٹر علی محمد کے اشاروں پر ناسمجھے رہے (فروری ۱۹۵۷ء)

مسٹر محمد علی نے کناڈا میں دوسرے کاری زبانوں کی مثال پیش کی۔ فرانسیسی اور انگریزی دونوں کا رسم الخط یکساں ہے لیکن پاکستان میں اردو اور بنگلہ کے رسم الخط ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ اس کے علاوہ پاکستان کے دونوں بازوؤں میں ایک ہزار میل کا بعد ہے اس لئے مغربی مشرقی پاکستان میں وحدت افکار۔ وحدت خیال وحدت مرکز اور وحدت لسان کی بہت زیادہ ضرورت ہے۔

مسٹر محمد علی کا یہ فرمانا کہ اگر بنگالی زبان کو اردو کے برابر درجہ نہ دیا گیا۔ تو بنگالیوں پر اقتصادی اور تعلیمی ترقی کے دروازے نہیں کھلیں گے۔ ان کے سامنے مغربی بنگال کی مثال موجود ہے جہاں بنگلہ کو ہندی کے مساوی درجہ نہیں دیا گیا ہے۔ مغربی بنگال کے کسی مفکر۔ مدبر۔ یا سیاست دان نے بنگالی زبان کو ہندی زبان کے مساوی درجہ کا مطالبہ نہیں کیا۔

۱۹۵۱ء کی مردم شماری کے مطابق مشرقی پاکستان کی آبادی ... ۷۱۹۳۲۰۰ ہے۔ مسلمان ۳ کروڑ ۲۲ لاکھ ۳۶ ہزار اور ہندو تقریباً ایک کروڑ۔ مغربی پاکستان میں آزاد کشمیر، گلگت اور قبائل یا غستان کی آبادی کو چھوڑ کر مسلمان تین کروڑ ستر لاکھ ہیں۔ مغربی پاکستان میں اس وقت بھی مسلمانوں کی اکثریت ہے۔ اور بنگلہ بولنے والے مسلمان اقلیت میں ہیں۔

دس کروڑ مسلمانوں کی جدوجہد سے پاکستان بنا ہے اور انہوں نے اردو کی حمایت کی ہے زبان کے بارے میں ہندو آبادی کی رائے کوئی معنی نہیں رکھتی۔ کیونکہ انہوں نے تقسیم ہندوستان کے بارے میں پاکستان اور اردو کے خلاف ووٹ دیئے ہیں۔

کراچی میں پاکستان و بھارت کے درمیان ثقافتی دوستی کو ترقی دینے کے لئے ایک انجمن قائم کی ہے۔ ۱۹۵۳ء میں جبکہ پنڈت جواہر لال نہرو۔ وزیر اعظم بھارت حکومت پاکستان کی دعوت پر کراچی تشریف لائے تھے۔ تو اس انجمن کی جانب سے ان کا بڑی دھوم سے خیر مقدم کیا گیا۔ صدر انجمن غیاث الدین بیٹان نے انگریزی میں ایڈریس پڑھ

یہاں اکثریت کی زبان بنگلہ کہی جاتی ہے۔ ہمارے یہاں کی بعض زبانیں کافی ترقی یافتہ اور علوم سے مالا مال ہیں۔ مگر ہم نے جس وقت یہ اعلان کیا کہ ہماری قومی زبان انڈونیشی ہے۔ تو کسی نے ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ اور سب نے یہ فیصلہ تسلیم کر لیا کہ کسی جاوی نے کھڑے ہو کر یہ نہیں کہا کہ جاوی زبان کو بھی قومی زبان کا درجہ دیا جائے کہ یہ اکثریت کی زبان ہے۔ جاوا کے باشندوں نے اپنی قومی زبان انڈونیشی کو تسلیم کر لیا ہے۔

پاکستان اسلام کی عالمگیر اور ہی کے اصولوں پر عالم وجود میں آیا تھا۔ ان میں لسانی نسلی اور صوبائی تعصب کے لئے کوئی جگہ نہ تھی۔ اسلامی بھائی چارہ کی کشش نے ہندوستان کے تمام مسلمانوں کو ایک مرکز پر جمع کر دیا تھا۔ ہر مسلمان کا یہ ہی خیال تھا کہ — لہا جائیگا ہم سے کام۔ دنیا کی قیادت کا۔ افسوس ہے کہ بہت ہی مختصر مدت میں وہ اصول — نقش و نگار طاقِ نسیان ہو گئے۔“

لسانی وحدت

۱۹۵۶ء کے فیصلے

۱۲ اکتوبر ۱۹۵۵ء کو مغربی پاکستان کے تمام عوبوں کو ملا کر ایک صوبہ — صوبہ مغربی پاکستان کے نام سے — بنایا گیا۔ اب کل پاکستان میں صرف دو صوبے ہیں۔ —

۱۱ صوبہ مغربی پاکستان۔ ۲ صوبہ مشرقی پاکستان۔

دوسری دستور ساز اسمبلی نے ۹ جنوری ۱۹۵۶ء کو دستور کا مسودہ بہ عرض منظوری دستور ساز اسمبلی میں پیش کیا۔ یہ مسودہ بنیادی طور پر پرانے مسودہ سے مختلف ہے۔ آج کل چو وھری محمد علی وزیر اعظم ہیں۔ اور مسٹر اسکندر مرزا گورنر جنرل۔

دوسری دستور ساز اسمبلی میں قومی زبان کے متعلق مندرجہ ذیل تجاویز پیش کی گئی تھیں

۱۱ بیس سال تک تمام پاکستان میں انگریزی سرکاری زبان رہے گی۔

۱۲ اردو اور بنگالی کو قومی زبان کی حیثیت دی جائے گی۔

۱۳ ۲۰ سال تک انگریزی تمام سرکاری معاملات کے لئے استعمال کی جاتی رہے گی۔ یوم دستور سے دس سال گزرنے پر صدر ایک کمیشن مقرر کرے گا۔ جو انگریزی کی تبدیلی کے بارے میں سفارشات کرے گا۔ صوبائی حکومت کو اختیار ہوگا کہ وہ بیس سال کی مدت ختم ہونے سے پہلے اس صوبہ کے لئے انگریزی کی جگہ کوئی اور سرکاری زبان بنا دے۔

۱۵ فروری ۱۹۵۶ء کو دستور ساز اسمبلی نے قومی زبان کے متعلق تجاویز میں ترمیمیں کر دی ہیں اور چو وھری محمد علی وزیر اعظم پاکستان نے ان ترمیموں کی منظوری کا اعلان کر دیا ہے۔

۱۱ اور اب اردو مغربی پاکستان کی اور بنگلہ مشرقی پاکستان کی قومی زبان ہوگی۔

۱۲ مسودہ آئین سے وہ دفعہ حذف کر دی گئی۔ جس میں کہا گیا تھا کہ دس سال کے بعد

ملک کے لئے ایک مشترکہ قومی زبان تشکیل دینے کی کوشش کی جائے۔

(۳) اب پاکستان کی دو قومی زبانیں ہو گئیں اور سانی وحدت کا خیال ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا گیا قائد اعظم کا یہ ارشاد وکر پاکستان کی سرکاری زبان اردو، اور صرف اردو ہوگی۔ جو شخص اس کے خلاف کوئی غلط فہمی پیدا کرنا چاہتا ہے۔ وہ پاکستان کا دشمن ہے۔ کیا یہ لوگ پاکستان کے دوست ہیں۔ جنہوں نے قائد اعظم کے اس ارشاد کو ٹھکرا دیا ہے۔

اس فیصلہ کو تمام اخباروں، رہنماؤں، جماعتوں اور عام لوگوں میں سے کسی نے بھی پسندیدہ نظروں سے نہیں دیکھا۔ بابائے اردو ڈاکٹر مولوی عبدالحق کا بیان جو تمام اخباروں میں شائع ہو چکا ہے۔ سب بیانوں سے بہتر جامع اور وزنی ہے۔ قومی زبان - اردو کی حمایت میں اس قدر دلولہ انگیز اور صداقت و جرات سے لبریز بیان اب تک میری نظر سے نہیں گزرا۔ اس بیان میں ہماری آہوں اور کراہوں کو پیش کرنے کا فرض پورے طور پر ادا کر دیا گیا ہے۔ اور ملک و ملت کی صحیح ترجمانی کی گئی ہے۔ یہ بیان ار باب اقتدار کے لئے - ایک لٹکار ہے۔ میں یہی مناسب سمجھتا ہوں کہ مولوی صاحب کے بیان کا خلاصہ یہاں درج کر دیا جائے۔

انجمن ترقی اردو پاکستان کے صدر بابائے اردو ڈاکٹر مولوی عبدالحق کے بیان کا خلاصہ -

مغلوط اسبلی ہارنی میں جو سازشیں اور سودے بازیاں ہو رہی ہیں۔ ان سے یہ اندیشہ تھا کہ زبان بھی اس پھیٹ میں آکر رہے گی۔ آخر وہی ہو کر رہا۔ اردو کے ساتھ جگہ بھی سرکاری زبان قرار پائی۔ اور بیس برس کے لئے انگریزی کے قدم بھی جما دیئے گئے، مصلحت، سودے بازی، سمجھوتے، صوبائی تعصب، ذاتی مفاد کی جیت اور عقل و شعور اور انصاف کی شکست کی یہ حیرت انگیز مثال ہے۔ یہ ایک معمولی سمجھ کی بات ہے۔ کہ کوئی علاقائی زبان خواہ وہ بنگالی ہو یا پنجابی، پشتو ہو یا بلوچی، چار کروڑ کی ہو یا چار لاکھ کی۔ پاکستان کی سرکاری یا قومی زبان نہیں ہو سکتی۔ بنگال والوں کو اپنی اکثریت پر گھمنڈ ہے۔ بے شک تعداد افراد کے لحاظ سے ان کو اکثریت حاصل ہے لیکن ان کی زبان کو اکثریت حاصل نہیں۔ یہ کیسی اکثریت ہے۔ جسے اپنے

گھر سے باہر کوئی سمجھتا ہے۔ نہ بولتا ہے۔ زبان کی اکثریت کے معنی یہ ہیں کہ ملک میں زیادہ سے زیادہ سمجھی جاتی ہو۔ بنگال سے باہر بنگالی زبان اپنی ظاہری ساخت و ترکیب اور باطنی میلانات اور انوکھے رسم الخط کی وجہ سے نامانوس اور نامعقول ہے۔ اور کسی قومی زبان کا درجہ حاصل نہیں کر سکتی۔

جو زبان ایک صدی سے قومی زبان تسلیم کی جا رہی ہو جس کی تصدیق تمام اکابر قوم کرتے چلے آئے ہوں۔ اور اس میں جس پر قائد اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے مہرِ ثبوت ثبت کی ہو۔ اس سے غلطو اسہلی باری کا انحراف کرنا سراسر ناجائز اور احمقانہ فعل ہے۔ وہ ناخلف ہیں جو بابائے قوم کے قطعی اور امت فیصلہ سے روگردانی کرتے ہیں۔ یہ قائد اعظم کی۔ اکابر ملت کی اور قوم کی توہین۔ اور تاریخ کو جھٹلانا ہے۔ یہ فیصلہ نامقبول۔ ناقابل تسلیم اور ناقابل عمل ہے۔ ابھی چھ روز ہوئے محترمہ فاطمہ جناح نے متنبہ کیا تھا کہ اہل ملت حالات کو خاموش تماشائیوں کی طرح نہ دیکھتے رہیں۔ جہاں اصلاح کی ضرورت ہو۔ وہاں اصلاح اور جہاں عمل جراحی کی ضرورت ہو۔ وہاں عمل جراحی لازم ہے۔ ہم نے اپنی قومی زبان کو گزشتہ زمانہ میں جہاد کر کے اور جانیں کھپا کر مخالفوں سے بچایا۔ اور محفوظ رکھا۔ ہم اسے کسی حال میں اس مقدس درجہ سے گرنے نہیں دیں گے۔ جو اسے اب تک حاصل رہا ہے۔ پاکستان کی واحد سرکاری اور قومی زبان اردو اور صرف اردو ہو سکتی ہے۔ یہ ہمارے لئے محض زبان نہیں ہے۔ یہ ہماری زندگی کا جزو ہے۔ اس میں معاشرت علم و ادب۔ تہذیب و تمدن۔ سیاست۔ مذہب سب کچھ ہے۔ انگریزی کو بیس سال کے لئے

سرکاری زبان قرار دے کر دھوکہ دیا گیا ہے۔ بیس سال کی مدت میں ہر بار توبہ سیح ہوتی رہے گی اور یہ ہم پر ہمیشہ مسلط رہے گی۔ ورنہ حقیقت انگریزی کو صرف بیس سال رکھنا مقصود ہوتا تو اس عرصہ مدت میں اردو کو سرکاری زبان بنانے کے لئے ضرور کوئی منصوبہ اسمبلی کے پیش نظر ہونا چاہئے۔ اعلان میں اس کا اشارہ تک نہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ انگریزی

کار اچ اور سہاگ قائم و دائم رہے گا۔ اور اردو کو کبھی قومی زبان کا درجہ نصیب نہ ہوگا
 بیس سال قرار دینے کا مقصد لوگوں کو بھسلا کر خاموش رکھنا ہے۔ اہل حکومتیں اکثر
 اسی قسم کے فریب کرتی ہیں۔ ہم اس کے قائل نہیں۔ کہ حالات نے کچھ ایسی نوعیت پیدا کر دی
 ہے کہ اب اس فیصلہ میں ترمیم و تفہیم کا کوئی امکان نظر نہیں آتا۔ یہ پست ہستی اور بے غیرتی
 کی باتیں ہیں۔ جب چند سازشی سودے باز قائد اعظم جیسی عظیم ہستی کا فیصلہ بھول سکتے ہیں
 تو مخلوط پارٹی کے — پودوں کے فیصلہ کی کیا حقیقت ہے۔ ہم اس نامعقول فیصلہ
 کو بدلو کر رہیں گے۔ — جنگ کراچی۔ ۳۰ جنوری ۱۹۵۶ء

مہاجر ٹیکس

گزشتہ ڈھائی سال کے عرصہ میں ۴ کروڑ ۵۵ لاکھ کی رقم مہاجر ٹیکس سے وصول ہوئی ہے۔ مہاجر ٹیکس مہاجر اور غیر مہاجر دونوں سے وصول کیا جاتا ہے۔ مسٹر احمد ای. ایچ جعفر نے پاکستان پارلیمنٹ میں کہا تھا کہ مہاجر ٹیکس مہاجرین سے بھی وصول کیا جاتا ہے جو ٹیکس نہیں۔ حکومت کو تحقیقات کرنے کے بعد روکنا چاہئے؟

مسٹر محمد علی وزیر مالیات نے پارلیمنٹ میں کہا کہ مہاجر ٹیکس سے مہاجرین کو بری نہیں کہا جاسکتا۔ اس ٹیکس کا مقصد غریب مہاجرین کی امداد ہے۔ جو لوگ ٹیکس ادا کر سکتے ہیں۔ وہ اسے ادا کریں تو کیا ہرج ہے۔

سندھ۔ کراچی مہاجر بورڈ کے صدر مسٹر احمد جعفر نے کہا۔ مہاجر ٹیکس کا روپیہ بنکوں میں جمع ہے۔ اور مہاجر مصائب کا شکار ہو رہے ہیں۔ سا کروڑ روپیہ کی رقم مہاجر ٹیکس میں سے کراچی میں مہاجرین کی آباد کاری کے لئے ۱۹۵۱ء میں الاٹ کی گئی تھی۔ گورنمنٹ نے اب تک ایک کروڑ روپیہ سے کم کا خرچ منظور کیا ہے۔ اصل رقم میں اب تک پچاس لاکھ سے کچھ ہی زیادہ خرچ ہوئے ہیں۔ اس پچاس لاکھ میں سے بڑا حصہ ان منصوبوں پر خرچ کر دیا جن کا مہاجرین کے حساب سے کوئی تعلق نہیں۔ مثال کے طور پر ۸۶۶ اور ۱۰۵ روپیہ پانی کی فراہمی پر صرف کئے گئے ہیں۔ ۲۴۲۱۵ روپیہ ایک پل اور ایک سڑک کی تعمیر پر۔

دیہات مہاجرین کی آباد کاری کے رقبہ سے باہر ہے، یعنی کل رقم منظور شدہ اس منصوبہ کے لئے ۱۸۵۰ روپے۔ قائد آباد اور دوسرے مہاجرین کی نو آبادیوں میں صفائی کے انتظام پر صرف کرنے کے لئے گورنمنٹ نے ۲۵۶ روپے میونسپلٹیوں کو دیئے ہیں۔ ۲۵۰۰ روپے محکمہ دفاع کو چھوٹا دیہاتوں کے کرایہ کے دیئے گئے ہیں۔ ایک

لاکھ روپیہ نگرانی اور سٹوڈنٹ گریس کے کام پر خرچ ہوا کہ لاؤ کھیت میں مہاجر جھونپڑیاں نہ بناسکیں یہ جو اذ کہ یہ ٹریکس اور پل مہاجر کے استعمال کے لئے بنائی گئی ہیں صحیح نہیں اس میں مہاجر اور غیر مہاجر کی تخصیص غلط ہے۔ کارپوریشن ان کاموں کے لئے مہاجر اور غیر مہاجر دونوں سے محصول وصول کرتی ہے۔ مہاجر ٹیکس کی غرض و غایت یہ بتائی گئی تھی کہ یہ روپیہ مہاجرین کی آباد کاری یعنی تعمیر مکانات اور حصول روزگار پر صرف کیا جائے گا۔

تعمیر مکانات کے فنڈ میں مقامی تاجروں اور صنعت کاروں نے سہ دہری سے کام لیا ہے۔ اور اب تک ایک لاکھ تیس ہزار روپیہ کی رقم جمع ہوئی ہے۔ اس میں سے بیشتر عطیات سفارت خانوں اور دوسرے غیر ملکی افراد نے دیئے ہیں۔

مسٹر احمد جعفر نے یہ بھی انکشاف کیا کہ جھونپڑیوں کو بنانے کے لئے گورنمنٹ ہم سے ایک روپیہ آٹھ آنہ فی گز زمین کی قیمت طلب کرتی ہے۔

ایک ایلو مینیسٹم کمپنی نے (جو غالباً غیر ملکی ہے)۔ مہاجرین کے بچوں کے لئے ایلو مینیسٹم کا اسکول بنانے کے لئے پیش کش کی کہ وہ یہ تمام سامان عمارت بندرگاہ پر مفت دیگی لیکن حکومت کا مطالبہ یہ ہے کہ کسٹم کا محصول ادا کرو۔ ہم نے حکومت کو لکھا مگر جواب یہ ملا کہ عطیہ دینے والوں کو کسٹم کا محصول بھی دینا چاہئے۔ حکومت مہاجر ٹیکس کی رقم میں سے کسٹم کا محصول ادا کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔

اس پر مدیر ڈان نے مندرجہ ذیل خیالات کا اظہار کیا ہے۔

ان تمام باتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ جو غیر حضرات پاکستانی مہاجرین کی آباد کاری میں مدد دینا چاہتے ہیں۔ ان کے ساتھ موجودہ پاکستانی حکومت کا رویہ کس قدر غیر مہربانہ ہے۔ اور کس قدر مطلق العنانی کا پہلو لئے ہوئے ہے۔ اگر اور زیادہ کریدنے کی کوشش کی جائے تو ہمیں اور بھی ایسی مثالیں مل جائیں گی جن سے یہ ثابت ہو سکتا ہے کہ گورنمنٹ نے اس عظیم قومی مسئلہ کے حل کرنے میں کس قدر لا پرواہی سے کام لیا ہے۔ حقیقت یہ ہے۔

کہ اس سلسلہ میں علامات نے ایک بڑی بھیانک صورت اختیار کر لی ہے لیکن اس کی کسے پرواہ ہے؟ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو مہاجرین کی آباد کاری کو ایک مقدس ذمہ داری سمجھنے کے بجائے، ایک "کارِ فضول" سمجھتے ہیں۔ لیکن خاص خاص موقعوں پر پروپیگنڈا اور ارازاں شہرت حاصل کرنے کی غرض سے مختلف قسم کے سوانح بھرے جاتے ہیں۔ اور یہ ظاہر کیا جاتا ہے کہ ان کے دل مہاجروں کے درد سے پھٹے پڑتے ہیں۔ حال ہی میں ایک شخص نے جو کہ حکام کے کاسہ لیسوں کے حلقوں میں کافی شہرت کا مالک ہے، کیا یہ نہیں کہا، کہ مہاجرین نے تعمیرِ پاکستان کے سلسلہ میں کوئی رخصتا کا رازہ قربانی نہیں کی ہے۔ مہاجرین جو کہ قائدِ اعظم کو اپنی زندگی میں بہت ہی محبوب تھے، ان کی اس دردناک حالت سے کیا ان کی روح کو فردوس میں صدمہ نہ ہوتا ہوگا؟ لیکن اب پاکستان میں قائدِ اعظم کی پرواہ ہی کون کرتا ہے؟

اخبارِ مقاصد کے اچھی نے کس قدر درد انگیز الفاظ میں مسٹر احمد جعفر کے بیان پر تبصرہ کیا ہے "دو کروڑ اب تک بنک میں محفوظ کیوں ہیں؟ وہ آباد کاری کے کام پر لگائے کیوں نہیں جاتے؟" شاید اس وجہ سے کہ مہاجرین جس حال میں ہیں بڑے آرام سے ہیں۔

شکایت اور تنقید جلدی سے ہر ایک سلیسنسی گورنمنٹ کو بڑا صدمہ پہنچتا ہے۔ لہذا وزارت مہاجرین کی اس محکمہ کے افسروں کی، اور ہر محکمہ کے افسروں کی صرف تعریف ہی کرنی چاہیئے۔ مہاجرین کو کم از کم اس ملک میں ہوا تو مفت مل رہی ہے، وہ اس میں سانس لیتے ہیں اور زندہ ہیں۔

رواداری، رواداری، اتحاد، اتحاد، ان نعروں سے پاکستان کے لیڈروں کی زبانیں خشک رہتی ہیں..... اب مہاجر غیر ہیں۔ پاکستان کی زمین پر ان کا حق نہیں پانی پر ان کا حق نہیں، حکومت پر ان کا حق نہیں، جن کے ہاتھوں میں اختیار آ جاتا ہے، انہی کا کا دماغ چل جاتا ہے۔ وہ مقامی ہوں یا مہاجر۔ امتحان میں کوئی پورا نہیں آتا، اپنے

کردار اور عمل کے اعتبار سے کوئی مسلمان ثابت نہیں ہوتا۔

یہ زمانہ اچھی طرح یا بری طرح گزر جائے گا۔ جنہیں مسند حکومت پر مرزا ہے۔ وہ مسند حکومت پر مرجائیں گے۔ اور جنہیں راستوں پر اور میدانوں میں۔ بہ حالت کس پیرسی۔ جان دینی ہے وہ اسی طرح مرے گے۔ مگر دنیا کی نظروں میں یہ سب ذلیل ہوں گے۔ جو اسلامی اخوت اسلامی رواداری اور ان محاسن کو ہد نام کر رہے ہیں۔ جو کبھی مسلمانوں کی خصوصیات تھیں۔ پاکستان کے قیام سے مسلمانوں کو وہ قوت کو حاصل نہ ہوئی جو مقصود تھی۔ لیکن ان کے عیب نمایاں ہو گئے۔

منفقہ اور غیر منفقہ علاقوں کا امتیاز

مہاجر سب صوبوں سے زیادہ مغربی پنجاب میں داخل ہوئے۔ اور سات برس کے بعد اب بھی مہاجرین کی سب سے بڑی تعداد مغربی پنجاب میں موجود ہے۔ یہ مہاجر زیادہ تر مشرقی پنجاب اور ملحقہ ریاستوں کے رہنے والے ہیں۔ یہ علاقہ تسلیم شدہ علاقہ ہے میرے خیال میں ہندوستان کے غیر تسلیم شدہ اقلیتی صوبوں کے مسلمان مہاجرین کی تعداد مغربی پنجاب میں ۲۰ ہزار سے زیادہ نہیں ہے۔ چونکہ اقلیتی صوبوں کے مہاجرین غیر تسلیم شدہ علاقوں سے آئے تھے۔ اسلئے مغربی پنجاب کی حکومت نے ان کی آباد کاری پر کوئی خاص توجہ نہیں کی۔ دیوبند کے مسلمان جو مغربی پنجاب سے واپس بھارت گئے ہیں۔ انہوں نے بتایا۔

”کہ مغربی پنجاب میں ہمیں ناخواندہ مہمان سمجھا جاتا تھا۔ اور دروازے بند ہیں ڈال دیا تھا۔ راقم الحروف اپریل ۱۹۵۷ء میں بذریعہ پرمٹ ہندوستان سے جالندھر ہوتا ہوا کراچی پہنچا تھا۔ میں نے پاکستان کے جالندھر کیمپ میں دیکھا۔ کہ ہندوستان کے اقلیتی صوبوں کے جو مسلمان مہاجر بغیر پرمٹ کے غلطی سے وہاں آجاتے تھے۔ تو ان کے ساتھ کچھ اچھا سلوک نہیں کیا جاتا تھا۔ بریلی۔ دیوبند، کی ایک بوڑھی خاتون نے اپنے جوان صاحبزادے کے پاکستان جانے کے لئے جالندھر کیمپ میں آگئی تھی۔ وہاں چند روز کے بعد وہ سخت بیمار ہو گئی۔ اس کی آخری حسرت یہ تھی کہ میں پاکستان ہی میں جا کر مریں۔ اور پاکستان ہی میں سپرد خاک کی جاؤں۔ کاش مجھے پاکستان جانے کی اجازت دے دی جائے۔“

— اس سلسلہ میں۔ پاکستان ٹریڈ ہائی کمشنر میجر جنرل عبدالرحمن۔ مقیم جالندھر سے میں نے ملاقات کی۔ اور اس بوڑھی مہاجرہ کی آخری تمنائوں کا ذکر کیا۔ موصوف بہت ہی اخلاق سے

پیش آئے۔ اور اپنی مجبوریوں کا اظہار کیا۔ اور کہا کہ یہ کمیپ مغربی پنجاب کی حکومت نے قائم کیا ہے۔ یہاں سے صرف مشرقی پنجاب کے مہاجرین کو مغربی پنجاب میں بھیجنے کا انتظام کیا جاتا ہے۔ اگر میں اقلیتی صوبوں کے کسی مہاجر کو پرمٹ دے دوں۔ تو مغربی پنجاب کی حکومت تجھ سے باز پرس کرے گی۔ یہ بات سن کر میرے دل پر بہت ہی خراب اثر ہوا۔ اور بے اختیارانہ یہ الفاظ میری زبان پر آگئے۔ اے خدا! مسلمانوں کی اتنی تباہی و بربادی کے باوجود اب بھی مغربی پنجاب کے دروازے صوبائی تعصب نے بند کر دیئے ہیں۔ دو تین روز کے بعد وہ بوڑھی عورت اس دنیا سے سفر کر گئی اور وہیں جالندھر میں سپرد خاک کر دی گئی۔

مشرقی پنجاب کے مسلمان بھی پنجابی زبان بولتے ہیں۔ اور اکثر مغربی پنجاب کے باشندوں کے قریبی رشتہ دار بھی ہیں۔ اس لئے مغربی پنجاب کے لوگوں کو ان سے قلبی انس ہے۔ مغربی پاکستان میں مغربی پنجاب ہی ایک ایسا صوبہ ہے جو کہ تسلیم شدہ اور غیر تسلیم شدہ رقبوں سے آئے ہوئے مہاجرین کے درمیان امتیاز برقرار رکھنے کا زبردست حامی تھا۔ پاکستان کے دستور حکومت کے مطابق تمام پاکستانیوں کو مساویانہ اور یکساں حقوق حاصل ہیں۔ اس لئے مختلف صوبوں میں۔ تسلیم شدہ اور غیر تسلیم شدہ رقبوں سے آئے ہوئے مہاجرین میں امتیاز قائم رکھنا نظام جمہوری کے سراسر خلاف ہے۔

معزز مدیر ڈان کراچی نے اپنے ۲۳ فروری ۱۹۵۷ء کے اخبار میں اس موضوع پر بدین الفاظ اظہار رائے کیا ہے۔

”پاکستان اور بھارت کے درمیان متروکہ جائیدادوں کے متعلق جو معاہدہ ہوا تھا۔ اس میں تسلیم شدہ اور غیر تسلیم شدہ رقبہ کے الفاظ کا اضافہ کیا گیا تھا۔ معاہدہ پر دستخط ہونے کے فوراً ہی بعد بھارت نے اس معاہدہ کی خلاف ورزی کی۔ اور جائیداد متروکہ کا قانون تمام بھارت پر عائد کر دیا تھا۔ بھارت کی اس خلاف ورزی کے باوجود پاکستان

کی حکومت نے اس امتیاز کو قائم رکھا۔ ۱۹۵۷ء میں ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی وزیر مہاجرین نے کہا تھا کہ یہ امتیاز ختم ہونا چاہیئے۔ یہ پہلا اعلان تھا۔ تب سے اب تک مہاجرین کے مختلف وزرا نے اس امتیاز کے ختم کرنے کے متعلق متعدد اعلان کئے ہیں۔ لیکن یہ امتیاز بدستور باقی ہے۔ (ترجمہ و اقتباس)

پنجاب مسلم لیگ اسمبلی پارٹی نے ملک فیروز خان فون کی صدارت میں یہ ریزولوشن پاس کیا تھا۔ کہ یہ پارٹی پاکستان گورنمنٹ سے درخواست کرتی ہے۔ کہ مہاجرین کی آباد کاری کے سلسلہ میں تسلیم شدہ اور غیر تسلیم شدہ رقبہ سے آئے ہوئے مہاجرین کے امتیاز کو نہ ختم کیا جائے۔

پنجاب اسمبلی نے مرکزی حکومت سے کہا ہے۔ کہ متفقہ اور غیر متفقہ علاقوں کے مہاجرین میں جو اختلاف ہے۔ اس کو ختم نہ کیا جائے۔ جو دھری محمد شفیق (مسلم لیگ) نے اس سلسلہ میں ایوان میں ایک قرارداد پیش کی۔ جس کو متفقہ طور پر منظور کر لیا گیا۔ قرارداد میں کہا گیا ہے۔ کہ پنجاب میں مہاجرین کی منظم آباد کاری کے لئے متفقہ اور غیر متفقہ علاقوں کے مہاجرین میں امتیاز قائم رکھنا بہت ضروری ہے۔

مسٹر مظفر علی قزلباش نے پنجاب اسمبلی میں جواب دیتے ہوئے مہاجرین کی آباد کاری کے لئے متفقہ اور غیر متفقہ علاقوں کی تفریق ختم کرنے کے متعلق مرکزی حکومت کی تجویز کی شدید مخالفت کی۔ مہاجرین کی کثرت تعداد کے لحاظ سے مغربی پنجاب کے بعد دوسرا نمبر سندھ کا ہے۔ سندھ میں زیادہ تعداد ان مہاجرین کی ہے۔ جو غیر تسلیم شدہ علاقوں سے آئے ہیں۔ یہاں یہ امتیاز بے نام سندھ کے گورنر مسٹر حبیب ابراہیم رحمت اللہ نے وزیر اعلیٰ سندھ پیر زادہ عبدالستار کی تائید میں فرمایا۔ کہ سندھ میں تسلیم شدہ اور غیر تسلیم شدہ رقبوں سے آئے ہوئے مہاجرین کے درمیان کوئی امتیاز نہیں برتا گیا ہے۔

عڈ ڈان ۲۲ فروری ۱۹۵۷ء۔ لاہور ۲۲ فروری ۱۹۵۷ء۔ ۲۷ لاہور ۲۷ فروری ۱۹۵۷ء۔ امرتسر ۲۷ فروری ۱۹۵۷ء۔
یکم مارچ ۱۹۵۷ء۔ لاہور ۳ مارچ ۱۹۵۷ء۔ ۵۔ ڈان کراچی ۳۳ فروری ۱۹۵۷ء۔

کل پاکستان مہاجر بورڈ کی مجلس عاملہ نے مندرجہ ذیل ریزولوشن پاس کیا تھا۔
 "بورڈ نے مرکزی محکمہ آباد کاری اور سندھ گورنمنٹ سے یہ درخواست کی ہے کہ سندھ
 میں مہاجروں پر جو ظلم و ستم ڈھائے جا رہے ہیں۔ وہ بند کئے جائیں۔ بورڈ کو سندھ کے بہت
 سے تعلقوں اور ضلعوں سے اس قسم کی رپورٹیں موصول ہوئی ہیں۔ کہ مہاجروں کو مزروعہ آراضی سے
 نکالا جا رہا ہے۔ ان کی فصلیں ضبط کی جا رہی ہیں۔ اور تسلیم شدہ رقبوں سے آئے ہوئے
 لوگوں کو معاوضہ دینے کے لئے آباد شدہ مہاجروں کو اجاڑا جا رہا ہے۔"

۱۲ اپریل ۱۹۴۷ء کو وزیر مہاجرین پاکستان نے بتلایا تھا۔ (۱) کہ تسلیم شدہ اور غیر تسلیم
 شدہ رقبہ کی تفریق ختم کر دی گئی ہے۔ (۲) تسلیم شدہ علاقوں کے مہاجرین بے دخل
 نہیں کئے جائیں گے۔

پنجاب کے وزیر تعلیم چوہدری علی اکبر نے جو خود بھی طے شدہ علاقہ کے مہاجرین بشعب
 قریشی وزیر مہاجرین نے اس اعلان کی مذمت کی ہے۔ انہوں نے کہا کہ اس بیان سے بڑی الجھن
 پیدا ہو گئی ہے۔ کہ ایک طرف تو مشرقی نے کہا ہے کہ مہاجرین کا علاقائی فرق ختم کر دیا گیا ہے اور
 دوسری طرف یہ کہا گیا ہے کہ طے شدہ علاقوں کے مہاجرین کو غیر طے شدہ علاقوں کے
 مہاجرین کے مقابلہ میں ترجیح دی جائے گی۔ اور انہیں پہلے بسایا جائے گا۔ تعجب ہے کہ جب
 یہ ترجیح امتیاز برتا جائے گا۔ تو پھر علاقائی امتیاز کن معنوں میں ختم کیا گیا ہے۔

وزیر تعلیم نے کہا کہ ابھی تک صوبہ پنجاب میں طے شدہ علاقوں کے مہاجرین بھی
 آباد نہیں ہو سکے ہیں۔ ان مہاجرین کی تعداد ۵۶ لاکھ ۳۴ ہزار ہے۔ حالانکہ اس کے
 مقابلہ میں ۹۳ لاکھ ۵۵ ہزار تارکین وطن پنجاب چھوڑ کر بھارت گئے ہیں۔ مشرق
 شیب قریشی کے اس اعلان پر کہ طے شدہ علاقوں کے مہاجرین کی آباد کاری تقریباً
 مکمل ہو چکی ہے۔ وزیر تعلیم نے کہا کہ کم از کم پنجاب میں مہاجرین کی مستقل
 آباد کاری تو ابھی کو سوں دور ہے۔ آباد کاری کا اندازہ تو اس سے بہ آسانی

لگایا جاسکتا ہے۔ کہ مہاجرین کے مطالبات کے مطابق ساٹھ لاکھ ایکڑ آراضی تقسیم ہونا چاہیے۔ مگر اس میں سے اب تک صرف چودہ لاکھ ایکڑ آراضی مستقل بنیاد پر الاٹ کی گئی ہے۔ غیر ملکی شدہ علاقوں کے مہاجرین کی اکثریت کراچی اور سندھ میں پڑی ہوئی ہے۔

اے ارض پاک چاہے دو گزین مجھے

ڈرگ روڈ کالونی کے مہاجرین کی برادری

پاکستان گورنمنٹ کے ذمہ دار لوگوں کی جانب سے ایک سال کے اندر مہاجرین کو اچھی کی آباد کاری کے متعلق ہمالہ پہاڑ سے زیادہ بڑے بڑے بیانات و اعلانات شائع ہو چکے ہیں۔ اور ہو رہے ہیں۔ عوام کے دل میں یہ خیال پیدا ہو چلا تھا کہ اب وقت آگیا ہے کہ ان خانساں برہاد مہاجرین کی تباہ کاریاں اور پریشانیاں، آباد کاری اور سکون و راحت میں تبدیل ہو جائیں گی

لنگاہیں پڑ رہی تھیں بادلوں کے کھیت پر سب کی کہ سیلاب گہراٹھے گا۔ ان سے آج دنیا میں مگر ان کی حیات مختصر کا دیکھ کر نقشہ چھلک آئے ہیں اشک خون مری چشم تمنا میں کراچی اور اس کے مضافات میں مہاجرین کو ایک جگہ سے اٹھا کر دوسری جگہ بھیجنے کا سلسلہ ابھی ختم نہیں ہوا ہے جس کی وجہ سے ان تباہ حال اور مظلوم مہاجرین پر مصائب کے نئے پہاڑ ٹوٹ پڑے ہیں۔ اگر مہاجرین کو کراچی پہنچتے ہی کسی منصوبہ بندی کے ماتحت مناسب قطععات زمین الاٹ کر دیئے جاتے۔ تو انہیں ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن متعلقہ حکام کی نااہلیت کی وجہ سے ایسا نہیں ہوا مسٹر احمد جعفر نے پارلیمنٹ میں اس بات کی شکایت کی تھی کہ بڑے بڑے افسروں کے رشتہ داروں کو پلاٹ دینے کے لئے مہاجرین کو بے گھر کیا جا رہا ہے۔

آج صورت حال یہ ہے کہ کہیں مہاجرین کو چین سے نہیں بیٹھنے دیا جاتا۔ اور کراچی

سے انہیں ڈرگ روڈ منتقل کرنے کا سلسلہ جاری ہے۔ اور وہ بھی اس غلط طریقہ سے کہ ان کے لئے نہ وہاں رہنے کی سہولتیں ہیں۔ نہ ذرائع آمد و رفت آسان اور ارزاں ہیں۔ اور نہ روزگار کا حصول استقام ہے۔ ایک اطلاع منظر ہے کہ بارش سے ڈرگ روڈ کالونی میں .. مہاجرین کو سخت نقصان ہوا ہے۔ سینکڑوں جھونپڑیوں کے علاوہ تقریباً ایک سو مکانات کو بھی جو مہاجرین نے دو تین ماہ کے عرصہ میں تعمیر کئے تھے۔ نقصان پہنچا۔ مظلوم مہاجرین تمام رات بھگے کپڑوں میں سردی سے ٹھترتے رہے۔ اور متعدد افراد کو نمونیہ بھی ہو گیا

..... آباد کاری سے متعلق حکام نے ڈرگ روڈ کے مہاجرین کی مشکلات کا احساس نہیں کیا۔ بلکہ ان پولیس کی زیادتیوں کا نیا سلسلہ شروع ہو گیا ہے۔ اور وہاں بھی آباد کاری کے بجائے یہ منظر دیکھنے میں آ رہا ہے۔ کہ پولیس مہاجرین کو پریشان کرنے میں مصروف ہے بارش سے بچنے کے لئے جو مہاجر کہیں پناہ لیتے ہیں۔ ان کے ساتھ ہمدردی کا برتاؤ نہیں کیا جاتا۔ نہ ان کے ساتھ انصاف کیا جاتا ہے۔ کوارٹروں کے الاٹمنٹ میں اقرار پروری اور رشوت خوری کا زور ہے۔

ڈرگ روڈ کالونی کے مہاجرین کے مصائب کا اندازہ نواب سید شمس الحسن صاحب کی اس اپیل سے ہو سکتا ہے جو انہوں نے اخبارات میں شائع کرائی ہے۔

کہ اچھی ۱۷ جنوری ۱۹۵۴ء ۳۰ نومبر کی شب کو ڈرگ روڈ کالونی میں بارش کی وجہ سے ہلاک نمبر ۳ کی ۶۵ جھونپڑیاں بانی سے بھر گئیں اور مکینوں کا کافی نقصان ہوا لیکن عمومیت سے کالونی کے بیس ہزار مہاجرین میں سے ۹۵ فیصدی کا سارا اثاثہ بھیگ گیا۔ اور اس بے روزگاری میں سردی چمک جانے سے حالات بہت خطرناک ہو گئے۔ گو حکومت کی طرف سے لحاف تقسیم کئے جا رہے ہیں۔ پھر بھی وہ اتنے نہیں ہیں جو ۹۵ فیصدی آبادی کو سردی سے بچا سکیں بالعموم فی نادار گھر ایک لحاف دیا گیا ہے۔ لیکن اسی گھر کے باقی چھ افراد سردی کا شکار ہیں۔ کم از کم اس وقت دس ہزار لحافوں اور گدوں کی ضرورت ہے۔

دواؤں کا انتظام ناکافی ہے۔“

”سرکاری آئی۔ اور اس کے ساتھ بارش بھی ہوئی۔ کس طرح جھونپریاں ٹپکیں اڑھیں اور کس طرح عزیز مہاجر نو نیا میں مبتلا ہوئے۔ اور مرے۔ ڈرگ روڈ میں بیماروں کے معاملے کا بھی انتظام نہ تھا۔ اور جو مرے۔ ان کے پاس کفن کو پیسہ بھی نہ تھا۔ فیاض حکومت نے مفت کفن مہیا فرمایا۔..... ڈرگ روڈ۔ لالو کھیت، گولی مار۔ مہاجرین کو ادھر ادھر آباد کرنے سے کیا فائدہ؟ مرنا پھر بھی باقی رہ جاتا ہے۔ قبرستان میں آباد کاری دائمی اور مستقل آباد کاری ہے۔..... سب سے زیادہ المناک یہ ہے کہ اس حقیقت کا اعلان اور مظاہرہ ہو گیا۔ کہ مسلمانوں میں ہاسم وہ جذبہ اخوت بالکل موجود نہیں ہے۔ جس کی وجہ سے ساری دنیا ان کا احترام کرتی تھی۔ اور جس کی وجہ سے غیر اقوام پر ان کا رعب تھا۔“

اگر محکمہ آباد کاری ان تہا حال مہاجروں کی آباد کاری اور روزگار مہیا کرنے میں پورے طور پر کامیاب نہ ہو سکا ہے۔ تو کم از کم ان ٹپ ٹپ کر مرنے والے مہاجروں کے لئے کفن و دفن ہی کا انتظام کر دیا جائے۔
اے ارض پاک چاہئے دو گز زمین مجھے

(۲)

”پھرا جاؤ۔ پھرباؤ“

۵ فروری ۱۹۵۴ء کو ۷۰ مصیبت زدہ اور پریشان حال عورتوں نے وزیر مہاجرین کی قیام گاہ کے سامنے اس لئے مظاہرہ کیا۔ کہ نمائش کے میدان سے مہاجرین کو ڈرگ روڈ منتقل نہ کیا جائے۔ کیونکہ از سر نو انہیں ڈرگ روڈ میں جھونپریاں بنانی پڑیں

گی۔ اور شہر سے دور ہونے کی وجہ سے ڈرگ روڈ میں وہ اپنے معاشی وسائل سے بھی محروم ہو جائیں گے۔

ڈرگ روڈ کالونی میں اس وقت تیس ہزار مہاجر موجود ہیں۔ یہ مختلف جگہوں میں آباد تھے۔ ان کی جھونپڑیاں توڑ کر پھینک دی گئی ہیں۔ اور زبردستی ڈرگ روڈ کالونی میں لائے گئے ہیں۔ گورنمنٹ کا فرض تو یہ تھا کہ اول ان کے رہنے، سہنے، روزگار، طبی امداد اور تعلیم کا پورا انتظام کرتی۔ پھر انہیں ڈرگ روڈ کالونی میں لاتی۔ لیکن ایسا نہیں کیا گیا۔ موسم سرما کی بارش سے مہاجرین میں نمونیہ اور دوسری بیماریاں پھیل رہی ہیں۔ طبی امداد برائے ناگہیہ ڈرگ روڈ کالونی میں ایک بند کے ٹوٹ جانے سے ہزاروں مہاجرین کے اثاثہ معہ جھونپڑیوں کے بہہ گئے ہیں۔ ایسی ہی تباہی موسم سرما کی بارش سے۔ پرانا حاجی کیمپ۔ قائد آباد۔ اسلام آباد۔ مسلم لیگ کی منائش۔ گاف گراؤنڈ۔ عقب جیکب لائنس۔ لہاقت بستی۔ گولیاں وغیرہ وغیرہ سب مہاجر بستیوں میں پھیلی ہوئی ہے۔ پنج بستی ہوٹل چل رہی ہیں۔ سردی کی وجہ سے معصوم بچے ماؤں کے سینوں سے چپٹے ہوئے ہر ہر کانپ رہے ہیں۔ بوڑھی عورتیں اور بیمار مرد پانی میں شراور ہیں۔ اور کراہ رہے ہیں۔ فاقہ کش مفلس نان شبینہ کو محتاج ہیں۔ اور آسٹو بہا رہے ہیں۔ تین فٹ اونچا پانی ڈرگ روڈ کالونی میں بھر گیا ہے۔ پاکستان کو۔ اسلامی اور اپنا ملک سمجھ کر آئے تھے۔ لیکن بے پناہ مصائب اور فاقہ کشی نے ان غریبوں اور مصیبت زدہ لوگوں کو مڑھجھا دیا ہے

(۱) وزیر اعظم نے تعمیر مکانات کے لئے ایک فنڈ جاری کیا تھا۔ اس میں کچھ زیادہ روپیہ جمع نہیں ہوا۔ کیونکہ تاجروں اور سرمایہ داروں نے سر دھری سے کام لیا۔

(۲) گورنمنٹ نے تعمیر مکانات کے واسطے قرض دینے کے لئے مالی کارپوریشن قائم کی تھی۔ قرض دینے کی شرائط بہت سخت تھیں۔ اور شرح سود بھی بہت زیادہ تھی۔ اس لئے یہ اسکیم کچھ مفید ثابت نہ ہو سکی۔

(۳) ہر مہاجر خاندان کو مکان بنانے کے لئے ۵۰ روپیہ قرض ملنے کی اسکیم بھی شرمندہ عمل نہ ہو سکی۔

(۴) مہاجر ٹیکس سے جو روپیہ وصول ہوا ہے۔ وہ سب مکانات کی تعمیر پر خرچ ہونا چاہیے تھا۔ لیکن اس میں سے کافی رقم مہاجرین کو ایک جگہ سے ہٹا کر دوسری جگہ پھینکنے پر خرچ کی جا رہی ہے وزیر مہاجرین مسٹر شعیب قریشی نے یہ سچ کہا ہے۔ کہ یہ مہاجر نہیں ہیں بلکہ مجاہد ہیں اتنے مصائب برداشت کرنے کے بعد بھی پاکستان کے فدائی ہیں۔

۱۸ فروری کی شام ڈرگ روڈ کالونی کے دو سو مہاجروں نے۔ سیاہ پرچم ہاتھ میں لئے ہوئے، وزیر اعظم کی کوٹھی کے سامنے مظاہرے کئے اور نعرے لگائے۔ وزیر اعظم کے سیکریٹری نے انہیں تسلی دے کر واپس کر دیا۔

آٹھواں سال چل رہا ہے۔ تقریریں ہو رہی ہیں، بیانات دیئے جا رہے ہیں۔ منصوبے دیکھان، بن رہے ہیں۔ لیکن ابھی تک کوئی اسکیم مکمل نہیں ہوئی ہے۔ بس اب اس پر عمل ہو رہا ہے۔ پھر اجاڑو۔ پھر ساڈ

اہل تدبیر کی داماندرگیاں

آبلوں پر بھی حنا باندھتے ہیں

(غالب)

انقلاب زمانہ

انقلاب زمانہ - خواہ اجتماعی زندگی ہو یا انفرادی - دونوں کو دگرگون اور درہم برہم کر دیتا ہے۔ اونے طبقہ کے لوگ ترقی کی صفت اول میں پہنچ جاتے ہیں، اور صف اول کے لوگ نان شینہ کو محتاج ہو جاتے ہیں۔ انقلاب زمانہ کی صحیح تصویر دیکھنے کی خواہش ہو۔ تو پاکستان کے مہاجرین کو دیکھ لیجیے۔ زیادہ سے زیادہ دس فیصدی مہاجر پاکستان میں آکر گمنامی و نجات کی زندگی سے مدارج اعلیٰ پہنچ گئے ہیں۔ دولت و ثروت اور شہرت و عظمت کے مالک بنے ہوئے ہیں۔ ۹۰ فیصدی مہاجر مایوسی و ناکامی اور ذلت و خواری کی زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔ ان میں اکثریت ایسے لوگوں کی ہے جو کہ کاسہ گدائی ہاتھ میں لئے ہوئے در بدر ٹھوکیں کھاتے پھر رہے ہیں۔ مہاجرین کی بے بسی و بے کسی کی لاتعداد مثالیں میں سے یہاں چند مثالیں پیش کی جا رہی ہیں۔

پہلا رخ

ہم پاکستان میں ناخواندہ مہمان تھے
واپس جانے والے مہاجرین کا بیان

(۱) ۱۳ مارچ ۱۹۵۲ء ... ۱۱ مہاجر بذریعہ اسپیشل ٹرین لاہور سے ہندوستان بھیجے گئے۔ یہ مہاجرین ۱۹۵۰ء کے لیاقت نہرو معاہدہ کے تحت اپنے گھروں کو واپس گئے ہیں۔ اس معاہدہ کے تحت مہاجرین کا ایک قافلہ مئی ۱۹۵۲ء میں ہندوستان گیا تھا۔ فروری ۱۹۵۰ء سے دسمبر ۱۹۵۰ء تک جو مسلمان مہاجر آئے تھے۔ ان میں سے تقریباً ۹۱ ہزار نے واپسی کی خواہش کا اظہار کیا تھا۔ اور گزشتہ تین سال میں اب تک ۲۲ ہزار

مہاجرین کو حکومت ہند نے واپس لے لیا ہے۔

یہ واپس جانے والے مہاجر زیادہ تر یو۔ پی کے رہنے والے ہیں۔ یہ حب بھارت سے پاکستان آئے تھے۔ تو تباہی و بربادی اور لے سرو سامانی و خانہ ویرانی کے باوجود ان کے حوصلے بلند تھے۔ دل خوش اور دلوں سے لبریز تھے۔ یہ تمام ایشیا کے فتح کرنے کے خواب دیکھ رہے تھے ان کا نعرہ تھا۔

”فلک راسقت بشکافیم و طرح دینگہ اندازیم“

یہ سمجھتے تھے کہ پاکستان ہماری قربانیوں کا سب سے بڑا صلہ ہے اور ہم بہت جلد خلفائے راشدین کے زمانہ کی تمام برکتوں اور سعادتوں سے استفادہ کر سکیں گے ان لوگوں نے واپسی پر جو بیان دیا ہے۔ وہ کس قدر تلخیوں اور مایوسیوں سے بھرا ہوا ہے ان کے بغیر حال پر مت جا۔ انقلابات ہیں زمانے کے

کراچی ۱۵ مارچ ۱۹۵۵ء۔ ہندوستانی اسٹارٹائز آف انڈیا نے یہ خبر شائع کی ہے کہ ہندوستانی مسلمان جو پاکستان سے ہندوستان واپس گئے ہیں جب امرتسر اسٹیشن پر پہنچے تو انہوں نے وہاں لوگوں کو بتایا کہ پاکستان میں انہیں ناخواندہ مہمان سمجھا جاتا تھا۔ اور دور و دراز کی پھولوں میں ڈال دیا تھا۔ ان مہاجرین میں سے اکثر بیٹے پرانے کپڑے پہنے تھے۔ اور کہہ رہے تھے کہ روانگی سے تھوڑی سی دیر پہلے مسلم لیگی کارکنوں نے انہیں نئے کپڑے دیئے تھے۔ لیکن انہوں نے چلتے وقت کی اس خیرات کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

در روزنامہ امروز کراچی، ۱۵ مارچ ۱۹۵۵ء

ہم مسافر ہیں۔ اتر جائیں گے پار۔ اک دم میں
تجھ کو اسے موج مبارک رہے دریا تیرا

ایک مہاجر کنبہ کو بے گھر کر دیا

(۲)

لاہور۔ ۲۱ دسمبر ۱۹۵۲ء۔ ایک ۵۵ سالہ بے کس و نادار مہاجر اس کی ضعیف و کمزور بی بی۔ بیہو اور دو سالہ پوتے کو سردی کی شدت میں محض اس وجہ سے ان کی پناہ گاہ سے مار کر باہر نکال دیا گیا ہے کہ محلہ کے ایک بااثر شخص کو اپنی گھوڑی کے لئے ایک اصطبل کی ضرورت تھی۔ واقعات اس طرح بیان کئے جاتے ہیں کہ انبالہ کا ایک مہاجر سنی محمد رمضان گزشتہ باپچ سال سے دھوبی منڈی علاقہ پرانی انارکلی میں ایک متروکہ کمرہ میں رہ رہا تھا۔ متعدد درخواستوں اور عرض و اشتیاق کے بعد ۱۴ دسمبر کو مذکورہ کمرہ محمد رمضان کے نام الاٹ کر دیا تھا۔ اور الاٹمنٹ کی عارضی چٹ بھی محمد رمضان کے نام جاری کر دی تھی۔ اس اثنا میں محلہ کے ایک بااثر شخص نے اپنی گھوڑی کے لئے یہ کمرہ حاصل کرنا چاہا۔ اور مختلف طریقوں سے محمد رمضان کو تنگ کرنا شروع کر دیا۔ آخر رات کے وقت اس نے چھ سات اشخاص کی مدد سے اس کنبہ کو زود کو ب کر کے ان کا سیان باہر پھینک دیا۔ اور اس کمرہ میں اپنی گھوڑی باندھ کر اسے تالا لگا دیا۔ یہ کنبہ اس کمرہ کے باہر پڑنے کے درخت کے نیچے کس مہر سی کی حالت میں بیٹھا رہا ہے کہ سن بچہ کو سردی کی شدت سے پھلنے کے لئے دو چار پائیوں کو ملا کر ایک جھونپڑی سی بنائی گئی ہے جس میں بچہ اور اس کی ماں پڑے ہوئے ہیں۔ کنبہ کے باقی افراد آسماں کا سہارا لئے ہوئے گھوڑی کی قسمت پر رشک کر رہے ہیں۔ اور بوڑھا محمد رمضان الاٹمنٹ کی چٹ سینے سے لگائے سامان کی حفاظت کر رہا ہے۔

روزنامہ انجام کراچی۔ ۲۳ دسمبر ۱۹۵۲ء

چار لاشیں۔ ایک اطلاع منظر ہے کہ شدید سردی کی وجہ سے ڈرگ روڈ کالونی میں چار افراد گھٹن کر موت سے ہم آغوش ہو گئے جن کے رشتہ داروں نے بتایا

کہ انہیں نہ طبی امداد مل سکی۔ نہ سروی کے اثر سے محفوظ رکھنے والے گرم کپڑے اور لحاف
میسر آ سکے۔ ان میں سے ایک بچی کے گھٹن کے لئے پڑوس کے لوگوں نے جندہ جمعہ کے
دیا کہو کو اس کے باپ کے پاس پیسے نہیں تھے۔ ۱۰ جنوری ۱۹۵۸ء روزنامہ بجا کا اداس

روح فرساحالت میں نے لائل پور میں بادشاہ خان و خان عبدالغفار خان، کی
معیت میں۔ مائی دی جھگی۔ کو دیکھا۔ تو روح کا پگٹی
— جن مہاجروں کو یہاں رکھا گیا ہے۔ ان کی حالت اتنی خراب ہے کہ آج تک اتنی
شکستہ حالت کہیں نہیں دیکھی۔ ان کے بچوں کے بدن واقعی برہنہ ہیں۔ ان کے چہروں
پر ہفتوں کی گرجی ہوئی ہے۔ موٹی موٹی آنکھوں میں تلخی روزگار کی شکایت کے سوا
کچھ نہیں۔ یہ لوگ بھوک کے لئے پیدا ہوئے اور بھوک سے مر جاتے ہیں۔ عفونت عام ہے
— مائی دی جھگی۔ ایک دردناک بستی ہے۔ کچھ جھونپڑیاں — جہاں دستی کھڈیل
لگی ہوئی ہیں۔ ایک ہی کمرہ میں سوت کا تنے۔ کھڈی بننے۔ اور رات کو ایک ہی بستر
کے اندر باپ بیٹا۔ ماں، بہن، بہو سب سو رہتے ہیں۔ (دبچان۔ لاہور)

دوسرا رخ

مندرجہ ذیل تیغوں مثالیں — مہاجرین کا مسئلہ مولفہ جناب آغا محمد اشرف —
سے بہ صد شکر یہ لی گئی ہیں۔

”ایک روز میں کراچی میں جا رہا تھا کہ دفعۃً ایک موٹر سڑک پر رکی۔ اور اس میں سے
ایک جنٹلمین۔ سرتاپا انگریزی لباس پہنے ہوئے عجب سے طے کے لئے ہاسر نکلے۔ مجھے ان
کو پہچاننے میں ذرا تاہل ہوا لیکن پھر فوراً ہی خیال آگیا کہ یہ تو آگرہ کے وہ درزی تھے جن

سے میں اکثر کپڑے سلوا کر تا تھا۔ اب انہوں نے یہ کام چھوڑ دیا تھا۔ اور اس پورٹ اور امپورٹ کا لائسنس حاصل کرنے کی فکر میں لگے ہوئے تھے۔ اور چاہتے تھے کہ میں ان کے صاحبزادہ کو کسی یورورپین اسکول میں داخل کرانے میں ان کی مدد کروں۔

(۲) میں حیدر آباد سندھ گیا۔ تو اسی قسم کا ایک اور واقعہ نظر آیا۔ علی گڑھ اور میرٹھ کی نمائشوں کا مشہور کباب پرائٹے والا۔ اب جنرل مرحنٹ بنا ہوا تھا۔ ایک دوکان اس نے چالیس ہزار روپیہ میں خریدی تھی۔ تجارت کا تجربہ تو تھا انہیں پانچ ہزار روپیہ کا گھانا اٹھا کر اس دوکان سے اپنا بیچا چھڑا لیا۔ بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ ایک کام چلنے والے نے بہت خوشی سے وہ دوکان ساٹھ ہزار میں خرید لی۔

(۳) شہید ملت نواب زادہ یاقوت علی خان دوزیر اعظم پاکستان کے دور حکومت میں یہ انتظام تھا کہ پاکستان کی وزارت مہاجرین کو ہر ہفتہ مہاجرین کے جتنے خطوط وصول ہوتے ان خطوں کو بہت غور سے پڑھتا تھا۔ اور ہر ضروری خط کا جواب بھی دیا جاتا تھا۔ ہر خط کی ضروری باتیں فوراً نوٹ کر لی جاتی تھیں۔ اور محکمہ کی طرف سے اس کے متعلق ضروری احکام جاری ہو جاتے تھے۔

ایک مہاجر بھائی نے خط لکھا کہ ہندوستان کے فلاں شہر میں ایک خانقاہ میرے قبضہ میں تھی۔ میں اس کا مجاوری تھا۔ اور ہجرت کو خانقاہ کی آمدنی کافی ہو جاتی تھی۔ اب مجھے ہجرت کرنی پڑی۔ اس لئے درخواست ہے کہ پاکستان میں بھی اسی قسم کی کوئی خانقاہ مجھے الاٹ کرادی جائے۔ تاکہ اس کی آمدنی سے گزارہ کر سکوں۔

پاکستان کی حکومت کا غیر مسلموں کیساتھ فیاضانہ رویہ

لیاقت نہرو معاہدہ کے مطابق بھارت کی حکومت اس بات پر راضی ہو گئی تھی کہ وہ ان تمام پناہ گزینوں کو جو کہ فروری ۱۹۴۷ء سے لے کر مئی ۱۹۴۷ء تک کھوکھرا پارہ اسٹیم سے پاکستان میں داخل ہوئے تھے، واپس لے لے گی۔ جن کی تعداد تقریباً ۲,۳۰,۸۱۹ ہے۔ لیکن بھارت کی حکومت نے اب تک صرف ۲,۵۸۲ پناہ گزینوں کو واپس لیا ہے۔ لیاقت نہرو معاہدہ کے بعد نومبر ۱۹۴۷ء تک بھارت میں ۱۱ فرقہ وارانہ فسادات ہو چکے ہیں۔ جن میں ۵۱ فساد اپریل ۱۹۵۰ء دسمبر ۱۹۵۰ء تک ہوئے۔ ۳۳ فساد ۱۹۵۱ء میں۔ ۶۲ فساد ۱۹۵۲ء میں۔ فسادات کا سلسلہ بھارت میں برابر جاری ہے۔ لیکن اس عرصہ میں پاکستان میں کسی جگہ بھی کوئی فرقہ وارانہ فساد نہیں ہوا۔ یہ ایک حقیقت ہے۔ جمیعتہ العلماء بھارت، جو کہ بھارت کے کانگریسی مسلمان کی جماعت ہے، اور اخبار الجمیعتہ اس جماعت کی سرکاری آواز ہے۔ اس نے اس حقیقت کو بدیں الفاظ تسلیم کیا ہے۔

یہ اخبار اپنے ایک ایڈیٹوریل مورخہ ۱۹ اکتوبر میں لکھتا ہے کہ یہ ایک حقیقت ہے کہ پاکستان میں لیاقت نہرو معاہدہ کے بعد اب تک کوئی فرقہ وارانہ (ہندو مسلم) فساد نہیں ہوا ہے۔ پاکستان میں مسلمانوں کے تہواروں اور نیز ہندوؤں کے تہواروں پر مکمل امن رہا ہے۔

۱۹۵۳ء میں بھارت میں فرقہ وارانہ فسادات کا سلسلہ جاری رہا۔ اور اب بھی

پاکستان کے وزیر خارجہ جودھری طغرائے خان صاحب نے بتایا ہے کہ ہندوستان میں ہونے والے ۹۳ فسادات کا حکومت پاکستان کو علم ہے۔ مگر اکتوبر ۱۹۵۳ء - ۱۵ نومبر ۱۹۵۳ء کے درمیان کراچی سب سے زیادہ

وہاں مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ ارض پاک میں بالکل امن ہے۔ اور پاکستان کا دامن اس واسطے بالکل صاف ہے۔ پاکستانی حکومت غیر مسلم مہاجرین پر بھی رقم خیر صرف کر رہی ہے

ڈھاکہ میں عرصہ سے پاکستان بھگوت گیتا سوسائٹی کام کر رہی ہے اس جماعت کے روح رواں جناب سوامی کھجنگاندہیں ۲۷ مارچ ۱۹۵۳ء کو جناب ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی وزیر مہاجرین اس سوسائٹی کی عمارت میں شریف لے گئے تھے۔ اس سوسائٹی نے ان کے خیر مقدم کے سلسلہ میں ایک سپانامہ پیش کیا۔ اس میں یہ بتلایا گیا کہ اب تک اپنی لاکھ غیر مسلم (۵۰۰۰۰۰) بھارت کے مختلف صوبوں سے آکر پاکستان میں آباد ہو گئے ہیں۔ ان میں بھارت کے عیسائی ایٹنگلو انڈین، بدھ مذہب کے ماننے والے "آدی بای" (دہست اقوام)، اور برہمن بھی شامل ہیں۔ یہ بھی بتلایا کہ مدر اس سے آئے ہوئے کثیر تعداد غیر مسلموں کو ریلوے اور میونسپلٹیوں میں ملازمتیں بھی ملی گئی ہیں۔

اس سپانامہ کے جواب میں وزیر مہاجرین نے فرمایا کہ پنجاب میں جو غیر مسلم مہاجرین آگئے ہیں۔ ان کی آباد کاری پر گورنمنٹ پاکستان ایک بہت بڑی رقم صرف کر چکی ہے۔ انہوں نے مشرقی پاکستان کے غیر مسلم مہاجرین کو یقین دلایا کہ گورنمنٹ انہیں ہر قسم کی ضروری امداد مہیا کرے گی۔ اور یہ بھی فرمایا کہ مہاجرین میں امدادی رقم کی تقسیم بلا امتیاز مذہب و عقیدہ کی جا رہی ہے۔ آپ نے کہا کہ ہمارا یہ ایمان ہے کہ تمام بنی نوع انسان برابر ہیں۔ اور پیداؤں کی بنیاد پر کوئی امتیاز نہیں ہونا چاہیے۔

مشرقی پاکستان سے ترک وطن کرتے وقت ہندوؤں نے ایک لاکھ چھیانوے ہزار۔ دس مکانات، اور نو ہزار سات سو چھیانوے دوکانیں چھوڑی تھیں۔ ان میں

سے ایک لاکھ چھ سو گیارہ مکانات اور دس ہزار ۳۳۳ دوکانیں واپس آنے والے بندوں کو لوٹائی جا چکی ہیں۔ صوبائی حکومت نے واپس آنے والے تارک وطن بندوں کی آباد کاری کے لئے سات لاکھ روپے منظور کئے تھے۔ لیکن یہ رقم ناکافی ثابت ہوئی اس لئے مرکزی حکومت کو پندرہ لاکھ روپیہ اور قرض دینے پڑے۔

۲۷ مئی ۱۹۵۷ء کو رگون میں بدھوں کی ایک بین الاقوامی کانفرنس منعقد ہوئی تھی۔ جس میں بدھوں کے سب سے بڑے مذہبی رہنما نے پاکستان گورنمنٹ کے فیاضانہ ہوتاؤ کا نہایت ہی اچھے الفاظ میں ذکر کیا تھا۔

چانگام میں ایک ہر مذہب خالقہ کی تعمیر کے لئے پاکستان گورنمنٹ نے دس ہزار روپیہ کا عطیہ دیا ہے اور یہ بھی وعدہ کیا ہے کہ مقدس تبرکات کے لانے اور مشرقی پاکستان کے بدھوں کو ان کی زیارت اور پوجا کے مواقع فراہم کرنے پر جس قدر روپیہ صرف ہوگا وہ سب پاکستان کی حکومت برداشت کرے گی۔ پاکستان کی حکومت نے ایک لاکھ سے زیادہ روپیہ بدھوں کی تعلیمی ترقی پر صرف کرنے کے لئے منظور کیا ہے۔

مشرقی پاکستان کے گورنر میجر جنرل اسکندر مرزا نے سرسوتی سماج کے جلسہ تقسیم انعامات میں تقریر فرمائی اور اپنی طرف سے ایک ہزار روپیہ کے عطیہ کا اعلان کیا۔ آپ نے یقین دلایا کہ صوبائی حکومت تمام فرقوں کے تعلیمی اداروں کو حتی الامکان مدد دے گی۔

بدھ کانفرنس

رگون میں بدھوں کی کانفرنس کو مخاطب کرتے ہوئے پاکستانی بدھوں کے نمائندہ نے کہا کہ پاکستان میں بدھوں کو تمام آئینی حقوق حاصل ہیں۔ پاکستان میں بدھوں کی تعداد تقریباً پانچ لاکھ ہے۔ اور وہ مشرقی پاکستان کے ۳۳ دیہات میں آباد ہیں۔ پاکستان کی اہلی

میں بدھوں کو دوشتیں دی گئی تھیں۔ اور آئندہ بھی ان کو کافی نمائندگی دی جائے گی
 قیام پاکستان سے بدھوں کی خوشحالی کے لئے نئے مواقع پیدا ہو گئے ہیں۔ اور
 اب وہ اپنے اندر ایک نئی روح پیدا کر کے ترقی کر سکتے ہیں۔ مشرقی پاکستان میں
 ۴۰۰۰ بدھ خانقاہیں ہیں۔ ۳۰۰۰ بدھ رامب عبادت کرتے ہیں۔ بدھوں نے
 سات ہائی اسکول کھولے ہیں۔ جو حکومت کی امداد سے چلائے جا رہے ہیں۔
 حکومت بدھوں کی تعلیمی ترقی کو اہمیت دے رہی ہے۔ حکومت نے ایک بدھ
 پروفیسر کو لندن میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے سرکاری وظیفہ بھی دیا ہے۔ اور مستحق
 بدھ بچوں کو دوسرے وظیفہ بھی دے رہی ہے۔ مذہبی آزادی کے علاوہ بدھوں
 کو سماجی اجتماعات میں بھی شریک کیا جاتا ہے۔ ڈھاکہ میں ایک بدھ مندر کی تعمیر
 کے لئے حکومت نے کافی زمین بہ طور عطیہ دی ہے۔ ۱۹۵۵ء میں حکومت نے پہلی
 عالمی بدھ کانفرنس میں پاکستانی نمائندہ بھیجا اور بدھ آثار کو پاکستان لانے کے
 لئے تمام ذمہ داری قبول کی۔

پاکستان میں بھارت کے ہالی کمشنر کا بیان

ڈاکٹر موہن سسما مہتا بھارتی ہالی کمشنر برائے پاکستان نے ایک بیان میں کہا
 ہے کہ ہندو مسلمان نہایت اطمینان کے ساتھ مشرقی پاکستان میں زندگی گزار رہے
 ہیں۔ ڈھاکہ میں اس وقت ہندو وکیلوں کی تعداد بہ نسبت مسلمان وکلاء کے زیادہ
 ہے۔ اور وہ کسی قسم کی دہشت و غیرہ میں مبتلا نہیں ہیں۔ — پاکستان کے
 باشندوں میں بھارت کے لئے خیر سگالی کا جذبہ موجود ہے۔
 اس کے علاوہ ان دنوں مذہب کی بنیاد پر کوئی بددلی اور بد اعتمادی نہیں

پائی جاتی اور صوبہ کے سیاسی حالات بھی پرسکون ہیں۔

کراچی میں مشہور کالی مندر کی فوری از سر نو تعمیر کا حکم

پاکستان کے اقلیتی امور کے وزیر مشر نور الحق چودھری نے حکم دیا ہے کہ کراچی میں مشہور کالی مندر کو از سر نو تعمیر کیا جائے۔ وزیر موصوف نے کہا کہ ہندوستان کے ہائی کمشنر کا خط ملنے پر میں نے اور ہائی کمشنر نے مندر کا معائنہ کیا، اور میں نے دیکھا کہ مندر خستہ حالت میں ہے۔ وزیر موصوف نے محکمہ امور کو حکم دیا ہے کہ وہ مندر کو فوراً تعمیر کرائے اور اس کو ہندو فرقہ کے نمائندوں کے حوالے کر دے۔

سوامی کلجگانند کیرنچتی صدر پاکستان آدمی باسی لیگ کا بیان :-
ہم کانگریس کے ہندو لیڈروں کو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اگر پاکستان میں مستقبل اچھا نظر نہ آتا تو پانچ لاکھ غیر مسلم، اینگلو انڈین، ویسی عیسائی، بدھست، اچھوت سچھوت، ہندو، بھارت کو چھوڑ کر پاکستان میں کیوں آتے۔ اور اس طرح مستقبل بنانے آئے۔ جیسا کہ بمبئی کے ناگر براہمن خاندان کے لوگ آئے جن میں سے ایک کرنل ڈیسائی (آبھانی)، کی صاحبزادی محترمہ سر لادوی صاحبہ ہیں جو پاکستان شرمیہ بھگوت گیتا سوسائٹی کی جنرل سیکرٹری ہیں۔ تمام پاکستان میں آزادانہ دورہ کر کے گیتا کا پرچار کرتی ہیں۔ اور گیتا سوسائٹی کی شاخیں تمام پاکستان میں قائم رہی ہیں۔

کراچی ۲۰ دسمبر ۱۹۵۵ء

حکومت پاکستان نے ۱۹۵۶ء کے بجٹ تعلیم کی مد میں اچھوتوں کے لئے ۱۱ لاکھ روپیہ کے وظائف رکھے ہیں۔

متروکہ جاؤادوں کے جھگڑے

تقسیم ہند کے فوراً ہی بعد بھارت اور پاکستان میں اس بات کی شدید ضرورت محسوس کی گئی کہ فسادات کی وجہ سے جو لوگ ایک ملک سے دوسرے ملک میں ہجرت کر کے جا رہے ہیں۔ ان کی متروکہ املاک کی حفاظت اور خبر گیری کا کوئی انتظام ہونا چاہیے۔ اس مسئلہ پر دونوں ملکوں کے وزیر اعظموں نے اگست ۱۹۴۷ء میں فیصلہ کیا کہ دونوں ملکوں میں ایسے محکمے قائم کئے جائیں جو ان متروکہ جاؤادوں کا انتظام اپنے ہاتھوں میں لے لیں۔ دسمبر ۱۹۴۷ء میں پاکستان اور بھارت کے نمائندوں کی ایک کانفرنس میں دونوں حکومتوں نے اس اصول کو تسلیم کیا کہ جاؤاد منقولہ ہو یا غیر منقولہ اس شخص کی ملکیت ہوگی جو ترک وطن سے قبل اس کا مالک تھا۔

۸ اپریل ۱۹۵۰ء کو اقلیتوں کے بارہ میں پاکستان اور ہندوستان کے وزرائے اعظم نے ایک معاہدہ پر دستخط کر دیئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہر دو جانب سے مہاجرین کی کثیر تعداد اپنے اپنے گھروں میں واپس پہنچ گئی

تسلیم شدہ اور غیر تسلیم شدہ علاقے

متروکہ جاؤاد کے متعلق مندرجہ بالا معاہدہ صرف تسلیم شدہ علاقوں پر قابل عمل ہوگا۔ زرعی املاک کے متعلق پاکستان میں مندرجہ ذیل علاقے تسلیم شدہ علاقے شمار کئے جائیں گے۔ مغربی پنجاب، سندھ، دادالطنت کراچی، صوبہ سرحد، بلوچستان، ریاست بھاولپور اور خیبرپور، بلوچستان اور صوبہ سرحد کی ملحقہ ریاستیں۔ صوبہ سرحد کا آزاد علاقہ اس سے مستثنیٰ رہے گا۔

زرعی حائد ادوں کے متعلق بھارت میں تسلیم شدہ علاقے — مشرقی پنجاب
دہلی، ہماچل پردیش کے صوبے، پٹیالہ اور مشرقی پنجاب کی ملحقہ ریاستیں۔ ریاستہائے
بھرت پور، الور۔ بیکانیر۔

شہری غیر منقولہ جائیدادوں کے متعلق پاکستان میں وہی علاقے تسلیم شدہ سمجھے
جائیں گے۔ جو کہ پاکستان میں زرعی جائیدادوں کی فہرست میں شامل ہیں۔ بھارت کے
وہ علاقے جہاں سے فسادات کی وجہ سے بڑے پیمانے پر تیزی سے مسلمانوں نے
ہجرت کی۔ بھارت میں شہری غیر منقولہ جائیدادوں کے متعلق مندرجہ ذیل علاقے
شامل ہیں۔ — اجمیر، ماڈوار۔ دھولپور۔ کراچی ریاستیں جو کہ اب مٹیا
یونین (Matasya Union) میں شامل ہیں، راجستان یونین، سوراشٹرا
(Saurashtra) ۲۷ جولائی ۱۹۴۸ء تک یہ دونوں متحدہ ریاستیں قائم
ہو چکی تھیں۔ ریاستہائے جو دھپور۔ جے پور۔ اصرار، سہارنپور۔ دہرہ دوں،
میرٹھ مظفر گڑھ یہ سب ضلع صوبہ اتر پردیش میں شامل ہیں۔

بین الملکیتی کمیشن

ایک بین الملکیتی کمیشن اس غرض سے مقرر کیا گیا تھا۔ کہ وقتاً فوقتاً یہ دیکھا جائے
کہ معاہدہ کہ اچھی پر کہاں تک عمل کیا جا رہا ہے۔ اس کمیشن نے تین بار اپنے جلسے
منعقد کئے۔ اور دونوں حکومتوں کو مشورہ دیا۔ کہ متروکہ جائیداد کی پرائیویٹ طور پر فروخت
کے متعلق ایک قانون بنایا جائے۔ بھارت کی گورنمنٹ نے اپنی وزارت قانون
کو یہ حکم دیا۔ کہ وہ ایسا مسودہ قانون تیار کرے۔ جو دونوں حکومتوں کے لئے قابل قبول
ہو۔ بین الملکیتی کمیشن کا دوسرا جلسہ ۱۲ مارچ ۱۹۴۹ء کو منعقد ہوا تھا بین الملکیتی
کمیشن کے مشورہ کے مطابق ابتدائی قدم اٹھایا جا رہا تھا۔ کہ ۱۰ اپریل ۱۹۴۹ء

کو بھارت نے یہ مطالبہ کیا کہ معاہدہ کراچی پر نظر ثانی کی جائے۔ وہ معاہدہ جس پر دستخط کئے ہوئے صرف تین ماہ ہوئے تھے۔ اور شہری جہادادوں کا مسئلہ اول طے کیا جائے

بھارت نے ایک اصطلاح - عازمین - (INTENDING EVACUEES) ترک وطن کا ارادہ کرنے والے - اختراع کی۔ تاکہ اس کی جہاداد کو متروکہ جہاداد قرار دے دیا جائے۔ پاکستان نے ۱۸ مہینہ تک اس قسم کا قانون بنانے سے استہزا کیا۔ لیاقت نہرو معاہدہ کے بعد پھر ایک مرتبہ اس مسئلہ کو طے کرنے کی کوشش کی گئی۔ اور دونوں ملک اس پر راضی ہو گئے تھے کہ متروکہ جہادادوں کے قوانین بدل دیئے جائیں۔ پاکستان کے وزیر مہاجرین و آباد کاری نے کئی مہینہ تک پاکستان میں متروکہ جہادادوں کے قانون کو معرض التوا میں رکھا۔ لیکن بھارت کی طرف سے کوئی امید افزا جواب نہیں ملا۔

مسٹر گوپال سوامی آئنگر نے اس قضیہ کو اس شرط پر طے کرنے کی پیشکش کی کہ پاکستان غیر مسلموں کی متروکہ جہادادوں کا معاوضہ یک مشت ادا کر دے پاکستان نے اس تجویز کو مسترد کر دیا۔ کیونکہ بھارت نے متروکہ جہادادوں کا قانون غیر تسلیم شدہ علاقوں پر بھی نافذ کر دیا تھا۔ اس طرح سے بھارت غیر مسلموں کی متروکہ جہادادوں کا معاوضہ بھارت میں مسلمانوں کی چھوڑی ہوئی جہادادوں سے کہیں زیادہ طلب کرتا تھا۔

اکتوبر ۱۹۵۸ء میں بھارت سرکار نے پاکستان گورنمنٹ کو ایک چٹھی بھیجی تھی جس میں یہ بتلایا گیا تھا کہ بھارت کی حکومت نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ مسلمانوں کی متروکہ جہاداد کو حکومت اپنے قبضہ میں لے کر مالکانہ حقوق کو ختم کر دے گی۔ اور شرارتیوں میں بہ طور معاوضہ تقسیم کر دے گی۔ بھارت کی حکومت کی یہ تجویز ہے کہ پاکستان بھی غیر مسلموں کی متروکہ جہاداد کے ساتھ ایسا ہی سلوک کرے۔ پاکستان نے ۵ مارچ ۱۹۵۹ء کو جواب بھیجا ہے۔ اس میں پیش کردہ تجاویز پر عمل کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ کہ

یہ تجویز معاہدہ کی بنیادی شرائط کے خلاف ہے۔

پاکستان گورنمنٹ کے ایک جلسہ میں وزیر مہاجرین و آبادکاری نے یہ پیش کش کی تھی کہ اگر بھارت متروکہ جائیدادوں کے قانون کو منسوخ کرنے پر آمادہ ہو۔ تو پاکستان بھی ایسا ہی کرے گا۔ وزیر اعظم بھارت کی توجہ اس پیش کش کی جانب مبذول کرانی گئی تھی۔ تو انہوں نے فرمایا تھا کہ ہم اس پر راضی ہیں۔ بشرطیکہ یہ تجویز پاکستان سرکاری طور پر ہمارے پاس بھیجے۔

پاکستان کے وزیر مہاجرین نے ایک نیم سرکاری چٹھی بھارت کے وزیر مہاجرین کو بھیجی تھی جس میں یہ لکھا گیا تھا کہ معاہدہ کراچی میں کسی بڑی ترمیم کو قبول کرنا بہت ہی عجلت کا کام ہے۔ اول اس معاہدہ پر عمل کر کے دیکھنا چاہیے۔ اور اگر کوئی مشکل سدراہ نہ ہو۔ تو کسی بڑی ترمیم کے متعلق بین المملکتی کمیشن کے آئندہ جلسوں میں غور و خوض کیا جاسکتا ہے۔ لیکن بھارت نے تسلیم شدہ مسئلہ اصولوں کی خلاف ورزی شروع کر دی۔

بھارت نے کراچی معاہدہ کی دفعہ کو پس پشت ڈال کر متروکہ جائیدادوں کے قانون کو غیر تسلیم شدہ علاقوں پر بھی نافذ کر دیا۔ حکومت بمبئی نے پاکستان کو مطلع کئے بغیر ۱۹۴۹ء میں ایک غیر معمولی قانون جاری کر دیا کہ اگر کوئی مسلمان اپنے گھر سے بمبئی کے صوبہ سے باہر بھارت میں کسی جگہ چلا جائے۔ تو وہ تارک وطن قرار دے دیا جائے گا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ بمبئی شہر کا کوئی مسلمان کاروبار کے سلسلہ میں مدراس چلا جائے۔ تو اس کی جائیداد متروکہ قرار دے دی جائے گی۔ بمبئی کے اس قانون کو بھارت کی مرکزی حکومت نے ایکٹ ۱۲۔ برائے ۱۹۴۹ء ایک آرڈیننس (ہنگامی قانون) کی شکل دے دی۔ اور متروکہ جائیداد کی تعریف کو وسیع معنی دے دیئے گئے۔ یہ آرڈیننس گزٹ آف انڈیا میں ۳۱ جون ۱۹۴۹ء کو شائع

کر دیا گیا۔ مہیٹی ایکٹ کے نفاذ کے دو ماہ بعد ہی ایسے قوانین وضع کر دیئے گئے جن کا اطلاق مغربی بنگال اور صوبہ آسام کے علاوہ پورے ہندوستان پر ہوتا تھا۔

جون ۱۹۴۹ء میں جو کانفرنس بلائی گئی تھی، اس میں پاکستان کے نمائندہ نے اس بات پر احتجاج کیا، کہ بھارت نے چھوڑی ہوئی جائیدادوں کے قانون کو تسلیم شدہ قہوں کے علاوہ غیر تسلیم شدہ قہوں پر کیوں نافذ کیا؟ اس کے جواب میں بھارت کے نمائندہ نے نہایت آزادی سے یہ کہا، کہ بھارت نے متروکہ جائیدادوں کے قانون میں غیر تسلیم شدہ علاقوں کو بھی شامل کر لیا ہے، ہندوستان میں اپنی جائیدادیں زیادہ قیمت کی چھوڑ کر آئے ہیں، بہ نسبت مسلمانوں کی جائیدادوں کے جو وہ بھارت میں چھوڑ کر گئے ہیں، اس سے پاکستان کو ادائیگی قیمت میں آسانی ہوگی۔

ایک کانفرنس میں جو جولائی ۱۹۴۹ء میں طلب کی گئی تھی، مسٹر گوپال سوامی اُنکو نے کہا تھا، کہ ہمارا مقصد یہ ہے، کہ بھارت کے شہرناہتھیوں کو پاکستان میں اپنی چھوڑی ہوئی جائیدادوں کا زیادہ سے زیادہ معاوضہ مل سکے۔

بھارت کی حکومت نے جون ۱۹۴۹ء میں بذریعہ قانون مسلمانوں کو اپنی غیر منقولہ جائیداد کے تبادلہ سے روک دیا تھا، اس کے جواب میں پاکستان کو بھی مجبوراً جولائی ۱۹۴۹ء میں اسی قسم کا قانون پاس کرنا پڑا۔

متروکہ جائیداد کے متعلق جنوری ۱۹۴۹ء میں دونوں ملکوں میں جو معاہدہ ہوا تھا، اہر معاہدہ میں زرعی متروکہ املاک کی فروخت کا قطعی طریقہ کار نہیں بتایا گیا تھا، لیکن شہر و غیر منقولہ جائیداد کے بارے میں صاف طور پر لکھا ہے، کہ تارکان وطن شہری جائیداد اپنے طور پر فروخت یا تبدیل کر سکیں گے، بعد میں یہ طے ہوا کہ اس معاہدہ کا اطلاق صرف ان علاقوں پر ہوگا، جو تسلیم شدہ علاقہ کی تعریف میں آتے ہیں۔

معاہدہ میں ایک بشرط بھی ہے، کہ تارکان وطن کے تمام ذاتی اور گھریلو سامان کو بھی کسٹوڈین کے پرمٹ کے بغیر دوسرے ملکوں کو لے جانے کی اجازت دی جائے

لیکن بھارت نے اس معاہدہ کے عمل درآمد میں رکاوٹیں پیدا کیں۔ اگست ۱۹۵۳ء میں اس معاہدہ کو روک دینے کے متعلق ایک کانفرنس ہوئی جس میں چند فیصلے مد لے گئے یا ان پر نظر ثانی کی گئی۔ بھارتی حکومت نے غیر منقولہ مٹر کو جائیداد پر از سر نو گفت و شنید کا مطالبہ کیا۔ دونوں حکومتوں کے درمیان اس سوال پر مراسلت ہو رہی تھی کہ بھارت نے مٹر کو جائیداد کے نیم مستقل الاٹمنٹ کی اسکیم کا اعلان کر دیا۔ اور مسلمان مہاجرین کی جائیداد بطور معاوضہ ہندو اور سکھ تارکان وطن کو دینی شروع کر دی۔ یہ جنوری ۱۹۵۴ء کے معاہدہ کی براہ راست خلاف ورزی تھی۔ بھارت کے وزیر مہاجرین و آباد کاری مسٹر اجیت پرشا وجین نے ۳۱ مارچ ۱۹۵۴ء کو بھارت پارلیمنٹ میں ایک بیان دیا ہے اور یہ بیان ٹائمز آف انڈیا مطبوعہ مکیم اپریل ۱۹۵۴ء میں شائع بھی ہو چکا ہے۔ ہندوستان کے وزیر آباد کاری نے اس اسکیم کا اعلان کرتے ہوئے یہ انکشاف کیا ہے کہ اس پر پچھلی تاریخ یکم نومبر ۱۹۵۳ء سے عمل درآمد شروع کر دیا گیا ہے۔ پاکستان پارلیمنٹ میں مسٹر نور احمد نے مسٹر شعیب قریشی وزیر آباد کاری پاکستان سے مسٹر اجیت پرشا وجین کے بیان کے بارے میں ایک سوال دریافت کیا تھا۔ ۱۲ اپریل ۱۹۵۴ء کو وزیر مہاجرین نے ایک مفصل جواب دیا تھا۔

ہندوستان پانچ ماہ سے اس معاہدہ کی خلاف ورزی کر رہا ہے۔ اور اپنے یہاں کے تارکین وطن کو مسلمانوں کی مٹر کو جائیدادیں نیم مستقل بنیاد پر الاٹ کر رہا ہے لیکن کس قدر حیرت کا مقام ہے کہ پاکستان کی وزارت مہاجرین کو پانچ ماہ تک اس کے متعلق کچھ معلوم نہ ہو سکا۔ اور پاکستان کا بانی و مشر مقیم دہلی ان باتوں سے لاعلم ہوا یہ بھی غنیمت ہے کہ ہمارے وزیر مہاجرین نے ۱۲ دن کی مسلسل خاموشی کے بعد پاکستان پارلیمنٹ میں اس سوال کا جواب دینے کی زحمت گوارا کی

۱۹۵۹ء کے معاہدہ کے بعد ہر صوبے اور علاقے میں ان مسلمانوں کی جائیدادیں

پر قبضہ ہونے لگا۔ جو کہ پاکستان آگئے تھے۔ اور ان کی جائیدادوں پر بھی۔ جو ہنگامہ و فساد کی وجہ سے بھارت ہی کے کسی دوسرے علاقہ میں منتقل ہو گئے تھے۔ اور ان کی جائیدادوں پر جو کہ اپنے گھروں میں مقیم تھے۔ اس بہانے سے کہ تمہارا کبھی نہ کبھی پاکستان جانے کا ارادہ ہے۔ کلکتہ میں ہزاروں ایسے مسلمان موجود ہیں جو کلکتہ کے باشندے ہیں۔ کلکتہ ہی میں مقیم ہیں۔ اور ان کے گھروں پر غیر مسلموں کا قبضہ ہے وہ غریب مظلوم اپنے اپنے گھروں کے سامنے فٹ پاتھ پر رات بسر کرتے ہیں۔ دنیا کی تاریخ میں یہ ظلم کسی قوم نے کسی قوم پر نہیں کیا۔ جو بھارت کے ہندو اور حکومت بھارت مسلمانوں پر کر رہے ہیں۔

اب بھارت کی حکومت کی اسکیم یہ ہے کہ ان جائیدادوں کو فروخت کر کے ہندو پناہ گزینوں کو آباد کرے گی۔ اور یہ جائیدادیں کس طرح فروخت کی جا رہی ہیں؟ اس فروخت میں ایسا ظلم ہو رہا ہے کہ دنیا کے ظالم بھی اس کو دیکھنے کے لئے اگر موجود ہوتے۔ تو اس پر عیش عیش اور افسوس کرتے۔ پہلے ایک سو روپیہ ماہوار کرایہ کی حیثیت کے مکان کو پانچ سو روپیہ ماہوار کرایہ پر دیا جاتا ہے۔ پھر یہ شرائط عائد کی جاتی ہیں۔ کہ کرایہ میں کبھی اضافہ نہ ہوگا۔ اور کرایہ دار سے ہرگز مکان خالی نہیں کرایا جائے گا۔ اس کے بعد وہ مکان فروخت کیا جاتا ہے۔ اس طرح پچاس ہزار روپیہ کا مکان غیر مسلم پناہ گزینوں کو پانچ سو روپیہ میں مل جاتا ہے۔ اور مسلمانوں کی متروکہ جائیداد کی قیمت کے حساب میں صرف پانچ سو لکھے جاتے ہیں۔

اس سلسلہ میں یہ ایک بڑی دلچسپ بات ہے کہ جس وقت راج سبھائی مسلمانوں کی شہری جائیداد کے حقوق ملکیت کے مسئلہ پر بحث ہو رہی تھی۔ تو دیوان جین لال (کانگریس) نے کہا۔ ایک زمانہ میں بھارت میں مسلمانوں کی شہری متروکہ جائیداد کی قیمت تین ارب تھمینیہ کی جاتی تھی۔ لیکن اب اس کی قیمت کا تخمینہ صرف ایک ارب کیا جا رہا ہے۔

— یہ تین ارب بھی ہندوؤں اور بھارت کی حکومت ہی کے تحفینہ کے مطابق تھی واقعی ان کی کیا قیمت ہے؟ اس کا تحفینہ کرنا پاکستان کی حکومت کا کام تھا جس کی اس کو آج تک توفیق نہیں ہوئی۔

اخبار مقاصد کراچی۔ ۳۰ اکتوبر ۱۹۵۲ء

بھارت نے نہ صرف ان مسلمانوں کی جائیدادوں پر قبضہ کر لیا ہے۔ جو کہ پاکستان چلے گئے ہیں۔ بلکہ بہانوں اور حیلوں سے ان مسلمانوں کی جائیدادوں پر غاصبانہ قبضہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ جو کہ اب تک بھارت ہی کے شہری ہیں۔ اور ان کا کبھی بھی ارادہ پاکستان جانے کا نہیں ہے۔ مولانا حفظ الرحمن صاحب نے بھارتی پارلیمنٹ میں اپنی تقریر میں کہا: کہ حضرت مولانا احمد سعید صاحب عیسیٰ شخصیت پر بھی جن کی پوری زندگی قومی سرگرمیوں میں گزری ہے۔ نوٹس تھیں ہوئے۔ چونکہ آپ کا ارادہ پاکستان ہجرت کرنے کا ہے۔ اس لئے آپ کے مکان کو تارک وطن قرار دیا جا رہا ہے اور جب اس سلسلہ میں۔ میں نے کسٹوڈین کو متوجہ کیا۔ تو کہا گیا۔ کہ ہم تو ہر مسلمان کو تارک وطن سمجھتے ہیں۔ اب یہ اس کا فرض ہے کہ وہ ثبوت دے۔ کہ وہ تارک وطن نہیں ہے یہ ہی نہیں۔ بلکہ مرحوم مسٹر آصف علی کی جائیداد بھی جب کہ وہ گورنر تھے متروکہ قرار دی گئی۔ ایک ڈیزیل میں مسٹر آصف علی کے قریب بیٹھا ہوا تھا۔ کہ مسٹر آصف علی مسٹر چھو رام دسابق کسٹوڈین جنرل سے کہہ رہے تھے۔ کہ آپ کے محکمہ کا یہ حال ہے کہ میرا حکومت ہند سے تعلق ہے لیکن اس کے باوجود میری جائیداد متروکہ قرار دی گئی ہے۔

دہلی ۲۰ ستمبر ۱۹۵۶ء

راقم الحروف کی اہلیہ کا ایک دو منزلہ مکان قریب باغ دہلی میں واقع تھا۔ دونوں

حصوں میں دو کرایہ دار۔ مسٹر چکروٹی اور مسٹر تواری رہا کرتے تھے۔ تقسیم ہند کے بعد ان لوگوں نے کرایہ ادا کرنا بند کر دیا تحقیقات سے معلوم ہوا کہ اب یہ مکان مٹروکہ جائداد قرار دے دیا گیا ہے۔ ڈپٹی کمشنر ڈین دہلی کی عدالت میں ہر مقررہ تاریخ پر ہم لوگ پہلی بجیت دیو پی، سے دہلی جا کر معہ وکیل کے حاضری دیا کرتے تھے۔ تقریباً ۱۰ سال تک اس تک دو دو کا سلسلہ جاری رہا۔ روپیہ بھی ضائع ہوا۔ اور پریشا نیاں اس کے علاوہ رہیں۔ ہر مرتبہ ڈپٹی کمشنر ڈین نے یہ ہی کہا کہ یہ مٹروکہ جائداد ہے ہمارے کاغذات میں یہ درج ہے کہ آپ لوگ پاکستان چلے گئے ہیں۔ ہم ہر مقررہ تاریخ پر خود بھی عدالت میں حاضر ہوتے تھے۔ اور قانونی مشیر کے توسط سے ہم اپنے ہندوستان میں رہنے کا ناقابل تردید ثبوت بھی پیش کرتے تھے۔ لیکن ہر مرتبہ ہم سے یہ ہی کہا جاتا تھا کہ آپ لوگ پاکستان چلے گئے ہیں۔

اپریل ۱۹۵۴ء میں پارلیمنٹ میں وزیر مہاجرین مسٹر شعیب قریشی نے یہ اعلان کیا کہ مٹروکہ جائدادوں کے الاٹمنٹ کے بارہ میں ایک خاص تاریخ سے پہلے آنے والے مہاجرین کے درمیان طے شدہ اور غیر طے شدہ علاقوں کا کوئی فرق نہیں کیا جائے گا۔ اور یہ بھی اعلان کیا کہ حکومت نے ایک اسکیم کے تحت شہروں کی غیر منقولہ مٹروکہ املاک کے نیم مستقل الاٹمنٹ کا فیصلہ کیا ہے۔

وزیر مہاجرین نے کہا کہ مہاجرین کو مٹروکہ املاک الاٹمنٹ کرنے کے سلسلہ میں خواہ یہ الاٹمنٹ مستقل ہو یا نیم مستقل۔ اب کوئی علاقائی امتیاز نہیں رہتا جا بیگا لیکن مہاجرین کو سلسلہ وار ترجیح دی جائے گی۔ اور یہ مدت بھی مقرر کر دی جائے گی کہ کس تاریخ تک آنے والے مہاجرین کو مٹروکہ املاک الاٹمنٹ دی جائے گی۔ اس تاریخ کے بعد جو مہاجرین ہندوستان سے آئیں گے۔ وہ مٹروکہ املاک کے مستقل اور نیم

مستقل الاٹمنٹ کے حقدار نہیں سمجھے جائیں گے۔ اس کے ساتھ حکومت نے شہری غیر منقولہ متروکہ اٹاک کے نیم مستقل الاٹمنٹ کی ایک اسکیم جاری کی ہے بھارت سرکار نے یکم نومبر ۱۹۵۳ء سے ہندوستان میں مسلمانوں کی متروکہ جائیدادوں کو برائے نام قیمت پر بیلا کرنا شروع کر دیا ہے۔ اور وہ اس روپیہ سے شہرناہتیوں کو پاکستان کی متروکہ جائیدادوں کا معاوضہ ادا کر رہی ہے۔

پاکستان کی وزارت مہاجرین کے ایک اعلان میں بتایا گیا ہے کہ وہ تمام لوگ جنہوں نے یکم مارچ ۱۹۴۷ء اور ۳۰ جون ۱۹۵۳ء کے درمیان ہندوستان یا ہندوستانی مقبوضہ علاقہ کو چھوڑ کر پاکستانی شہریت حاصل کی ہے یا پاکستان میں سکونت اختیار کی ہے۔ اپنے مطالبات کا رجسٹریشن کرا سکتے ہیں کہ اچھی مارمسی ۱۹۵۵ء

پاکستان کی حکومت نے آرڈیننس ۷۷ عجزیہ ۱۹۵۵ء کے تحت متروکہ جائیداد کے متعلق مہاجرین سے دعوے طلب کئے ہیں۔ اور خیال ہے کہ مہاجرین کو ۱۹۵۸ء کے آخر تک کچھ نہ کچھ معاوضے ضرور دیئے جائیں گے۔ یا دوسرے مناسب طریقوں سے آنسو پونچھنے کی کوشش کی جائے گی۔

ہم نے مانا کہ تغافل نہ کرو گے لیکن
خاک ہو جائیں گے۔ ہم تم کو خبر ہوئے تک غالب

۱۔ حکومت پاکستان متروکہ جائیدادوں کی مرمت پر ہر سال ۳۵ لاکھ روپیہ خرچ کرتی ہے۔
۲۔ ہندوستان میں بے گھر اشخاص کو معاوضے پر معلوم ہوا ہے کہ ۱۵ نومبر ۱۹۵۵ء تک ہندوستان کی سرکاری وزارت بحالیات نے ۳۷ ہزار بے گھر لوگوں کے کیسوں دعوؤں پر ۵۷ کروڑ روپیہ معاوضہ ادا کیا وزارت بحالیات نے چودہ کروڑ روپیہ نقد ادا کئے۔ ۴ کروڑ انتقال جائیداد کی صورت میں ادا کیا۔ اور تین کروڑ روپیہ عام قرضوں کی معافی کی صورت میں ادا کیا گیا۔

اب تک جن بے گھر لوگوں کے دعوؤں کی توثیق ہو چکی ہے۔ ان کی تعداد ۳ لاکھ ۹۰ ہزار ہے

نئی دہلی - ۲۴ فروری ۱۹۵۶ء ، مدینہ منورہ - ۱۹ فروری ۱۹۵۶ء

آباد کاری کے وزیر سردار امیر اعظم نے اپنی ایک تقریر میں فرمایا ہے۔
 "حالیہ مردم شماری سے پتہ چلا ہے کہ کراچی میں پانچ لاکھ مہاجرین آباد ہیں
 مگر حکومت کو ان کی آباد کاری کے لئے ایک لاکھ مکان بنانا ناممکن ہے اس
 لئے فیصلہ کیا گیا ہے کہ ہر قسم کے مہاجرین کو ان کے سماجی درجہ کے امتیاز کے
 بغیر پلاٹ دیئے جائیں گے تاکہ دارالحکومت میں بے گھر لوگ آباد ہو سکیں؟
 اس بیان پر پاکستان کے مشہور مزاحیہ نگار محترمی مجید لاہوری ایڈیٹر
 نمک دان نے اپنے مخصوص انداز تحریر میں بدیں الفاظ تبصرہ کیا ہے۔
 اس سے پہلے بھی مہاجرین کو ایسے ہی خواب دکھائے گئے ہیں خدا کے
 یہ خواب حقیقت میں بدل جائیں۔۔۔ ورنہ مہاجرین تو اب تک۔
 "بے ٹکٹ جنت" کی تصویریں دیکھ ہی رہے ہیں۔ اور کہہ رہے ہیں۔
 "خوب تصویر بنائی۔ مرے بہلانے کو"

تمام شد

پڙهندڙ نسل . پ ن

The Reading Generation

1960 جي ڏهاڪي ۾ عبدالله حسين ”اُداس نسلين“ نالي ڪتاب لکيو. 70 واري ڏهاڪي ۾ وري ماڻڪ ”لڙهندڙ نسل“ نالي ڪتاب لکي پنهنجي دور جي عڪاسي ڪرڻ جي ڪوشش ڪئي. امداد حسينيءَ وري 70 واري ڏهاڪي ۾ ئي لکيو:

انڌي ماءُ جڙيندي آهي اونڌا سونڌا ٻارَ
ايندڙ نسل سمورو هوندو گونگا ٻوڙا ٻارَ

هر دور جي نوجوانن کي اُداس، لڙهندڙ، ڪڙهندڙ، ڪڙهندڙ، ٻرندڙ، جُرنندڙ، ڪِرندڙ، اوسيئڙو ڪندڙ، پاڙي، ڪاڻو، پاڇوڪڙ، ڪاوڙيل ۽ وڙهندڙ نسلن سان منسوب ڪري سگهجي ٿو، پر اسان انهن سڀني وچان ”پڙهندڙ“ نسل جا ڳولائو آهيون. ڪتابن کي ڪاڳر تان ڪڍي ڪمپيوٽر جي دنيا ۾ آڻڻ، ٻين لفظن ۾ برقي ڪتاب يعني e-books ٺاهي ورهائڻ جي وسيلي پڙهندڙ نسل کي وڌڻ، ويجهڻ ۽ هڪ ٻئي کي ڳولي سھڪاري تحريڪ جي رستي تي آڻڻ جي آس رکون ٿا.

پڙهندڙ نسل (پَن) ڪا به تنظيم ناهي. اُن جو ڪو به صدر، عهديدار يا پايو وجهندڙ نه آهي. جيڪڏهن ڪو به شخص اهڙي دعويٰ ڪري ٿو ته پڪ ڄاڻو ته اهو ڪوڙو آهي. نه ئي وري پَن جي نالي کي پئسا گڏ ڪيا ويندا. جيڪڏهن ڪو اهڙي ڪوشش ڪري ٿو ته پڪ ڄاڻو ته اهو به ڪوڙو آهي.

جھڙيءَ طرح وٽن جا پَن ساوا، ڳاڙها، نيرا، پيلا يا ناسي هوندا آهن اهڙيءَ طرح پڙهندڙ نسل وارا پَن به مختلف آهن ۽ هوندا. اهي ساڳئي ئي وقت اداس ۽ پڙهندڙ، ٻرندڙ ۽ پڙهندڙ، سُست ۽ پڙهندڙ يا وڙهندڙ ۽ پڙهندڙ به ٿي سگهن ٿا. ٻين لفظن ۾ پَن کا خصوصي ۽ تالي لڳل ڪلب Exclusive Club نه آهي.

ڪوشش اها هوندي ته پَن جا سڀ ڪم ڪار سهڪاري ۽ رضاڪار بنيادن تي ٿين، پر ممڪن آهي ته ڪي ڪم اجرتي بنيادن تي به ٿين. اهڙي حالت ۾ پَن پاڻ هڪٻئي جي مدد ڪرڻ جي اصول هيٺ ڏي وٺ ڪندا ۽ غيرتجارتي non-commercial رهندا. پَن پاران ڪتابن کي ڊجيٽائيز digitize ڪرڻ جي عمل مان ڪو به مالي فائدو يا نفعو حاصل ڪرڻ جي ڪوشش نه ڪئي ويندي.

ڪتابن کي ڊجيٽائيز ڪرڻ کان پوءِ اهم مرحلو ورهائڻ distribution جو ٿيندو. اهو ڪم ڪرڻ وارن مان جيڪڏهن ڪو پيسا ڪمائي سگهي ٿو ته ڀلي ڪمائي، رڳو پَن سان اُن جو ڪو به لاڳاپو نه هوندو.

پَن کي کليل اکرن ۾ صلاح ڏجي ٿي ته هو وس پٽاندڙ وڌ کان وڌ ڪتاب خريد ڪري ڪتابن جي ليگڱن، ڇپائيندڙن ۽ ڇاپيندڙن کي همٿائين. پر ساڳئي وقت علم حاصل ڪرڻ ۽ ڄاڻ کي ڦهلائڻ جي ڪوشش دوران ڪنهن به رڪاوٽ کي نه مڃن.

شيخ اياز علم، ڄاڻ، سمجھ ۽ ڏاهپ کي گيت، بيت، سٽ، پُڪار سان
تَشْبِيه ڏيندي انهن سڀني کي بَمَن، گولين ۽ بارود جي مدِ مقابل بيهاريو
آهي. اياز چوي ٿو ته:

گيتَ به ڄڻ گوريلا آهن، جي ويريءَ تي وار ڪرڻ ٿا.

....

ڄڻ ڄڻ جاڙ وڌي ٿي جڳ ۾، هو ٻوليءَ جي آڙ چُپن ٿا؛
ريتيءَ تي راتاها ڪن ٿا، موٽي منجهه پهڙ چُپن ٿا؛

....

ڪالهه هُيا جي سُرخ گلن جيئن، اڄڪلهه نيلا پيلا آهن؛
گيتَ به ڄڻ گوريلا آهن.....

....

هي بيتُ آئي، هي بَمَ - گولو،

جيڪي به کڻين، جيڪي به کڻين!

مون لاءِ ٻنهي ۾ فَرَقُ نه آ، هي بيتُ به بَمَ جو ساٿي آ،

جنهن رِٿَ ۾ رات ڪيا راڙا، تنهن هُڏَ ۽ چَمَ جو ساٿي آ -

ان حساب سان اڻڄاڻائي کي پاڻ تي اهو سوچي مڙهڻ ته ”هاڻي ويڙهه ۽
عمل جو دور آهي، اُن ڪري پڙهڻ تي وقت نه وڃايو“ نادانيءَ جي نشاني
آهي.

پَنَ جو پڙهڻ عام ڪتابي ڪيڙن وانگر رُڳو نصابي ڪتابن تائين
محدود نه هوندو. رُڳو نصابي ڪتابن ۾ پاڻ کي قيد ڪري ڇڏڻ سان سماج
۽ سماجي حالتن تان نظر ڪڍي ويندي ۽ نتيجي طور سماجي ۽ حڪومتي
پاليسيون policies اڻڄاڻن ۽ نادانن جي هٿن ۾ رهنديون. پَنَ نصابي ڪتابن
سان گڏوگڏ ادبي، تاريخي، سياسي، سماجي، اقتصادي، سائنسي ۽ ٻين

ڪتابن کي پڙهي سماجي حالتن کي بهتر بنائڻ جي ڪوشش ڪندا.

پڙهندڙ سُئل جا پَن سڀني کي **ڇو، ڇا، ۽ ڪيئن** جهڙن سوالن کي هر بيان تي لاڳو ڪرڻ جي ڪوٺ ڏين ٿا ۽ انهن تي ويچار ڪرڻ سان گڏ جواب ڳولڻ کي نه رڳو پنهنجو حق، پر فرض ۽ اڻٽر گهرج unavoidable necessity سمجهندي ڪتابن کي پاڻ پڙهڻ ۽ وڌ کان وڌ ماڻهن تائين پهچائڻ جي ڪوشش جديد ترين طريقن وسيلي ڪرڻ جو ويچار رکن ٿا.

توهان به پڙهڻ، پڙهائڻ ۽ ڦهلائڻ جي ان سهڪاري تحريڪ ۾ شامل ٿي سگهو ٿا، بس پنهنجي اوسي پاسي ۾ ڏسو، هر قسم جا ڳاڙها توڙي نيرا، ساوا توڙي پيلا پن ضرور نظر اچي ويندا.

وڻ وڻ کي مون پاڪي پائي چيو ته ”منهنجا پاءُ
پهتو منهنجي من ۾ تنهنجي پَن پَن جو پڙلاءُ.“
- اياز (ڪلهي پاتم ڪينرو)